اللؤلؤ المكنون

یازدہم

سیرت انسائیکلوپیڈیا



● جمالِ نبوت علیہ الصلاۃ والسلام کا دل پذیر تذکرہ ● سیدالمرسلین ﷺ کے بلند پایہ اخلاق، بے مثال کردار اور آدابِ عالیہ کا حسین مرقع ● محمد ﷺ کی اعلیٰ خصوصیات، عظیم الشان معجزات، بے مثال پیش گوئیوں، مقبول دعاؤں اور فضائل و مناقبِ نبوی کا دلآویز گل زار

دارالسلام
DARUSSALAM

دارالسلام
ریسرچ سنٹر



وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

جلد 11

اللؤلؤ المكنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاة والسلام



وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اللؤلؤ المكنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاة والسلام

جلد 11

- جمالِ نبوت ﷺ کا دل پذیر تذکرہ
- رحمۃ للعالمین ﷺ کے فضائل و مناقب کا خوبصورت گلدستہ
- نبی ﷺ کے بلند پایہ اخلاق، بے مثال کردار اور آدابِ عالیہ کا حسین مرقع
- محمد ﷺ کی اعلیٰ خصوصیات، عظیم الشان معجزات اور بے مثال پیش گوئیاں

دارالسلام
DARUSSALAM

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبھا الصلاۃ والسلام

رسول اللہ ﷺ کے حسن و جمال و کردار و آداب اور خُلق عظیم کے علاوہ آپ کے فضائل، کمالات اور خصوصیات کا دلنشین تذکرہ نیز آپ ﷺ کے عظیم الشان معجزات، بے مثال پیشین گوئیوں اور مقبول دعاؤں کا تذکرہ بھی اس جلد میں آپ پڑھیں گے

نگران اعلیٰ: عبدالمالک مجاہد

تصنیف وتالیف

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

مولانا محمد اجمل بھٹی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

حافظ عبداللہ ناصر مدنی
(فاضل علوم اسلامیہ)

حافظ محمد عثمان یوسف
(فاضل مدینہ یونیورسٹی)

تصحیح وتنقیح/نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری
(فاضل علوم اسلامیہ معروف مؤلف ومحقق)

جناب محسن فارانی
(ایم اے اردو، ماہر تاریخ، جغرافیہ ولسانیات)

معاونت

جناب احمد کامران
(سینئر صحافی وماہر اردو زبان وادب)

ڈیزائننگ وکمپوزنگ

ہارون الرشید
(آرٹ ڈائریکٹر)

عبدالخالق
(کمپوزنگ وگرافک ڈیزائننگ)

محمد شعیب
(السٹریٹر)

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
DARUSSALAM

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب
فون: 4033962-4043432 1 00966 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com
Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • علیا فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 1 00966 فیکس: 4735221
• سویلم فون: 4286641 1 00966 • سویلم فون/فیکس: 2860422 1 00966
جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270 • مدینہ منورہ فون: 8234446,8230038 4 00966 فیکس: 8151121 04
الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 3 00966 • خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 7 00966
ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 • قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 3696124 6 00966

امریکہ • نیویارک فون: 5925 625 718 001 • ہیوسٹن: 0419 722 713 001 • کینیڈا • فون: 4186619 416 001
لندن • فون: 77252246 20 0044-85394885 20 0044 • برمنگھم: 7739309 0121 0044
متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624 فرانس فون: 52928 480 01 0033 فیکس: 52997 480 01 0033
انڈیا • فون: 45566249 44 0091 موبائل: 12041 98841 0091 • فون: 4180 2373 22 0091
• فون: 4892 2451 40 0091 موبائل: 30850 98493 0091 • فون: 42157847 44 0091
سری لنکا • فون: 358712 115 0094 • فون: 2669197 114 0094

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور
فون: 00 324 372 ,24 400 372 ,34 240 373 42 0092 فیکس: 72 540 373 042
www.darussalampk.com
اردو بازار: غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 54 200 371 42 0092 فیکس: 03 207 373 042
ڈیفنس: Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 10 926 358 42 0092
گلبرگ: دکان نمبر 2، گراؤنڈ فلور، پک سٹی پلازہ، لبرٹی گول چکر، گلبرگ III لاہور فون: 50 738 357 42 0092
مین مارکیٹ: ملحقہ فل انفس بک ڈپو مین مارکیٹ گلبرگ فون: 67 882 357 42 0092
ٹاؤن شپ: بیکو روڈ ٹاؤن شپ، نزد اکبر چوک، لاہور فون: 30 242 351 42 0092

کراچی مین طارق روڈ، ڈولمین مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی فون: 36 939 343 21 0092 فیکس: 37 939 343 21 0092
اسلام آباد F-8 مرکز، ایچ بی مارکیٹ، شاہ دین منظر فون: 13 15 228 51 0092 islamabad@darussalampk.com

ملتان 995- ایم ٹیکس آفیسر کالونی، بوسن روڈ، ملتان فون: 24 00 622 61 0092

فیصل آباد کوہ نور سٹی (پلازہ نمبر 1، دکان نمبر 16) جڑانوالہ روڈ، فیصل آباد فون: 44 19 850 41 0092

info@darussalampk.com | www.darussalampublishers.com



شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مكتبة دارالسلام
موسوعة السيرة النبوية - الجزء ١١ - اللغة الاردية / مكتبة دارالسلام - الرياض، ١٤٣٧ هـ
ص: ٤٦٢ مقاس: ٢٤×١٧ سم
ردمك: ٢-٣٧٤-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨
١ - السيرة النبوية ٢ - الموضوعات أ. العنوان
ديوي ٢٣٩ ١٤٣٧/٣٠٠٦ رقم الإيداع: ١٤٣٧/٣٠٠٦
ردمك: ٢-٣٧٤-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

اللهم صل على

محمد

وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم

وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم

إنك حميد مجيد

صحيح البخاري : 3370 صحيح مسلم : 405-407

رسول ﷺ کی مدحت میں
سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے
خوبصورت اشعار

وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اور آپ کی ذات اقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں
اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں
آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں
گویا آپ کی ذات اقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے



مضامین

باب 1

سب حسینوں سے حسین رحمۃ للعالمین

باب 1

سب حسینوں سے حسین
رحمۃ للعالمین ﷺ

سید البشر، امام الانبیا، معلم انسانیت، سیدنا محمد ﷺ کے
خدوخال، حلیۂ جلال اور آثارِ جمال پر ایک نظر

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ

”(لوگو!) بلاشبہ یقیناً تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آگیا ہے۔ اس پر تمھارا تکلیف میں مبتلا ہونا گراں (گزرتا) ہے، وہ تمھارے لیے (بھلائی کا) حریص ہے، مومنوں پر نہایت شفیق، بہت رحم کرنے والا ہے۔“ (التوبۃ 9:128)

اس باب میں

آپ کو رسالت مآب ﷺ کے سراپائے مبارک کی جلوہ ریزیاں نظر آئیں گی۔ رسول اللہ ﷺ جس طرح اپنی سیرت مقدسہ کے لحاظ سے بے مثل تھے، اسی طرح آپ ﷺ کا جمال جہاں آرا بھی بے مثال تھا۔ آپ ﷺ کی جسمانی ساخت نہایت خوبصورت تھی۔ رنگ سرخ و سفید تھا۔ چہرۂ مبارک چاند سے زیادہ منور نظر آتا تھا۔ گردن لمبی تھی، سر بڑا متناسب تھا۔ دندان مبارک موتیوں کی لڑی معلوم ہوتے تھے۔ آنکھیں سرمگیں اور بڑی بڑی تھیں۔ پلکیں لمبی لمبی تھیں۔ ریش مبارک گھنی تھی۔ مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی بڑی تھیں۔ شانوں اور کلائیوں پر بال تھے۔ ہتھیلیاں چوڑی تھیں، کلائیاں لمبی تھیں۔ یہ حلیہ مبارک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان کیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سچائی کے پیکر تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو جس طرح اور جس حال میں دیکھا، بے کم و کاست بیان کر دیا۔ اگلے اوراق میں آپ کو صحابہ کرام کے ایسے ہی بیانات ملیں گے، یہ بیانات توجہ سے پڑھیے۔ آپ کو یوں محسوس ہو گا جیسے آپ رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کی خود زیارت کر رہے ہیں۔

محمد ﷺ سے زیادہ حسین کسی ماں نے جنا ہی نہیں

احسن الخالقین نے رسول اللہ ﷺ کو سب حسینوں سے بڑھ کر حسین اور سب جمیلوں سے زیادہ پیکرِ جمال بنایا۔ ساری ظاہری اور معنوی خوبصورتیاں اور دل آویزیاں آپ ﷺ کی ذات بابرکات میں سمو دیں۔ آپ ﷺ کا وجودِ مسعود جلال، کمال اور جمال لازوال کی تکمیل خوبیوں سے متصف تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا اطہر و معطر جسم انتہائی نفاست و پاکیزگی سے گندھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ حسن کی معراج تھے۔ پورے کرۂ ارض پر اور تمام عالمِ انسانیت میں آپ ﷺ کے حسن کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپ ﷺ کے ایک محبِ صادق سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے آپ کے حسن جہاں تاب کو چاند کے بالمقابل دیکھا تو آپ ﷺ کے حسن کے آگے چاند کا نور ماند پڑ گیا۔ آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کو سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنی خوشبو میں ملا کر اس کی مہک دوبالا کر دی۔ آپ ﷺ کے لعابِ دہن کی برکت سے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی ایک ہنڈیا 1000 صحابہ رضی اللہ عنہم کو سیر کر گئی۔ الغرض اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے معیارِ عالی کے مطابق اتنا احسن، اجمل اور اکمل بنایا جس کی نظیر الی یوم الآخر ناپید رہے گی۔ آپ ﷺ ارتقائے انسانیت کی سب سے اونچی مسند پر اس شان سے رونق افروز ہوئے کہ جو بھی آپ ﷺ کی اتباع کرے گا، رب ذوالجلال اُسے اپنا محبوب بنا لے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے بے مثال حسن و جمال کو مداحِ رسول سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یوں بیان کیا ہے:

وَأَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي   وَأَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ   كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

''آپ کی ذاتِ اقدس سے بڑھ کر حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں۔ آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔ آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں۔ گویا آپ کو آپ کی چاہت کے عین مطابق بنایا گیا ہے۔''

حلیہ مبارک

ظاہر بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک وہ عظیم ہستیاں بیان کر سکتی ہیں جو آپ کے دیدار اور رفاقت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئیں۔ ذیل میں ہم انھی کے بیانات کی روشنی میں آپ ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کر رہے ہیں:

سیدنا براء بن عازب ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور خوب سیرت تھے، نہ دراز قد اور نہ پست قامت۔ کندھوں کا درمیانی فاصلہ عام پیمانے سے زیادہ، بال کانوں کی لو تک لمبے، سرخ جوڑا زیب تن کیے ہوئے آپ ﷺ سے زیادہ خوب رو میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔[1]

سیدنا جابر بن سمرہ ؓ بیان کرتے ہیں: میں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کو سرخ جوڑا پہنے چاندنی رات میں دیکھ رہا تھا، میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر نظر کرتا، بالآخر اس فیصلے پر پہنچا کہ نبی اکرم ﷺ چاند سے کہیں زیادہ حسین ہیں۔[2]

سیدنا براء بن عازب ؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا آپ ﷺ کا چہرہ تلوار جیسا (چمک دار) تھا۔ فرمایا: نہیں، بلکہ چاند جیسا (خوبصورت اور پرنور) تھا۔[3]

اسی طرح سیدنا جابر ؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک تلوار کی طرح (چمک دار اور لمبا) تھا؟ سیدنا جابر ؓ نے فرمایا: نہیں بلکہ سورج اور چاند کی طرح روشن اور گول تھا۔[4]

سیدنا کعب بن مالک ؓ کا بیان ہے کہ جب جنگ تبوک میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے میری توبہ قبول ہوئی تو میں نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور سلام کیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک مارے خوشی کے چمک رہا ہے اور آپ ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ ایسے دمک اٹھتا گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے۔[5]

سیدہ عائشہ ؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ میرے پاس فرحاں و شاداں آئے۔ آپ ﷺ کے

---

[1] صحیح البخاري: 3549، 3551، صحیح مسلم: 2337 [2] الشمائل للترمذي: 10، جامع الترمذي: 2811
[3] الشمائل للترمذي: 11، صحیح البخاري: 3552 [4] صحیح مسلم: 2344، دلائل النبوة للبیهقي: 1/195 [5] صحیح البخاري: 3556.

چہرے کی دھاریاں چمک رہی تھیں۔ [1]

ہمدان شہر کی رہنے والی ایک صحابیہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ حج کیا، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ ہاتھ میں چھڑی لیے اونٹ پر سوار بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ راوی ابو اسحاق ہمدانی کہتے ہیں کہ میں نے ان صحابیہ سے نبی اکرم ﷺ کے روئے زیبا کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ آپ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح پرنور تھا، میں نے اس سے پہلے اور اس کے بعد آپ ﷺ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ [2]

جریری کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابوطفیل ؓ سے پوچھا کہ آپ نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا تھا؟ انھوں نے فرمایا: ''ہاں! آپ ﷺ گورے رنگ، پر ملاحت چہرے، موزوں ڈیل ڈول اور میانہ قد و قامت کے تھے۔'' [3]

سیدہ ام معبد ؓا نے آپ ﷺ کے حسن سراپا کا یوں نقشہ کھینچا ہے: ''میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا جو رنگت کی چمک دمک اور چہرے کی تابانی لیے ہوئے تھا، دور سے دیکھنے میں سب سے خوبصورت اور وجیہ اور قریب سے دیکھنے میں انتہائی جاذب نظر و پُر جمال تھا۔'' [4]

سیدہ عائشہ ؓا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا چہرۂ اقدس پرنور اور انتہائی خوب صورت تھا۔ جب کوئی آپ کے چہرے کی رعنائی بیان کرتا، جہاں تک ہمیں معلوم ہے، تو وہ آپ کے چہرے کو چودھویں کے چاند سے تشبیہ دیتا۔ ہم کہتے کہ وہ ہمارے نزدیک چاند سے بھی خوبصورت ہیں۔ یعنی لوگوں کو آپ کا روئے زیبا چمکتے ہوئے چاند کی طرح جگمگاتا ہوا نظر آتا۔ [5]

1 صحیح البخاري 3555 2 البداية والنهاية 15 14/6 3 صحیح مسلم 2340 4 المستدرك للحاكم 3/10،9، شرح السنة للبغوي 263/13، حديث 3704 5 دلائل النبوة للبيهقي 300/1

ہمدان (ایران)



دلکش رنگت: نبی اکرم ﷺ کی رنگت کا تذکرہ کرتے ہوئے سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کا رنگ نہ تو چونے کی طرح خالص سفید تھا اور نہ گندمی کہ سانولا نظر آئے بلکہ گورا چمک دار تھا۔[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا رنگ سفید چمک دار تھا۔ کثرت سفر اور دھوپ کی وجہ سے کبھی کبھی گوری رنگت میں ہلکی سی گندمی رنگ کی جھلک معلوم ہوتی تھی۔[2]

سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا رنگ سفید تھا، سر مبارک کے کچھ بال سفید تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ شکل وصورت میں آپ ﷺ سے ملتے جلتے تھے۔[3]

محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ اپنے باپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا۔[4]

ایک دوسری روایت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا روئے زیبا سفید ہلکی سی سرخی لیے ہوئے تھا۔[5]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا رنگ سفید چمک دار تھا گویا کہ بدن چاندی سے ڈھلا ہوا تھا اور بال قدرے خم دار تھے۔[6]

دوسری روایت میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ خوبصورت کوئی شخص نہیں دیکھا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ سورج کی روشنی آپ کے رخ انور سے جھلک رہی ہے۔ نبی ﷺ اس قدر تیز رفتاری سے چلتے گویا زمین آپ کے لیے لپٹی جا رہی ہے۔ ہم تو چلتے چلتے تھکن سے چور ہو جاتے لیکن آپ ﷺ (تھکاوٹ سے) بے نیاز ہو کر سفر جاری رکھتے۔[7]

درج بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا رنگ انتہائی خوبصورت، سفید سرخی مائل تھا اور بدن کا وہ حصہ جو کپڑوں یا بالوں کی وجہ سے چھپا رہتا تھا، وہ اور بھی حسین وجمیل، سفید اور چمک دار تھا، جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک کے اس حصے کی رنگت سفید چمک دار تھی جو کپڑوں سے ڈھکا رہتا تھا۔[8]

1 صحیح البخاري، 3547 2 دلائل النبوۃ للبیهقي 1/204، المسند الجامع 2/351، حدیث 1323 3 صحیح البخاري 3543-3545، صحیح مسلم: 2343، دلائل النبوۃ للبیهقي 1/205، البدایة والنهایة 6/16 4 دلائل النبوۃ للبیهقي 1/206، مسند أحمد 1/89، 101، الأدب المفرد للبخاري 1315 5 دلائل النبوۃ للبیهقي 1/206، جامع الترمذي 3637 6 دلائل النبوۃ للبیهقي 1/208، 241، الشمائل للترمذي 12 7 البدایة والنهایة 6/17، دلائل النبوۃ للبیهقي 1/209، جامع الترمذي 3648، صحیح ابن حبان (الموارد) 2118 8 دلائل النبوۃ للبیهقي 1/299

سیدنا انس ؓ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا رنگ گندمی تھا۔[1]

بعض علماء نے اس حدیث کو شاذ قرار دیا ہے کیونکہ کم از کم پندرہ صحابہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کا رنگ گندمی نہیں بلکہ سفید تھا۔ اگر بالفرض اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو گندمی رنگت سے مراد وہ سرخی ہے جو سفید چمک دار رنگ میں ملی ہوتی تھی۔ عرب، سرخی مائل سفید رنگ والے انسان پر بعض اوقات لفظ ''اسمر'' (گندمی رنگ) کا اطلاق کر دیتے ہیں۔ علامہ بیہقی ؒ اس کا جواب ایک اور انداز میں دیتے ہیں کہ آپ ﷺ کے رنگ میں جو سرخی یا گندمی رنگ کی جھلک تھی، وہ جسم کے اس حصہ پر ہوتی جو دھوپ اور ہوا میں کھلا رہتا تھا اور جو حصہ کپڑوں میں چھپا رہتا تھا، وہ سفید چمک دار تھا۔[2] واللہ اعلم

مبارک رخ انور: رسول اللہ ﷺ کے روئے زیبا کے متعلق چند احادیث پہلے گزر چکی ہیں۔ یہاں ہم کچھ مزید حدیثیں بیان کرتے ہیں۔

سیدنا علی ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ گورا، سرخی مائل اور قدرے گولائی لیے ہوئے تھا۔[3]

اسی طرح یزید الفارسی ؒ (بحالت خواب دیکھے ہوئے حلیہ مبارک کو بیان کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انتہائی خوبصورت اور ہلکی سی گولائی میں تھا۔ (سیدنا ابن عباس ؓ نے اس کی تائید فرمائی۔)[4]

سیدنا ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے رخسار مبارک ہموار اور نرم و لطیف تھے۔[5]

نبی اکرم ﷺ کے حقیقی چچا ابوطالب آپ ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے ایک شعر کہتے ہیں

---

1 صحیح ابن حبان 68/9 2 مزید تفصیل کے لیے دیکھیے فتح الباری 695/6، 696، [illegible] 216/1 3 جامع الترمذی 3638 4 الشمائل للترمذی 412، مسند احمد 361/1 5 [illegible] 21/6، [illegible] 275/1



مسجد سیدنا علی بن ابی طالب (مدینہ منورہ)

وأبيض يستسقى الغمام بوجهه ثمال اليتامى عصمة للأرامل

"وہ گورے مکھڑے والا، جس کے روئے زیبا کے ذریعے ابر رحمت کی دعائیں مانگی جاتی ہیں، وہ یتیموں کا سہارا، بیواؤں اور مسکینوں کا سرپرست ہے۔"[1]

پرکشش آنکھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں بڑی بڑی سرخی مائل، پلکیں دراز اور داڑھی گھنی تھی۔[2]

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فراخ دہن اور کشادہ چشم تھے، آنکھوں کے سفید حصے میں سرخ ڈورے تھے اور ایڑیاں باریک تھیں جن پر بہت کم گوشت تھا۔[3]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا رنگ گورا، چہرے میں قدرے گولائی، آنکھیں کشادہ، سیاہ اور پلکیں طویل تھیں۔[4]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں سرمگیں تھیں۔[5]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں قدرتی طور پر سیاہ تھیں۔[6]

حضرت یزید فارسی رحمہ اللہ (بحالت خواب دیکھا ہوا حلیہ) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پیدائشی طور پر سرمگیں آنکھوں والے تھے۔[7]

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں سرمگیں تھیں۔ تم دیکھتے تو کہتے کہ آپ نے آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے، حالانکہ سرمہ نہ لگا ہوتا۔[8]

سیدہ ام معبد رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ آپ ﷺ کی آنکھیں انتہائی سیاہ اور کشادہ تھیں۔[9]

خوبصورت ابرو عدوی قبیلے کا ایک آدمی اپنے دادا سے بیان کرتا ہے کہ وہ مدینہ منورہ گیا اور نبی اکرم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کا جسم خوبصورت اور سڈول، پیشانی کشادہ اور بڑی، ناک ستواں اور ابرو باریک تھے۔[10]

[1] صحيح البخاري: 1008 [2] مسند أحمد: 101/1 [3] صحيح مسلم: 2339، الشمائل للترمذي: 8 [4] دلائل النبوة للبيهقي: 213/1، جامع الترمذي: 3638 [5] دلائل النبوة للبيهقي: 275/1 [6] الطبقات لابن سعد: 20/6 [7] الشمائل للترمذي: 412 [8] دلائل النبوة للبيهقي: 212/1، جامع الترمذي: 3645 [9] المستدرك للحاكم: 9/3، 10 [10] دلائل النبوة للبيهقي: 248/1.

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بھویں اور پلکیں لمبی لمبی تھیں۔[1]

سیدہ ام معبد رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پلکیں دراز اور ابرو باریک اور پیوستہ (لیکن ایک دوسرے سے الگ الگ) تھے۔[2]

سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ابرو قوس کی طرح خم دار، باریک اور گنجان تھے لیکن دونوں جدا جدا تھے۔ ان کے درمیان ایک رگ کا ابھار تھا جو غصہ آنے پر نمایاں ہو جاتا۔[3]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی پیشانی کشادہ اور روشن، پلکیں دراز اور دونوں ابرو کے درمیان فاصلہ تھا۔[4] (رسول اللہ ﷺ کے ابرو کے متعلق حدیث ام معبد میں اقرن یعنی ''باہم پیوستہ'' کا لفظ آیا ہے، جبکہ حدیث علی رضی اللہ عنہ میں اَبلَج ہے جس کا معنی ہے: ''درمیان میں کچھ فاصلہ تھا۔'' اس ظاہری تعارض میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ چونکہ آپ کا چہرۂ انور چمک دار اور انتہائی روشن تھا اور ابرو بھی دراز اور گنجان تھے، اس بنا پر درمیان میں معمولی سا فاصلہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا۔ واللہ اعلم)

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا رنگ گورا اور خوبصورت تھا جس میں ہلکی سرخی نمایاں تھی، قدرے خمیدہ بال، قدرتی طور پر سرمگیں آنکھیں اور پلکیں طویل تھیں۔[5]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دونوں ابروؤں کا درمیانی حصہ ڈھلی ہوئی خالص چاندی کی طرح سفید اور چمک دار تھا۔[6]

فراخ دہن: سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دہن کشادہ تھا۔[7] (اہل عرب مرد کے لیے شیر کی طرح فراخ دہنی پسندیدہ سمجھتے اور اسے بہادری کی علامت خیال کرتے تھے۔ بعض کے نزدیک فراخ دہنی سے فصاحت مراد ہے۔ واللہ اعلم)

سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اعتدال کے ساتھ فراخ دہن تھے۔[8]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا دہن مبارک بہت حسین اور خوبصورت تھا۔[9]

حضرت یزید الفارسی رحمہ اللہ خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے شرف یاب ہوئے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ خندہ رو یعنی مسکراہٹیں بکھیر رہے ہیں۔ (سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے بحالت

---

1 مسند أحمد 328/2 2 المستدرك للحاكم 10,9/3 3 الشمائل للترمذي 8 4 دلائل النبوة للبيهقي 217/1
5 الطبقات لابن سعد 416/1 6 دلائل النبوة للبيهقي 302/1 7 صحيح مسلم 2339 8 الشمائل للترمذي 8
9 دلائل النبوة للبيهقي :217/1.

خواب دیکھے ہوئے حلیہ کی تائید فرمائی۔)[1]

سیدنا ابو قرصافہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیکھتے وقت ایسا معلوم ہوتا گویا آپ کے منہ سے نور کی کرنیں نمودار ہو رہی ہیں۔[2]

چمکدار دندان پاک: سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دانت باریک، خوبصورت اور آبدار تھے۔ ان کے درمیان خوش نما ریخیں تھیں۔[3]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اگلے دونوں دانت الگ الگ تھے۔ جب گفتگو فرماتے تھے تو ان دانتوں کے درمیان سے چمک سی نکلتی دکھائی دیتی تھی۔[4]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب ہنستے تو دندان مبارک سے روشنی سی نمودار ہوتی۔ ایسا لگتا کہ دیواریں جگمگا اٹھیں گی۔[5]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پہلے پہل جب مجھے رسول اللہ ﷺ کے متعلق علم ہوا تو میں اپنے چچاؤں کے پاس مکہ مکرمہ آیا۔ اہل خانہ نے سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی طرف مجھے بھیجا۔ جب میں ان کے پاس آیا تو وہ بئر زمزم سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا۔ اچانک دیکھتا ہوں کہ باب صفا

[1] الطبقات لابن سعد 417/1 [2] المعجم الكبير للطبراني 19/3، مجمع الزوائد 280/8 [3] الشمائل للترمذي 8،
[4] شرح السنة للبغوي 223/13، الشمائل للترمذي 15 [5] البداية والنهاية 21/6، دلائل النبوة للبيهقي 275/1



سے ایک صاحب نمودار ہوئے جن کا رنگ گورا سرخی مائل تھا، قدرے خمیدہ بال جو کانوں کی لوؤں تک بڑھے ہوئے تھے، ناک بلند اور آگے سے ذرا جھکی ہوئی، اولوں کی طرح سفید اور آبدار دانت، گہری سیاہ آنکھیں اور گھنی داڑھی تھی۔[1]

سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بیشتر ہنسی تبسم کی صورت میں تھی۔ آپ مسکراتے تو دانت اولوں کی طرح چمکتے۔[2]

خوشنما تیکھی ناک: سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ناک مبارک بلندی مائل، سامنے سے قدرے جھکی ہوئی تھی۔ اس پر نورانی چمک تھی جس کی وجہ سے سرسری نظر میں بڑی اونچی معلوم ہوتی۔[3]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ناک مبارک اعتدال کے ساتھ اونچی تھی۔[4]

عدوی قبیلے کا ایک آدمی اپنے دادا سے بیان کرتا ہے (جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا) کہ آپ ﷺ کا جسم حسین اور سیمابی تھا، کندھوں تک بڑھے ہوئے خوبصورت بال اور ناک متواں تھی۔[5]

حسین ہموار رخسار: سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے رخسار مبارک ہموار اور ہلکے تھے، البتہ نیچے کو ذرا سا گوشت ڈھلکا ہوا تھا۔[6]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ کے حلیے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ انتہائی حسین و جمیل تھے، آپ کا پیکر درمیانہ مائل بہ درازی تھا۔ مونڈھوں کا درمیانی فاصلہ عام پیمانے سے زیادہ، رخسار ہموار اور ہلکے اور موئے مبارک انتہائی سیاہ تھے۔[7]

حضرت یزید فارسی رحمہ اللہ (بحالت خواب دیکھا ہوا) رسول اللہ ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ آپ ﷺ کا چہرہ تھوڑی گولائی لیے ہوئے تھا اور چہرے کے ہالے انتہائی خوبصورت تھے۔[8]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا رنگ گورا سرخی مائل، آنکھیں نہایت سیاہ، بال قدرے خمیدہ، گنجان داڑھی اور رخسار ہلکے اور ہموار تھے۔[9]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے رخسار مبارک ہلکے اور ہموار تھے جن میں ابھار

1 البداية والنهاية: 20/6. ضعيف 2 الشمائل للترمذي: 8 ضعيف 3 الشمائل للترمذي: 8 4 [illegible] ضعيف 5 دلائل النبوة للبيهقي: 1/288 ضعيف 6 الشمائل للترمذي: 8 ضعيف 7 البداية والنهاية: 21/6 8 الشمائل للترمذي: 412. 9 الطبقات لابن سعد: 1/410.

تھا نہ بلندی۔[1]

پُرنور کشادہ پیشانی: سیدنا ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی پیشانی مبارک کھلی، چمک دار اور پلکیں دراز تھیں۔[2]

سیدہ عائشہ صدیقہ ؓا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ بے حد روشن جبین تھے۔ جب رات کی تاریکی میں یا پو پھٹنے کے وقت آتے (یا لوگوں کے مجمع میں رونما ہوتے) تو سیاہ بالوں کے درمیان آپ کی تابناک اور کشادہ پیشانی روشن چراغ کی طرح جگمگا اٹھتی تھی۔[3]

سیدنا ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ اتنا روشن اور تابندہ تھا گویا کہ اس سے سورج کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔[4]

سیدنا علی ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ماتھا کھلا اور فراخ تھا۔[5]

خوشنما گردن مبارک: سیدنا علی ؓ رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ آپ کی گردن لمبی، پتلی اور چمک دار تھی گویا کہ چاندی کی صراحی ہو۔[6]

سیدہ ام معبد ؓا سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی گردن مبارک لمبی، اجلی اور خوشنما تھی۔[7]

سیدنا ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی گردن سفید اور خوبصورت تھی گویا چاندی سے ڈھلی ہو۔[8]

پُرجمال سر مبارک: سیدنا علی ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک بڑا تھا۔[9]

سیدنا انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک بڑا (مگر اعتدال و تناسب کے ساتھ) تھا۔[10]

مضبوط پُرگوشت کندھے: سیدنا علی ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کندھے بڑے بڑے تھے اور ان کی درمیانی جگہ پر بھی گوشت تھا۔[11]

سیدنا علی ؓ ہی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کندھوں اور جوڑوں کی ہڈیاں بھاری بھرکم اور مضبوط تھیں۔[12]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اعضائے مبارک (اعتدال و توازن کے ساتھ) مضبوط،

---

1 دلائل النبوۃ للبیہقی 303/1 ضعیف 2 دلائل النبوۃ للبیہقی 214/1 ضعیف 3 دلائل النبوۃ للبیہقی 302/1 ضعیف 4 جامع الترمذی 3648 5 الطبقات لابن سعد 412/1 ضعیف 6 الطبقات لابن سعد 410/1 ضعیف 7 المستدرک للحاکم 10/9/3 8 الشمائل للترمذی 12 9 جامع الترمذی 3637، مسند احمد 116/1، 117 10 صحیح بخاری 358/10، الشمائل للترمذی 5 11 جامع الترمذی 3638 ضعیف 12 جامع الترمذی 3637

بھاری اور بڑے بڑے تھے۔

فراخ سینہ سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چوڑا تھا، پیٹ اور سینہ ہموار تھے۔[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک کشادہ، مضبوط اور شفاف تھا، صاف اور ہموار، شیشہ کی طرح سفید اور جلد چودھویں رات کے چاند کے مانند تھی۔[2]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ کی ہتھیلیاں اور پاؤں پر گوشت، پنڈلیاں موٹی اور گداز، کلائیاں بڑی اور دراز، بازو اور کندھے گٹھے ہوئے اور مضبوط، دونوں مونڈھوں کا درمیانی فاصلہ ذرا زیادہ، سینہ کشادہ، سر کے بال قدرے خم دار اور پلکیں لمبی تھیں۔ آپ خوبرو تھے، داڑھی خوبصورت اور گھنی، کان لمبے اور دلکش، درمیانہ قد، نہ زیادہ طویل نہ بالکل پست، رنگت میں گل لالہ، آگے چلتے یا پیچھے مڑتے تو مکمل طور پر۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین وجمیل کسی کو نہ دیکھا نہ سنا۔[3]

شکم اطہر سیدہ ام معبد رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ نہ تو ہموار اور سڈول تھا کہ اندر کو دھنسا ہوا ہو اور نہ ہی بھاری بھرکم ہونے کی بنا پر توندلے پن کا شکار، بلکہ حسن و جمال کے قالب میں ڈھلا ہوا تھا۔[4]

متوازن ناف سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے ناف تک ایک باریک لمبی دھاری تھی۔[5]



سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مونڈھے بھاری اور پر گوشت تھے، دونوں کلائیوں اور سینے پر کچھ بال تھے، ہاتھ پاؤں کی انگلیاں اعتدال کے ساتھ موٹی اور گوشت سے بھری ہوئی تھیں اور سینے سے ناف تک بالوں کی ایک ہلکی سی لمبی لکیر تھی۔[6]

سڈول کمر محرش کعبی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ مقام سے رات کے وقت عمرے کا احرام باندھا۔

1 الشمائل للترمذي: 8 ضعیف 2 دلائل النبوۃ للبیہقي 304/1 3 الطبقات لابن سعد 415/1 4 البدایۃ والنہایۃ 31/6، 190/3، دلائل النبوۃ للبیہقي 279/1 5 جامع الترمذي: 3637، مسند أحمد 116/1، 117 6 الطبقات لابن سعد: 416,415/1. ضعیف

میں نے آپ کی کمر دیکھی جو سفیدی اور چمک میں گویا کہ چاندی سے ڈھلی ہوئی تھی۔[1]

مضبوط کلائیاں: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلائیاں مرمریں اور دراز، دونوں کندھوں کے درمیان عام پیمانے سے کچھ زیادہ فاصلہ اور آنکھوں کی پلکیں طویل تھیں۔ جب آپ آگے یا پیچھے دیکھتے تو پورے وجود کے ساتھ متوجہ ہوتے۔[2]

سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلائیاں لمبی لمبی، جوڑوں کی ہڈیاں مضبوط اور بڑی اور دونوں کلائیوں پر چھوٹے چھوٹے خوبصورت بال تھے۔[3]

کسرتی مضبوط پنڈلیاں: سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں زیادہ بھاری بھرکم اور پُرگوشت نہ تھیں، ہلکی ہلکی سونتی ہوئی تھیں۔[4]

سیدنا سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے، میں نے قریب ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلی کو دیکھا جو سفید رنگت اور لطافت میں کھجور کے خوشے کے اندرونی گودے کی طرح تھی۔[5]

سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیوں کی چمک اور سفیدی کو دیکھا۔[6]

ترشی ہوئی خوبصورت ایڑیاں: سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑیوں پر گوشت بہت کم تھا۔[7]

یاد رہے کہ ایڑیوں پر تھوڑا گوشت ہونا آدمی کے حسن و جمال میں اضافے کا باعث ہے۔

خوشنما اور متوازن پاؤں: سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوے قدرے گہرے، قدم ہموار اور چکنے تھے حتی کہ ان پر پانی نہ ٹھہرتا بلکہ فوراً ڈھلک جاتا۔ آپ چلتے وقت پوری طرح قدم اٹھاتے۔ زمین پر آہستہ آہستہ قدم رکھتے ہوئے آگے کو جھک کر تشریف لے جاتے۔[8]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں پُرگوشت تھے۔[9]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم موٹے پُرگوشت اور ہتھیلیاں فراخ تھیں۔[10]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوے گہرے نہیں تھے، بلکہ نیچے سے بھرے ہوئے تھے،

---

[1] سنن النسائي 2867، مسند أحمد 426/3 و 69/4 و 380/5، دلائل النبوة للبيهقي 207/1 [2] الطبقات لابن سعد 414/1، مسند أحمد 328/2 [3] الشمائل للترمذي 8 ضعيف [4] جامع الترمذي 3645، دلائل النبوة للبيهقي 212/1 [5] دلائل النبوة للبيهقي 207/1 [6] صحيح البخاري 3566، صحيح مسلم 503 [7] صحيح مسلم 2339 [8] الشمائل للترمذي 8 ضعيف [9] الطبقات لابن سعد 410/1 [10] الشمائل للترمذي 5، صحيح البخاري 358/1.

آپ چلتے وقت قدم کا نچلا حصہ مکمل طور پر زمین پر رکھتے۔[1]

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں اور ہند بن ابی ہالہ کی حدیث میں بظاہر کچھ تعارض ہے، کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کے تلوے گہرے تھے جبکہ دوسری احادیث میں اس کی نفی کی گئی ہے۔ اس کی تطبیق یہ ہے کہ اوائل عمر میں تلوے گہرے تھے اور آخر عمر میں بڑھاپے کی وجہ سے بدن مبارک کچھ فربہ ہو گیا تو پاؤں کے تلوے برابر ہو گئے اور ان کی گہرائی ختم ہو گئی۔ واللہ اعلم

گٹھے ہوئے مضبوط جوڑ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اعضاء کے جوڑوں کی ہڈیاں بڑی بڑی تھیں۔[2]

پُر گوشت خوبصورت ہتھیلیاں: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلیاں گداز اور ہاتھ اعتدال کے ساتھ بڑے تھے۔[3]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلیاں پُر گوشت تھیں۔[4]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ریشم کا کوئی دبیز یا باریک کپڑا ایسا نہیں چھوا جو رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم اور گداز ہو۔[5]

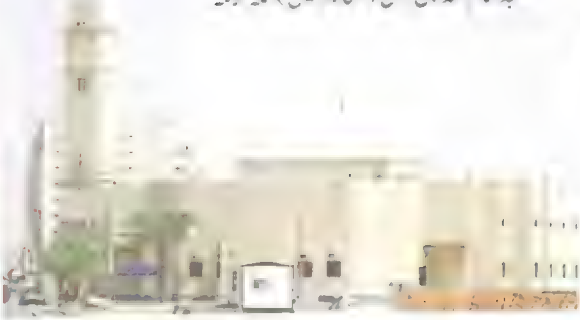
سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ظہر پڑھی، پھر آپ اپنے اہل خانہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیا، بچوں نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ کمال شفقت اور پیار سے ایک ایک کے رخسار تھپتھپاتے۔ چونکہ میں بھی بچہ تھا، آپ نے میرے رخسار پر بھی ہاتھ پھیرا تو میں نے آپ کے ہاتھ میں ایسی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی گویا آپ نے ابھی ابھی عطار کے عطردان سے ہاتھ نکالا ہو۔[6]

سیدنا انس یا سیدنا جابر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک اور ہتھیلیاں پُر گوشت تھیں۔ میں نے آپ کے بعد آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔[7]

سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وادئ بطحاء میں تھے کہ لوگ تبرک کے طور پر آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک پکڑتے اور انھیں اپنے چہروں سے لگاتے۔ میں نے بھی آپ ﷺ کا ہاتھ اپنے چہرے پر رکھا تو وہ برف سے

1 الطبقات لابن سعد 414/1، دلائل النبوة للبیہقی 245/1 2 جامع الترمذي 3637، 3 صحیح البخاري 5907
4 الطبقات لابن سعد 410/1 5 صحیح البخاري 3561، صحیح مسلم 2330، الطبقات لابن سعد 413/1
6 صحیح مسلم: 2329. 7 صحیح البخاري: 5912،5911.

زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔[1]



مسجد امام احمد بن حنبل (بطحاء قریش) مکہ مکرمہ

دل آویز اُنگلیاں: سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی انگلیاں موزوں حد تک دراز تھیں۔[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک پُر گوشت تھے (اسی تناسب سے آپ کی انگلیاں تھیں)۔ آپ کے بعد میں نے آپ سا کوئی خوبصورت نہیں دیکھا۔[3]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلیاں کشادہ، انگلیاں مخروطی اور اعتدال کے ساتھ لمبی تھیں۔[4]

کندھوں کا درمیانی حصہ: سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا پیکر درمیانی تھا، دونوں کندھوں کے درمیان ذرا دوری تھی (کمر کا بالائی حصہ چوڑا تھا)۔[5]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے کندھوں کا درمیانی فاصلہ عام پیمانے سے زیادہ تھا۔[6]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بازو پر گوشت، دونوں کندھے مضبوط اور ان کے درمیان کا حصہ ذرا زیادہ چوڑا تھا۔[7]

سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان قدرے زیادہ فاصلہ تھا۔[8]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دونوں کندھے اعتدال کے ساتھ بڑے تھے۔[9]

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دونوں مونڈھے پُر گوشت تھے۔[10]

متناسب خوبصورت کان: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کان مبارک خوبصورت اور ہر لحاظ سے متناسب تھے۔[11]

1 صحیح البخاري: 3553. 2 الشمائل للترمذي: 8 ضعیف 3 صحیح البخاري: 5907. 4 دلائل النبوۃ للبیہقي 305/1 ضعیف 5 صحیح البخاري: 3551 6 دلائل النبوۃ للبیہقي 275/1 ضعیف 7 الطبقات لابن سعد 415/1.
8 الشمائل للترمذي: 8 ضعیف 9 الطبقات لابن سعد 412/1 10 الطبقات لابن سعد 415/1، 416 ضعیف
11 الطبقات لابن سعد :415/1.

سیدنا علی ؓ کا بیان ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے یمن بھیجا۔ میں ایک دن لوگوں کو وعظ و نصیحت کر رہا تھا کہ ایک یہودی عالم ہاتھ میں کتاب لیے آیا، وہ مجھے دیکھ کر کہنے لگا کہ ابوالقاسم ﷺ کا حلیہ بیان کرو۔

سیدنا علی ؓ کہتے ہیں کہ میں نے اسے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نہ تو پست قامت ہیں اور نہ ہی زیادہ دراز قد، (بلکہ آپ کا قد درمیانہ ہے) بال مبارک نہ زیادہ پیچ دار، نہ بالکل کھڑے کھڑے، بلکہ گھنے سیاہ اور قدرے خمیدہ ہیں، سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا ہے، رنگ گورا سرخی مائل، جوڑوں کی ہڈیاں بڑی بڑی، ہاتھ اور قدم پر گوشت، سینے پر ناف تک بالوں کی ہلکی سی لکیر، پلکیں دراز، ابرو پیوست، پیشانی کشادہ اور ہموار، دونوں کندھوں کے درمیان قدرے زیادہ فاصلہ ہے اور جب آپ چلتے ہیں تو قدرے جھک کر گویا کہ ڈھلان میں اتر رہے ہیں۔ میں نے آپ ﷺ سے پہلے اور بعد میں کوئی آپ سا نہیں دیکھا۔

سیدنا علی ؓ کہتے ہیں کہ پھر میں خاموش ہو گیا۔ یہودی عالم بولا: کیا ہوا؟ میں نے اسے جواب دیا کہ مجھے تو آپ کا حلیہ مبارک اسی قدر یاد ہے۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کی آنکھوں میں سرخی ہے، خوبصورت داڑھی، خوبصورت اور متناسب کان ہیں۔ آپ آگے پیچھے دیکھتے ہیں تو پورے وجود کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ سیدنا علی ؓ نے کہا کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کا یہی حلیہ مبارک ہے۔[1]

سیاہ بال سیدنا ابن عباس ؓ کا بیان ہے کہ ابتدا میں جن امور کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوتا تھا، ان میں رسول اللہ ﷺ اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے۔ اہل کتاب بغیر مانگ نکالے بالوں کو چھوڑ دیتے تھے جبکہ مشرکین مانگ نکالا کرتے تھے۔ اس بنا پر رسول اللہ ﷺ پہلے تو سر کے بالوں کو (پیشانی پر) ویسے ہی چھوڑ دیتے، پھر (اہل کتاب کی مخالفت کرتے ہوئے) مانگ نکالنے لگے۔[2]

1 الطبقات لابن سعد 412/1. 2 صحیح البخاري 3558، صحیح مسلم 2336

عدن کی بندرگاہ کا ایک منظر (یمن)



سیدنا انس ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بالوں میں کنگھی کر کے پیشانی پر چھوڑ دیتے تھے لیکن بعد میں مانگ نکالا کرتے تھے۔[1]

سیدنا براء بن عازب ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بال مبارک کندھوں تک لمبے تھے۔[2]

انھی سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بال بڑے بڑے تھے جو کانوں کی لو تک پہنچے ہوئے تھے۔[3]

سیدہ عائشہ ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بال مبارک کانوں کی لو سے زیادہ اور کندھوں سے کم تھے یعنی نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ بالکل چھوٹے بلکہ متوسط درجے کے تھے۔[4]

یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے سر مبارک کے تمام بال منڈوائے تھے، اس کے بعد آپ صرف اکیاسی دن زندہ رہے۔

سیدنا انس ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بال کانوں کے نصف تک تھے۔[5] ایک دوسری روایت میں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بال آپ کے کندھوں اور کانوں کے درمیان تھے۔[6]

سیدنا انس ؓ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بال نہ تو انتہائی پیچ دار اور نہ بالکل سیدھے تنے ہوئے تھے بلکہ قدرے خمیدہ تھے۔[7]

سیدنا ابوہریرہ ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بال انتہائی سیاہ تھے۔[8] وہ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بال مبارک قدرے خم دار تھے۔[9]

سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بال مبارک خوبصورت اور قدرے خم دار تھے، نہ بالکل سیدھے اور نہ زیادہ پیچ دار۔ جب ان میں کنگھی کرتے تو ہلکی لہریں بن جاتیں جیسا کہ ریت کے ٹیلے یا پانی کے تالاب میں ہوا چلنے سے ابھر آتی ہیں اور جب کچھ وقت کنگھی نہ کرتے تو آپس میں مل کر انگوٹھی کی طرح حلقوں کی شکل اختیار کر لیتے۔

پہلے پہل آپ ﷺ اپنے بالوں میں کنگھی کر کے انھیں پیشانی پر چھوڑ دیتے تھے جیسا کہ گھوڑوں کے بال پیشانی

[1] مسند أحمد: 215/3، المسند الجامع: 357/2، حديث: 1337. [2] صحيح مسلم: 2337، جامع الترمذي: 3635. [3] صحيح مسلم: 2337. [4] سنن أبي داود: 4187، جامع الترمذي: 1755، سنن ابن ماجه: 3635. [5] صحيح مسلم: 2338. [6] صحيح البخاري: 5905، صحيح مسلم: 2338. [7] صحيح مسلم: 2338. [8] فتح الباري: 573/6، دلائل النبوة للبيهقي: 208/1. [9] دلائل النبوة للبيهقي: 241/1.

پر کھلے چھوڑے جاتے ہیں۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام سر کے بالوں میں مانگ نکال کر تشریف لائے تو آپ نے بھی مانگ نکالنی شروع کر دی۔ آپ کے بال کانوں کی لو تک ہوتے، بعض اوقات کندھوں تک پہنچ جاتے تھے۔[1]

پرنور گھنی داڑھی: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا اور داڑھی مبارک گھنی تھی۔[2]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی کے بال بھرپور تھے۔[3]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ کی داڑھی مبارک سیاہ اور گھنی اور دہن مبارک خوبصورت اور حسین تھا۔[4]

سیدہ ام معبد رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ آپ کی داڑھی مبارک گنجان اور گھنی تھی۔[5]

حضرت یزید فارسی رحمہ اللہ جو قرآن مجید کی کتابت کیا کرتے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے زمانۂ حیات میں رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے اپنے خواب کا سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا تو انھوں نے پہلے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی سنایا کہ جو مجھے خواب میں دیکھتا ہے، وہ حقیقتاً مجھ ہی کو دیکھتا ہے، اس لیے کہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔ یہ فرمان مبارک سنانے کے بعد انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ خواب میں دیکھی ہوئی صورت کا حلیہ بیان کر سکتے ہو۔ میں نے عرض کیا: جی ہاں! رسول اللہ ﷺ کا ڈیل ڈول اور قد و قامت معتدل اور درمیانہ تھا، جسم مبارک نہ زیادہ فربہ اور نہ دبلا پتلا، ایسے ہی قد مبارک نہ زیادہ لمبا اور نہ کوتاہ بلکہ معتدل تھا۔ آپ کا رنگ کھلتا گندمی سفیدی مائل تھا، آنکھیں سرگیں، خندہ دہن، خوبصورت ماہتابی چہرہ اور داڑھی نہایت گنجان جو پورے چہرہ انور کا احاطہ کیے سینہ مبارک کے ابتدائی حصے پر پھیلی ہوئی تھی۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما گویا ہوئے کہ اگر تم رسول اللہ ﷺ کو حالت بیداری میں دیکھتے تو اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ آپ کا حلیہ مبارک بیان نہ کر سکتے۔[6]

داڑھی مبارک کے خوبصورت ہونے کے متعلق سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا علی، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اور جہضم بن ضحاک رحمہ اللہ سے کثیر احادیث مروی ہیں۔[7]

---

1 دلائل النبوۃ للبیہقی 1/299، 300 ضعیف 2 مسند احمد 1/127، جامع الترمذی: 3637 3 صحیح مسلم: 2344 4 دلائل النبوۃ للبیہقی 1/217 5 المستدرک للحاکم 3/9، 10 6 مسند احمد 1/361، 362
7 الطبقات لابن سعد 1/415، 412، 418، التاریخ الکبیر للبخاری 2/246، 247



جامع ترمذی میں مروی وہ حدیث جس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی داڑھی مبارک کو طول و عرض سے (قینچی کے ساتھ) ہموار کرتے تھے، اس کے متعلق امام ترمذی ؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب یعنی ضعیف ہے۔[1] اس بنا پر اس روایت کو مذکورہ بالا تصریحات کے مقابلہ میں بطور دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ایک مسلمان جو کتاب و سنت پر عمل پیرا ہونے کا مدعی ہے، اسے چاہیے کہ حکم نبوی کے مطابق اپنی داڑھی کو بڑھائے، اس کی کانٹ چھانٹ میں نہ لگا رہے بلکہ اس کے بالوں کو سیدھے اور شائستگی سے رکھنے کا اہتمام کرے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کا یہی تقاضا ہے۔

ترشیدہ مونچھیں: ابن جریج ؒ نے ایک دفعہ سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ سے کہا کہ آپ اپنی مونچھوں کو پست رکھتے ہیں۔ اس پر سیدنا ابن عمر ؓ نے فرمایا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے، یعنی آپ بھی لبوں کے بال پست رکھتے تھے۔''[2]

سیدنا مغیرہ بن شعبہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ اپنی مونچھوں کے نیچے مسواک رکھ کر انھیں پست کیا تھا۔[3]

داڑھی بچہ: سیدنا ابو جحیفہ ؓ کا بیان ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کے نچلے ہونٹ کے نیچے عنفقہ (داڑھی بچہ) میں سفیدی دیکھی۔[4]

دوسری روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عنفقہ (داڑھی بچہ) میں چند سفید بال تھے۔

سیدنا انس ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خضاب نہیں لگایا تھا، صرف کنپٹی کے بالوں میں کچھ سفیدی

[1] جامع الترمذی: 2762 البتہ محدث عصر علامہ ناصر الدین البانی ؒ نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ السلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ 1/304 [2] الطبقات لابن سعد 1/449 [3] سنن ابی داؤد: 188 [4] صحیح البخاری 3546

تھی، نیز آپ کے عنفقہ (داڑھی بچہ) اور سر مبارک میں چند بال سفید تھے۔[1]

حریز بن عثمان رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ بوڑھے ہو گئے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ آپ کے عنفقہ (داڑھی بچہ) میں چند بال سفید تھے۔[2]

سفید غرانی بال: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ زیادہ لمبے نہیں تھے ۔۔۔۔ وفات کے وقت آپ کے سر اور داڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔[3]

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے خضاب لگانے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے گنتی کے صرف چند بال سفید تھے۔[4]

ثابت بنانی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے بڑھاپے کے متعلق سوال ہوا، انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بڑھاپے کے عیب سے محفوظ رکھا۔ آپ کے سر مبارک میں صرف سترہ یا اٹھارہ سفید بال تھے۔[5]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بالوں کو خضاب نہیں لگایا، صرف کنپٹی کے بالوں میں کچھ سفیدی تھی، نیز آپ کے عنفقہ (داڑھی بچہ) اور سر مبارک میں چند بال سفید تھے۔[6]

عثمان بن عبداللہ بن موہب قریشی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ہم سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے چند موئے مبارک دکھائے جو مہندی اور وسمہ کے استعمال کی وجہ سے سرخ رنگ کے تھے۔[7]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک اور داڑھی مبارک میں چودہ سے زیادہ سفید بال شمار نہیں کیے۔''[8]

سماک بن حرب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک میں سفید بال تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں، البتہ آپ کی مانگ میں چند بال سفید تھے۔ وہ بھی جب آپ تیل استعمال فرماتے تو محسوس نہیں ہوتے تھے، یعنی تیل کی چمک میں بالوں کی سفیدی مستور ہو جاتی۔[9]

سیدنا ابو رمثہ رفاعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اپنے لڑکے کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

1 صحيح مسلم: 2341. 2 صحيح البخاري: 3546. 3 صحيح البخاري: 3548. 4 صحيح البخاري: 5894، صحيح مسلم: 2341. 5 مسند أحمد: 3/254، نیز دیکھیے صحيح البخاري: 5895، صحيح مسلم: 2341. 6 سنن النسائي: 5090. 7 صحيح البخاري: 5896. 8 الشمائل للترمذي: 38، مسند أحمد: 3/165. 9 صحيح مسلم: 2344، الشمائل للترمذي: 39.

ہوا۔ آپ نے فرمایا: ''کیا یہ تیرا بیٹا ہے؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں! یہ میرا بیٹا ہے، میں اس کی شہادت دیتا ہوں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی جنایت (جرم) کا بدلہ تجھ پر نہیں اور تیری جنایت (جرم) کا بدلہ اس پر نہیں۔'' ابورمثہ ؓ کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے رسول اللہ ﷺ کے کچھ بال سرخ دیکھے۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے اپنی داڑھی مبارک کو مہندی لگا رکھی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مہندی اور وسمہ (سیاہ بوٹی) سے بالوں کو رنگا کرتے تھے اور آپ کے بال کندھوں پر پڑتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رنگی ہوئی کھال کی جوتیاں پہنتے اور اپنی داڑھی مبارک کو ورس (ایک زرد رنگ کی گھاس) اور زعفران سے زرد فرمایا کرتے تھے۔[2]



مسجد ابوبکر صدیق ؓ (دبئی)

سیدنا ابن عباس ؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سیدنا ابوبکر ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ تو بوڑھے ہو گئے! آپ نے فرمایا: ''مجھے سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۃ المرسلات، سورۂ عم یتسآءلون اور سورۂ تکویر نے بوڑھا کر دیا ہے۔''[3]

سیدنا ابو جُحَیفہ ؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ بوڑھے نظر آ رہے ہیں! آپ نے فرمایا: ''مجھے سورۂ ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔''[4]

عثمان بن موہب ؒ کہتے ہیں کہ سیدنا ابوہریرہ ؓ سے دریافت کیا گیا کہ آیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے بالوں کو خضاب لگایا تھا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ہاں، آپ نے بالوں کو خضاب لگایا تھا۔[5]

سیدنا انس ؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے رنگے ہوئے بال دیکھے۔[6]

1 الشمائل للترمذي: 45، سنن أبي داود: 4208، سنن النسائي: 4836، مسند أحمد: 163/4. 2 سنن أبي داود: 4210. 3 جامع الترمذي: 3297، الشمائل للترمذي: 41، المستدرك للحاكم: 343/2. 4 الشمائل للترمذي: 42. 5 الشمائل للترمذي: 46. 6 الشمائل للترمذي: 48.

عبداللہ بن محمد بن عقیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کے رنگے ہوئے موئے مبارک دیکھے تھے۔[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بال رنگے ہوئے تھے جبکہ انھی سے مروی پہلی روایات میں رنگنے کی نفی منقول ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی احادیث میں ہے۔

اس تعارض میں تطبیق کی ایک صورت یہ ہے کہ ان مختلف روایات کو مختلف حالات و واقعات پر محمول کیا جائے یعنی رسول اللہ ﷺ نے کبھی کبھی اپنے بالوں کو رنگا اور اکثر اوقات میں رنگنے کے بغیر ہی رہنے دیا۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حالات کا بچشم خود ملاحظہ کیا اور اسے بیان کر دیا۔ اس بنا پر آپ کے دونوں بیانات مبنی بر حقیقت ہیں۔

تطبیق کی دوسری صورت یہ ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے رنگنے کے متعلق انکار اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کا اثبات منقول ہے۔ محدثین کا قاعدہ ہے کہ کسی چیز کا اثبات اس کے انکار پر مقدم ہوتا ہے، اس لیے کہ ثابت کرنے والے کے پاس اضافی معلومات ہوتی ہیں جو نفی کرنے والے کے پاس نہیں ہوتیں۔ اس بنا پر اثبات والی روایات کو ترجیح حاصل ہوگی، خاص طور پر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو، کیونکہ ان کے متعلق ظن غالب ہے کہ انھوں نے رنگنے کے متعلق معلومات اپنی بہن ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کی ہوں گی جو سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں تھیں۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کو صاف کرتے، دھوتے اور اس میں کنگھی کرتے وقت آپ ﷺ کے بالوں کا مشاہدہ کرتی رہتی تھیں۔



مسجد ام المومنین سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا (دبئی)

خوشبودار عنبریں پسینہ: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں نے دیبز یا باریک ریشم یا کوئی اور ایسی چیز نہیں چھوئی جو رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم اور گداز ہو اور نہ ہی کوئی ایسی خوشبو سونگھی جو رسول اللہ ﷺ کے بدن کی خوشبو سے بڑھ کر ہو۔[2]

1 الشمائل للترمذي:49. 2 صحيح البخاري:3561

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا رنگ سفید، چمک دار اور پسینہ گویا شفاف موتی تھا۔ آپ چلتے تو قدرے جھکاؤ کے ساتھ آگے بڑھتے۔ میں نے کوئی حریر و دیباج ایسا نہیں چھوا جو آپ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور نہ ہی کوئی مشک و عنبر سونگھی جو آپ کی خوشبو سے بڑھ کر ہو۔[1]

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز ظہر ادا کی، پھر آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیا۔ راستے میں بچوں نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ کمال شفقت اور پیار سے ایک ایک کے رخسار پر ہاتھ پھیرتے۔ چونکہ میں ابھی بچہ تھا، آپ ﷺ نے میرے رخسار پر بھی ہاتھ پھیرا۔ میں نے آپ کے دست مبارک میں ایسی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی گویا آپ نے ابھی ابھی اپنا ہاتھ عطار کے عطردان سے نکالا ہے۔[2]

سیدنا ثمامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے لیے چمڑے کا ٹاٹ بچھا دیتیں اور آپ دوپہر کے وقت اس پر آرام فرماتے۔ جب آپ بیدار ہو کر تشریف لے جاتے تو ام سلیم رضی اللہ عنہا آپ کے پسینے اور بالوں کو ایک شیشی میں محفوظ کر لیتیں، پھر جمع شدہ پسینہ اور آپ کے موئے مبارک اپنے عطردان کی مرکب خوشبو میں ملا دیتیں، اس طرح بہترین خوشبو تیار ہو جاتی۔ راوی کہتا ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے مرتے وقت وصیت کی کہ میری حنوط میں اس خوشبو کو ضرور استعمال کیا جائے، چنانچہ آپ کے کفن وغیرہ کو لگانے کے لیے وہی خوشبو استعمال کی گئی جس میں رسول اللہ ﷺ کے پسینے کی آمیزش تھی۔[3]

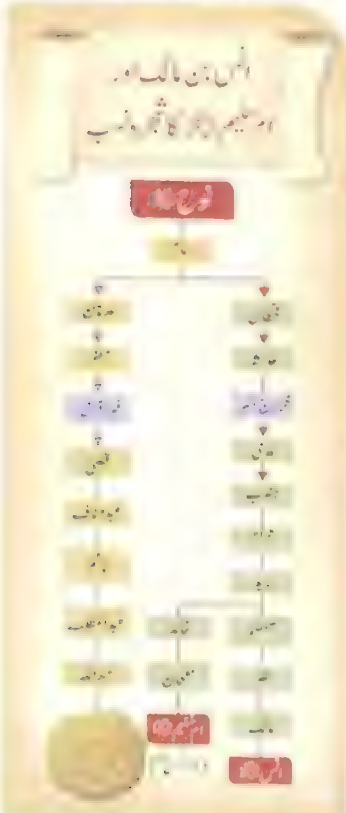
سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ ہمارے گھر تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا۔ اس دوران آپ کو پسینہ آیا۔ میری والدہ ام سلیم ایک شیشی لائیں اور آپ کا پسینہ (پونچھ کر) اس میں جمع کرنے لگیں۔ اتنے

[1] صحیح البخاری 3561، صحیح مسلم 2330 [2] صحیح مسلم 2329 [3] صحیح البخاری 6281



شہر مدینہ منورہ

میں آپ بیدار ہوئے تو پوچھا کہ "ام سلیم! تم یہ کیا کر رہی ہو؟" انھوں نے کہا کہ ہم اس پسینے کو اپنی خوشبو میں ملائیں گے۔ اس سے بہترین خوشبو تیار ہو جاتی ہے۔[1]



ایک روایت میں ہے کہ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کا پسینہ ہمارے لیے اور بچوں کے لیے خیر و برکت کا باعث ہو گا، تو آپ نے ہمارے اس عمل کو پسند فرمایا۔[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عطر دان تھا جس میں بہترین خوشبو جمع رہتی اور آپ کے استعمال میں آتی۔[3]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی راستے سے تشریف لے جاتے اور آپ کے بعد کوئی دوسرا گزرتا تو آپ کے عطر بیز جسم اور پسینے کی خوشبو سے معلوم کر لیتا کہ۔

گزر گیا ہے ادھر سے وہ کاروان بہار[4]

میانہ جسم اطہر: سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء کی ساخت معتدل تھی، بدن مبارک نہ موٹا اور نہ ڈھیلا بلکہ گٹھا ہوا مضبوط و توانا تھا۔[5]

عدوی قبیلے کا ایک آدمی اپنے دادا سے بیان کرتا ہے (جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا) کہ آپ کا بدن مرمریں (گداز)، پیشانی کشادہ، ناک ستواں، ابرو باریک اور سینے سے ناف تک بالوں کی لمبے دھاگے کی طرح باریک دھاری تھی۔[6]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک انتہائی خوبصورت تھا۔[7]

پُر جمال قد: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوبرو اور خوش اندام تھے، نہ دراز قد نہ پست قامت بلکہ درمیانے قد کے تھے۔[8]

1 صحیح مسلم: 2331 2 مسند احمد: 230/3، المسند الجامع: 353/2، صحیحہ: 1328 3 مسند ابی یعلی: 4162، الشمائل للترمذی: 215 4 سنن الدارمی: 66 5 الشمائل للترمذی: 8 6 دلائل النبوۃ للبیہقی: 248/1 ضعیف 7 الشمائل للترمذی: 2، جامع الترمذی: 1754 8 صحیح البخاری: 3547

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ زیادہ لمبے تھے نہ بالکل چھوٹے بلکہ آپ میانہ قامت تھے۔[1]

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ حسین، خوبصورت تھے، سڈول ساخت، نہ زیادہ لمبے اور نہ بالکل چھوٹے تھے۔[2]

معطر پسینہ اور بغلیں سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا اونچا کرتے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی۔[3]



مسجد انس بن مالک رضی اللہ عنہ (مدینہ منورہ)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کے وقت ہاتھوں کو اتنا اوپر اٹھاتے کہ بغلوں کی چمک نظر آتی۔[4]

سیدنا مالک بن بُحینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے وقت اپنے بازوؤں کو اس قدر کھولتے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آتی۔[5]

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کا پسینہ کستوری سے بھی زیادہ خوشبودار تھا۔[6]

باوقار رفتار سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے وقت آگے کی طرف قدرے جھکاؤ رکھتے اور مضبوطی سے قدم اٹھاتے۔[7]

ایک روایت میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایسا معلوم ہوتا کہ آپ کے ہاتھ میں کوئی چیز ہے جس پر ٹیک لگائے چل رہے ہیں۔[8]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے رہتے اور آپ کی پشت کو فرشتوں کے لیے خالی چھوڑ دیتے۔[9]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تو آگے کی طرف قدرے جھکاؤ ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ اونچائی سے نیچے کی طرف اتر رہے ہیں۔ میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کوئی آپ سا نہیں دیکھا۔[10]

---

1 الشمائل للترمذي: 5، جامع الترمذي: 3637. 2 صحیح مسلم: 2337. 3 صحیح البخاري: 3565، صحیح مسلم: 895، 896. 4 صحیح البخاري: 6636، صحیح مسلم: 1832. 5 صحیح البخاري: 3564، صحیح مسلم: 495. 6 سنن الدارمي: 63. 7 صحیح مسلم: 2330. 8 سنن أبي داود: 4863. 9 سنن ابن ماجه: 246. 10 الشمائل للترمذي: 5، جامع الترمذي: 3637.

سیدنا ابوہریرہ ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ خوبصورت میں نے کسی ماں کے بچے کو نہیں دیکھا۔ چہرۂ مبارک اتنا روشن تھا گویا سورج کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں۔ اس قدر تیز چلتے گویا زمین آپ کے لیے لپیٹی جا رہی ہو۔ ہم تو چلتے چلتے تھکن سے چور ہو جاتے اور بمشکل آپ کا ساتھ دے پاتے لیکن آپ بلا تکلف اور بے نیاز ہو کر چلے جا رہے ہوتے۔[1]

مہر نبوت: سیدنا سائب بن یزید ؓ کا بیان ہے کہ میری خالہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ میرا بھانجا بیمار ہے۔ آپ ﷺ نے میرے سر پر دست شفقت پھیرا اور برکت کی دعا فرمائی، پھر آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے وضو سے بچا ہوا پانی نوش کیا۔ جب میں آپ کے پس پشت کھڑا ہوا تو میری نظر آپ کی مہر نبوت پر پڑی جو مسہری کی گھنڈیوں جیسی تھی (جو کبوتر کے انڈے کے برابر بیضوی شکل میں اس پردے پر لگائی جاتی ہیں جو مسہری پر خوبصورتی کے لیے لٹکایا جاتا ہے)۔[2]

سیدنا جابر بن سمرہ ؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کی مہر نبوت کو آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان دیکھا جو (مقدار میں) کبوتر کے انڈے جتنی اور (رنگت میں) سرخ غدود (رسولی) جیسی تھی۔[3]

سیدنا ابوزید عمرو بن اخطب ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کمر ملنے کے لیے کہا۔ میں نے آپ کی کمر مبارک پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا تو اچانک میری انگلیاں مہر نبوت سے جا لگیں۔ راوی (علباء) کہتا ہے کہ میں نے سیدنا عمرو ؓ سے پوچھا کہ مہر نبوت کیا چیز تھی؟ انھوں نے جواب دیا کہ چند بالوں کا مجموعہ تھا۔[4]

دوسری روایت میں ہے کہ کندھے پر بالوں کا گچھا تھا۔

ابونضرہ عوقی ؒ کا بیان ہے: میں نے سیدنا ابوسعید خدری ؓ سے رسول اللہ ﷺ کی مہر نبوت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: آپ ﷺ کی پشت پر گوشت کا ایک ابھرا ہوا ٹکڑا تھا۔[5]

سیدنا عبداللہ بن سرجس ؓ کا بیان ہے: میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت حاضر ہوا جب آپ کے پاس لوگوں کا جمگھٹا تھا۔ میں نے یونہی رسول اللہ ﷺ کے پس پشت چکر لگایا۔ آپ میرا مقصد سمجھ گئے اور اپنی پشت مبارک سے چادر اتار دی۔ میں نے آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مٹھی کے برابر مہر نبوت کو دیکھا جس کے چاروں طرف تل تھے جو گویا مسوں کے برابر معلوم ہوتے تھے۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا اور عرض کیا:

1 الطبقات لابن سعد: 1/415. 2 صحیح البخاري: 190، صحیح مسلم: 2345، جامع الترمذي: 3643. 3 صحیح مسلم: 2344، جامع الترمذي: 3644. 4 الشمائل للترمذي: 20، مسند أحمد: 5/77، المستدرك للحاكم: 2/606.
5 الشمائل للترمذي: 22.

اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ تجھے بھی بخش دے۔“ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ (تم خوش نصیب ہو کیونکہ) رسول اللہ ﷺ نے تمھارے لیے دعائے مغفرت فرمائی ہے۔ میں نے کہا: ہاں! تم سب کے لیے بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے: ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾

”(اے محمد!) مغفرت کی دعا کرو اپنے لیے بھی اور اہل ایمان مرد و خواتین کے لیے بھی۔“[1]

سیدنا عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اعزازِ گفتگو حاصل کیا اور مجھے آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول کرنے کا شرف ملا۔ میں نے اس علامت یعنی مہر نبوت کو دیکھا جو آپ کے بائیں کندھے کی نرم ہڈی کے پاس تھی، جو مقدار میں بند مٹھی کے برابر تھی، اس پر مسّوں کی طرح تلوں کا جمگھٹ تھا۔[2]

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر نبوت آپ کے بائیں کندھے کے پاس ایک ابھری ہوئی چیز تھی، اس کی مقدار کم ہونے کی صورت میں کبوتر کے انڈے کے برابر اور زیادہ ہونے کی شکل میں بند مٹھی جتنی تھی۔[3]

علامہ سہیلی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ چونکہ آپ شیطانی وساوس سے محفوظ تھے، اس لیے مہر نبوت کو بائیں کندھے کی نرم ہڈی کے پاس ثبت کیا گیا، یہی وہ جگہ ہے جہاں سے شیطان کو مداخلت کا موقع ملتا ہے۔[4] واللہ اعلم



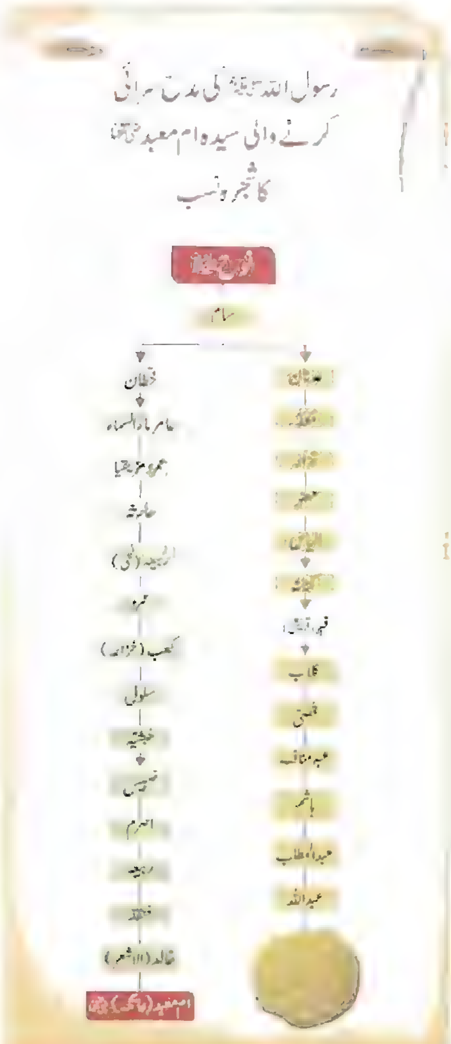
بعض روایات میں ہے کہ مہر نبوت پر ”محمد رسول اللہ“ ”محمد اللہ کے رسول ہیں“ یا ”سر فحیث شئت فانک منصور“ ”تم جہاں چاہو جاؤ تمھاری مدد کی جائے گی“ یا ”اللہ وحدہ“ ”اللہ ایک ہے“ لکھا ہوا تھا۔ واضح رہے کہ یہ روایات صحیح نہیں ہیں کیونکہ محدثین عظام کے قائم کردہ معیار صحت پر پوری نہیں اترتیں۔[5]

دل پذیر حلیہ مبارک — ایک جامع تذکرہ

اب آخر میں سیدہ ام معبد رضی اللہ عنہا کی زبانی رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کیا جاتا ہے۔

چمکتا رنگ، تابناک چہرہ، نہ اتنے نحیف و نزار کہ دیکھنے میں عیب دار اور نہ اس قدر بھاری بھرکم کہ توندلا پیکر، سرمگیں آنکھیں، دراز پلکیں، بھاری آواز، چمک دار اور لمبی گردن، گھنی داڑھی، باریک اور باہم پیوستہ ابرو، خاموش

1 صحیح مسلم، 2346. 2 مسند احمد: 5/82، 83 والسلسلة الصحيحة: 8/320، حدیث: 5880. 3 فتح الباری: 6/688. 4 الروض الأنف: 1/294. 5 فتح الباری: 6/688



ہوں تو باوقار، گفتگو کریں تو گویا منہ سے پھول جھڑیں۔ دور سے (دیکھنے میں) سب سے زیادہ تابناک اور پُرجمال اور قریب سے دیکھیں تو سب سے خوبصورت اور شیریں ادا، گفتگو میں چاشنی، بات واضح اور دوٹوک، نہ مختصر نہ فضول، انداز ایسا کہ لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں۔ درمیانہ قد، نہ پست قامت کہ نگاہ میں نہ جچے، نہ زیادہ لمبا کہ ناگوار لگے۔ دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ کی طرح ہیں جو انتہائی تر و تازہ اور خوش منظر ہے۔ رفقاء آپ ﷺ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے، کچھ فرمائیں تو توجہ سے سنتے ہیں، کوئی حکم دیں تو لپک کر بجا لاتے ہیں۔ مطاع و مکرم، نہ ترش رو اور نہ یاوہ گو۔[1]

1 المستدرك للحاكم 10،9/3 علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ام معبد کا مشہور قصہ کئی ایک طرق سے مروی ہے جو ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی
خصوصیات اور فضائل



يا أيها المدثر

قم فأنذر وربك فكبر

وثيابك فطهر والرجز فاهجر

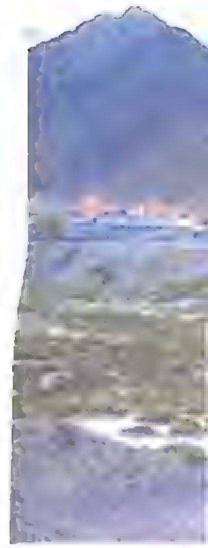
ولا تمنن تستكثر

ولربك فاصبر

"اے لحاف میں لپٹنے والے! اٹھیے اور ڈرائیے۔ اور اپنے رب ہی کی بڑائی بیان کیجیے۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھیے۔ اور ناپاکی چھوڑ دیجیے۔ اور زیادہ حاصل کرنے کے لیے احسان نہ کیجیے۔ اور اپنے رب کے لیے صبر کیجیے۔"

اس باب میں





آپ رسول اللہ ﷺ کے فضائل و مکارم پڑھیں گے... محسن انسانیت سیدنا محمد ﷺ یتیم تھے۔ کوئی قبیلہ، کوئی پولیس، کوئی فوج، کوئی سیاسی جتھا آپ ﷺ کا معاون نہ تھا۔ آپ ﷺ نے تن تنہا رب ذوالجلال پر بھروسہ کرکے غافل و جاہل انسانوں کو توحید سے آشنا کرنے کا بیڑا اٹھایا اور جہالت کے ٹیلے توڑے۔ طرح طرح کے توہمات اور صنم پرستی کا خاتمہ کیا۔ لات و منات اور دیگر مقدس خیال کیے جانے والے استھان مسمار کر دیے۔ عام انسانوں کی غلامی کی زنجیریں توڑ ڈالیں۔ سب کو احترام آدمیت اور اخلاق عالیہ کا سبق سکھایا۔ آزادی رائے اور حریت خیال کا لازوال تحفہ مرحمت فرمایا۔ بڑے بڑے جابر سرداروں کو اُن کے آسمان غرور سے اتار کر عام آدمی کی سطح پر لا کھڑا کیا اور عام آدمی کو غلامی اور جہالت کی پستی سے اُٹھا کر شرف انسانی کے تخت پر لا بٹھایا۔ تاریخ انسانیت نے آپ ﷺ جیسی فضیلت مآب ہستی کبھی نہیں دیکھی۔ آپ ﷺ فی الجملہ مجموعۂ فضائل ہیں۔ آپ ﷺ کی سب سے بڑی فضیلت اللہ رب العزت پر ناقابل تسخیر ایمان اور استقامت ہے جسے بروئے کار لا کر آپ ﷺ نے چہار سو نور توحید کی تجلیاں عام کر دیں۔ اگلے اوراق آپ کے انھی فضائل کی تفصیلات و جزئیات کی دستاویز ہیں۔



فضائل و خصائص نبوی ﷺ

اللہ جل شانہ نے کائنات کی تخلیق کے بعد زمین پر موجود انسانوں کی راہنمائی کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ پھر انبیاء علیہم السلام سے پانچ اولوالعزم پیغمبر نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد علیہم السلام چنے، پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد ﷺ کو اپنا آخری پیغمبر بنا کر ان تمام انبیاء پر فضیلت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اگلی اور پچھلی ساری مخلوق سے زیادہ پذیرائی اور تعظیم سے نوازا۔ آپ سید ولد آدم ہیں۔ آپ ہی قیامت کے روز سب سے پہلے اٹھیں گے، آپ ہی کو سب سے پہلے سفارش کی اجازت ملے گی اور آپ کی سفارش قبول ہوگی۔ آپ کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا اور آپ ہی جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے۔

جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد ﷺ کو ساری مخلوق سے زیادہ فضیلت عطا فرمائی ہے، اسی طرح آپ ﷺ کی امت کو بھی تمام امتوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم ۚ مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١١٠﴾

”تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا۔ ان میں بعض ایمان والے بھی ہیں مگر ان کے اکثر نافرمان ہیں۔“[1]

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا انتخاب بھی اعلیٰ ترین قبیلے سے ہوا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونِ بَنِي آدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتَّى كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِي كُنْتُ مِنْهُ

”مجھے عہد بہ عہد بنی آدم کی بہترین نسلوں میں سے مبعوث کیا گیا ہے، یہاں تک کہ میں اس نسل میں (پیدا) ہوا جس میں مجھے ہونا تھا۔“[2]

رسول اللہ ﷺ کی ذات والاصفات ہر اعتبار سے تا قیامت آنے والوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ فرمان

1 آل عمران 110:3. 2 صحیح البخاری: 3557

باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۝

''یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) اور آخرت کی امید رکھتا ہے، اور کثرت سے اللہ کو ذکر کرتا ہے۔''[1]

سید الانبیا محمد ﷺ حسنات و برکات اور زندگی کے اعلیٰ اسالیب کا بے مثل مجموعہ تھے۔ آپ کے فضائل و مناقب اور خصوصیات دو طرح کی ہیں۔ 1 تشریعی 2 تفضیلی۔

تشریعی خصوصیات سے مراد ایسے احکام و مسائل ہیں جن میں آپ دیگر انبیائے کرام ﷺ یا اپنی امت سے ممتاز ہیں۔ وہ احکام آپ کے لیے مخصوص ہیں۔ گزشتہ انبیائے کرام یا آپ کی امت ان خصوصیات میں شریک نہیں۔ تفضیلی خصوصیات سے مراد ایسے فضائل و مناقب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو عطا کیے۔ ان میں دیگر انبیائے کرام یا آپ کی امت شریک نہیں ہے۔ ان میں سے بعض صفات کا تعلق دنیوی زندگی سے ہے اور چند کا تعلق آخرت سے ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا اعزاز

اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو ساری مخلوق پر ہر لحاظ سے فضیلت عطا فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝

''اللہ فرشتوں میں سے بھی پیغام پہنچانے والے چن لیتا ہے اور لوگوں میں سے (بھی)، یقیناً اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔''[2]

ارشاد نبوی ہے:

[illegible]

''اللہ تعالیٰ نے اسماعیل (ﷺ) کی اولاد سے کنانہ کو منتخب کیا۔ کنانہ کی اولاد سے قریش کو چنا۔ قریش کی اولاد سے بنو ہاشم کو برتری دی اور بنو ہاشم سے (نبوت و رسالت کے لیے) مجھے انتخاب کیا۔''

1 الاحزاب 21:33 2 الحج 75:22

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو خاص انعامات سے نوازا اور بعض کو بعض پر فضیلت بخشی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ﴾

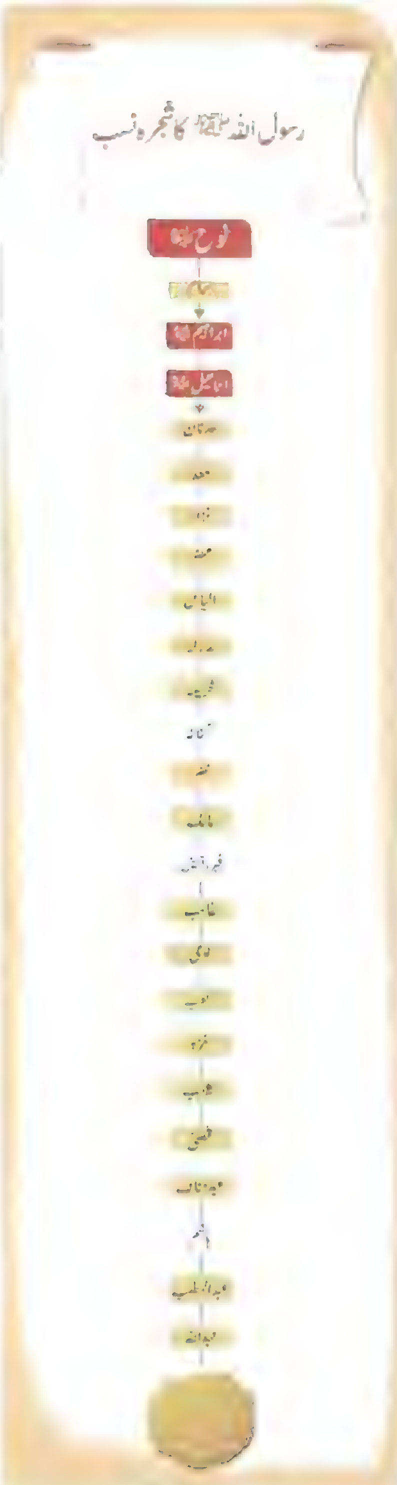
"یہ سب رسول ہیں، ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی، ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور ان میں سے بعض کے درجے بلند کیے۔"[1]

نبی رحمت، خاتم الانبیاء والرسل ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴾

"اور اللہ نے آپ پر یہ کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو وہ کچھ سکھایا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے۔ اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔"[2]

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول کو بے مثل صفات اور بے شمار انعامات سے نوازا ہے۔ ان کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ قارئین کرام کے ایمان کو جلا بخشنے اور نبی کریم ﷺ سے ان کی متاعِ محبت و عقیدت کو دو چند کرنے کے لیے ذیل میں رحمتِ عالم ﷺ کے چند فضائل و مناقب، عطیات ربانی اور خصوصیات لاثانی کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔



اسم محمد ﷺ کی شان

رسول اکرم ﷺ کا ذاتی نام "محمد" اور "احمد" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسم محمد قرآن مجید میں چار مرتبہ اور احمد ایک مرتبہ ذکر فرمایا ہے۔ آپ کی ولادت کے ساتویں روز آپ کے دادا عبدالمطلب نے قریش

1 البقرۃ 2:253۔ 2 النساء 4:113۔

کو ضیافت دی۔ جب سب لوگ کھانا کھا چکے تو انھوں نے پوچھا: آپ نے جس بچے کی وجہ سے یہ پر تکلف دعوت کی ہے، اس کا نام کیا رکھا ہے؟ جناب عبدالمطلب نے کہا: میں نے اس کا نام ''محمد (ﷺ)'' رکھا ہے۔ اہل مکہ نے پوچھا: آپ نے اپنے خاندانی نام چھوڑ کر یہ نام کیوں رکھا؟ عبدالمطلب کہتے ہیں: میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں اور اہل زمین زمین میں اس کی تعریفیں بیان فرمائیں۔[1]

قاضی محمد سلیمان منصور پوری ؒ لکھتے ہیں: ''حضور ﷺ کا ذاتی نام محمد ہے اور احمد بھی ہے۔ ہر دو اسمائے ذاتی میں وحدت کا مادہ موجود ہے، یعنی ''حمد'' سے بنے ہیں..... محمد اور احمد کے معانی میں الگ الگ فرق یہ ہے کہ محمد ﷺ وہ ہے جس کی حمد و نعت جملہ اہل ارض و سما نے سب سے بڑھ کر کی ہو۔ اور احمد وہ ہے جس نے رب ارض و سما کی حمد و ثنا جملہ اہل ارض و سما سے بڑھ کر کی ہو۔ لہٰذا اسم پاک علم بھی ہے اور صفت بھی ہے۔ وہ اپنے معانی کے اعتبار سے کمالات نبوت پر دال ہے اور مدلول بھی۔

آپ ﷺ کی یہ وہ خصوصیت ہے جس سے دیگر انبیاء ؑ کے اسماء ساکت و خاموش ہیں، مثلاً: آدم کے معنی ہیں گندم گوں۔ نوح کے معنی آرام ہیں۔ اسحاق کے معنی ہنسنے والا ہیں۔ موسیٰ ؑ کا مطلب ہے پانی سے نکالا ہوا۔ عیسیٰ کے معنی ہیں سرخ رنگ۔

یہ تمام اسماء کسی کی عظمت روحانی یا نبوت کی طرف اشارہ نہیں کرتے۔ مگر اسم محمد ﷺ کی شان خاص ہے۔''[2]

رحمۃ للعالمین ﷺ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

''اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔''[3]

سیدنا محمد ﷺ جناب منصب اللہ کے آخری رسول اور پوری اولاد آدم کے رہبر اعظم ہیں۔ آپ تمام انسانوں کو دین حنیف کا سیدھا اور سچا راستہ دکھانے پر مامور ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنی ذمہ داریاں نہایت احسن طور پر اتنی نرمی اور نوازش سے ادا کیں کہ آپ ﷺ کو خود رب ذوالجلال نے رحمۃ للعالمین کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کی یگانہ شخصیت فضائل و محاسن کا بے مثل مجموعہ ہے۔ قرآن کریم نے آپ ﷺ کے جن فضائل و مکارم کا جابجا تذکرہ کیا ہے، ان میں آپ ﷺ کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ آپ داعی الی اللہ تھے۔ ماحول اور معاشرہ

1 سبل الہدیٰ: 2/325. 2 رحمۃ للعالمین: 2/603، 604. 3 الأنبیاء 21:107.

آپ ﷺ ہی وہ معلم اخلاق ہیں جن کی تعلیم رنگ ونسل اور علاقائی عصبیت سے ماورا ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیم و تلقین میں بدی سے نفرت، شخصی کردار کی پاکیزگی اور اعمال صالحہ پر بہت زور دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے نزدیک محض حسب نسب کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں۔

یہ رسول اللہ ﷺ ہی ہیں جنھوں نے بانگ دہل "خدا ایک ہے" کی دعوت یکساں طور پر اپنے پرائے کو دی۔ آپ ﷺ ہی نے سب سے پہلے کالے گورے، احمر و اسود، غربی و شرقی کا امتیاز ختم کیا اور سب کو وحدت کی لڑی میں پرو کر ایک قوم بنا دیا۔ ایک ہی کلمہ زبان پر، ایک ہی ولولہ دماغ میں، ایک ہی ارادہ دلوں میں قائم کر دیا۔

یہ رسول رحمت ﷺ ہی ہیں جنھوں نے دیکھا کہ کہیں عورت کو اناج، غلہ، روپیہ، پیسہ کی طرح دان و دہش میں دے دیا جاتا ہے، کہیں عورت کو بے روح بتایا جاتا ہے، کہیں عورت کو مجسم شیطان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کہیں اسے صرف اغراض شہوانی کا کھلونا بنا لیا گیا ہے۔ اس کی شخصیت و ذہنیت اور حقوق کا مطلق پاس لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ چنانچہ آپ ﷺ ہی نے عورتوں کے یہ تمام مصائب دور کرنے کے لیے یہ حکم ربانی سنایا: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ "عورتوں کے لیے مردوں پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے لیے عورتوں پر ہیں۔"[1]

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: النساء شقائق الرجال "عورتیں مردوں ہی کا ایک جزو اور حصہ ہیں، یا عورتیں مردوں کے لیے گل و ریحان ہیں۔"[2]

مزید ارشاد فرمایا: اتقوا الله في النساء "عورتوں کے معاملات میں تقویٰ الٰہی سے کام لو۔"[3]

رسول اللہ ﷺ ہی نے رسوم کی زنجیروں، اندھی تقلید کی بیڑیوں اور آبائی مراسم کی ہتھکڑیوں سے انسان کو رہائی دلائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے اس رفیع الشان کارنامے کا ذکر جمیل اس طرح کیا ہے: وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ "اور ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان پر تھے۔"[4]

یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں جنھوں نے قوموں کو باہمی طور پر موالات کے اصول سکھائے، عدم موالات کی حدود قائم کیں۔ اور یہ فرمان ربانی سنایا:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

"اور تم نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔"[5]

رسول اللہ ﷺ ہی نے عرب کے اس رویے اور رواج کو توڑا کہ میت کا وارث خاندان کے صرف ان لوگوں کو

1 البقرة 2:228، 2 سنن ابی داؤد 236، 3 صحیح مسلم 1218، 4 الاعراف 157، 5 المائدة 2

ملے گا جو تلوار اور نیزہ اٹھا سکتے ہوں۔ عورت اور معصوم بچے، بیٹی، بہن کا کوئی حق نہیں، بلکہ وہ ایک عورت کو باپ کی جائیداد سے بیٹی ہونے کے ناتے، بھائی کی جائیداد سے بہن ہونے کے باعث، شوہر کی جائیداد سے بوجہ زوجہ ہونے کے اور اولاد کی جائیداد سے بوجہ والدہ ہونے کے متعدد حصے دلاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ہی کے تقسیم کردہ قانون وراثت کو بہت سی غیر مسلم قوموں نے بھی اپنا لیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ ہی نے جواز جنگ کے لیے مظلوم ہونے، حقوق ملی وقومی سے بلاوجہ محروم کر دیے جانے، دین حنیف کی حفاظت کرنے والوں کے جان و مال کے غیر محفوظ ہو جانے یا امن عامہ کا قیام مفقود ہو جانے اور مذاہب عالم اور ان کی عبادت گاہوں کی غارت گری کو اہم ترین وجوہ قرار دیا۔ ارشاد ربانی ہے:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ‎﴿٣٩﴾‏ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا

"جن لوگوں سے لڑائی کی جاتی ہے، انھیں (جہاد کی) اجازت دی گئی ہے، اس لیے کہ یقیناً ان پر ظلم کیا گیا، اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر ضرور قادر ہے۔ وہ لوگ جنھیں ان کے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا، صرف اس لیے کہ وہ کہتے ہیں: ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر اللہ لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو بلاشبہ راہبوں کے خلوت خانے اور (عیسائیوں کے) گرجے اور (یہودی) عبادت خانے اور مسجدیں، جن میں اللہ کا نام بکثرت ذکر کیا جاتا ہے، ضرور گرا دی جاتیں۔"[1]

یہ سیدنا محمد ﷺ ہی ہیں جنھوں نے شراب کو قطعی حرام ٹھہرایا، اسے ام الخبائث بتلایا۔ اور اس کی تھوڑی سی مقدار کو بھی ممنوع قرار دے دیا۔ فرمان الٰہی ہے:

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

"بے شک شراب اور جوا، آستانے اور فال نکالنے کے تیر، سب گندے کام ہیں اور شیطان کے عمل سے ہیں، لہٰذا تم ان سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔"[2]

اس حکم کے ساتھ یہ تفسیر بھی شامل کر دی: «مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ» "جس چیز کی زیادہ مقدار میں نشہ ہو، اس کی ادنیٰ سی مقدار بھی حرام ہے۔"[3]

رسول اللہ ﷺ ہی نے زنا و بدکاری کی تمام قسموں کو یکسر حرام قرار دیا اور اس ارشاد ربانی کی خاص طور پر تعلیم دی:

1 الحج 22: 39، 40. 2 المائدۃ 5: 90. 3 سنن ابن ماجہ: 3393، سنن أبي داود: 3681.

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝

''اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں یا ان (کنیزوں) کے جن کے وہ مالک ہیں، تو بلاشبہ (ان کی بابت) ان پر کوئی ملامت نہیں۔ پھر جو شخص ان کے علاوہ (رستہ) تلاش کرے تو ایسے لوگ ہی حد سے گزرنے والے ہیں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ ہی نے اسیران جنگ کی جان بخشی کے اصول واضح فرمائے۔ اور ان حکم ربانی کی پوری طرح تعمیل فرمائی۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً

''پس جب تم (جہاد میں) ان لوگوں سے ملو جنھوں نے کفر کیا تو (ان کی) گردنیں مارو، حتی کہ جب تم انھیں خوب قتل کر چکو تو (قیدیوں کو) بیڑیوں میں مضبوطی سے باندھ دو، پھر یا تو اس کے بعد ان پر احسان کرنا ہے یا فدیہ (تاوان) لینا ہے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ ہی نے حملہ آور دشمن پر اس کے مغلوب اور قید ہونے کے بعد بھی طرح طرح سے احسان فرمایا۔ بدر، احد، مکہ و حنین کی فتوحات میں ہر موقع پر اسیران جنگ، دشمنانِ دین، قاتلانِ مومنین اور محاربین رسول کے ساتھ پورے عدل و انصاف کا معاملہ فرمایا۔

محسن انسانیت سیدنا محمد ﷺ ہی ہیں جنھوں نے غلاموں کو وہی کھانا، وہی کچھ پہننا اور ان کی استطاعت سے بڑھ کر کام نہ لینا فرض ٹھہرایا۔ اور اس طرح آپ ﷺ نے غلاموں کو خاندان ہی کا ایک رکن بنا دیا۔

نبی کریم ﷺ ہی نے غلام کو حق مکاتبت بخشا اور آقا کو پابند کیا کہ وہ اسے مقررہ قیمت پر آزاد کرے۔

رسالت مآب ﷺ ہی نے اسلامی ریاست کی آمدنی صدقات میں سے آٹھواں حصہ غلامی کے خاتمے کے لیے مقرر فرمایا:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ

''زکاۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں اور ان اہلکاروں کے لیے ہے جو اس (کی وصولی) پر مقرر ہیں اور ان کے لیے جن کی دلداری مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے کے لیے۔''[3]

1 المؤمنون 23:5-7. 2 محمد 47:4. 3 التوبۃ 9:60.

سردار بنی آدم ﷺ

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو دنیا و آخرت میں اولاد آدم کا سردار بنایا ہے۔ دنیا میں آپ کے اخلاق کریمہ اور آخرت میں اعلیٰ مقام و مرتبہ سے آپ کو فضیلت بخشی۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: أنا سيد ولد آدم يوم القيامة ولا فخر ''میں قیامت کے روز اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔''[1]

علامہ عبدالعزیز رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''سید'' وہ ہستی ہے جو عالی صفات اور بلند اخلاق سے متصف ہو۔ ''سید'' اس لفظ میں یہ اشارہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ دونوں جہانوں میں انبیائے کرام سے افضل ہیں۔ دنیا میں عظیم اخلاق سے متصف ہونے کی وجہ سے اور آخرت میں اعلیٰ اخلاق و اوصاف کی جزا کی بنا پر اعلیٰ مقام و مرتبے کے حقدار ہوں گے۔ آپ نے ولا فخر کہہ کر یہ واضح کیا کہ اللہ کے نزدیک میرا مقام و مرتبہ یہ ہوگا لیکن میں یہ بات بطور فخر نہیں کہہ رہا بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں۔[2]

خاتم النبیین ﷺ

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے انبیاء و رسل علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ، محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرما کر مکمل کر دیا۔ آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

''محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، اور لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔''[3]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یہ آیت ختم نبوت کی نص ہے۔ جب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا تو کوئی رسول بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ مقام رسالت مقام نبوت سے خاص ہے (جب عام کی نفی کر دی تو خاص کی بطریق اولیٰ نفی ہوگئی)۔[4]

محدثین کرام نے آپ کی اس خصوصیت اور فضیلت کو اپنی کتب کی زینت بنایا ہے۔ رئیس المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إنّ مثلي ومثل الأنبياء من قبلي كمثل رجل بنى بيتا فأحسنه وأجمله إلا موضع لبنة من زاوية فجعل الناس يطوفون به ويعجبون له ويقولون هلا وضعت هذه اللبنة؟ قال:

1 صحيح مسلم: 2278، جامع الترمذي: 3148 2 بداية السول، ص: 34,33، حلية السول، ص: 267، خصائص المصطفى، ص: 60. 3 الأحزاب 40:33 4 تفسير ابن كثير، الأحزاب 40:33

"میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء ﷺ کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے ایک مکان بنایا اور اسے بہت خوبصورت (اسلوب میں) تیار کیا مگر ایک کونے میں اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ اب لوگ آ کر اس کے اردگرد گھومتے ہیں اور اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور (ساتھ) وہ یہ بھی پوچھتے ہیں کہ ایک اینٹ یہاں کیوں نہیں رکھی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں وہی اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔"[1]

جن و انس کے رسول

تمام انبیاء اور رسول اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث کیے جاتے تھے۔ ان کے زمان و مکان، ان کی بولیاں، ان کے امتی اور ان کا علاقہ مخصوص ہوتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو یہ شان عطا فرمائی کہ آپ نہ صرف پوری انسانیت بلکہ جنوں کے بھی رسول ہیں۔ آپ تا قیامت آنے والی نسلوں کے راہبر اعظم ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۙ

"کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔"[2]

رسول اکرم ﷺ نے اپنی شان عالی ان الفاظ میں بیان کی ہے:

أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً

"مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں: ایک یہ کہ مجھے ایک مہینے کی مسافت تک بذریعہ رعب مدد دی گئی ہے۔ دوسری یہ کہ تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور پاک کرنے والی بنا دیا گیا ہے۔ اب میری امت میں جس شخص کو (جہاں بھی) نماز کا وقت آ جائے، اسے چاہیے کہ وہیں نماز پڑھ لے۔ تیسری یہ کہ میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے جبکہ اس سے پہلے یہ کسی کے لیے حلال نہ تھا۔ چوتھی یہ کہ مجھے شفاعت (کبریٰ) عطا کی گئی ہے۔ پانچویں یہ کہ پہلے نبی خاص طور پر اپنی ہی قوم کے لیے مبعوث ہوا کرتا تھا، مگر میں تمام لوگوں کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا گیا ہوں۔"[3]

1 صحیح البخاری: 3535. 2 الاعراف 158:7. 3 صحیح البخاری: 335.

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنوں کی رہنمائی کے لیے ان کا بھی رسول بنایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾

”وہ ذات بڑی ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) نازل کیا، تاکہ وہ جہان والوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔“[1]

امام قرطبی فرماتے ہیں: ”اس آیت میں ﴿لِلْعَالَمِينَ﴾ ”جہان والوں“ سے مراد انسان اور جن ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ انسانوں اور جنوں دونوں کے لیے رسول اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے ہیں۔“[2] آپ ﷺ کے جنوں کی طرف رسول ہونے کی ایک دلیل یہ قرآنی آیت بھی ہے:

﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا﴾

”(اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) غور سے سنا تو انھوں نے کہا: بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ وہ رشد و ہدایت کی راہ دکھاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، اور (اب) ہم کسی کو بھی اپنے رب کا ہرگز شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔“[3]

شافع محشر، حامل لواء الحمد

قیامت کے روز سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ قبر سے اٹھیں گے۔ اس روز حمد کا جھنڈا آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا۔ سب سے پہلے سفارش کا حق آپ کو ملے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود سے سرفراز کرے گا۔ جمہور علمائے کرام کے نزدیک مقام محمود سے مراد شفاعت کبریٰ ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں مخصوص حمد و ثنا کریں گے۔ آپ کو طویل حمد و ثنا کے بعد سجدے سے سر اٹھانے اور سفارش کرنے کا حکم ہوگا۔ آپ مخلوق کا حساب شروع کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی امت کے خطاکاروں کی بھی سفارش فرمائیں گے۔ اس روز تمام انبیائے کرام آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے۔ آئیے آپ کے اس عالی مقام اور بلند شان سے متعلق چند نصوص کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾

”اور رات کے کچھ حصے میں بھی آپ اس (قرآن) کے ساتھ تہجد پڑھیں، اس حال میں کہ (یہ) آپ کے

1 الفرقان 1:25. 2 تفسیر القرطبی، الفرقان 1:25. 3 خصائص المصطفیٰ، ص: 41.

لیے زائد ہے، امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔“ [1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[illegible]

”قیامت کے دن میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا۔ سب سے پہلے میری قبر کھلے گی۔ سب سے پہلے میں سفارش کروں گا۔ اور سب سے پہلے میری ہی سفارش قبول کی جائے گی۔“ [2]

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

”قیامت کے روز میں اولادِ آدم کا سردار ہوں گا۔ اور میں یہ بات بغیر کسی فخر کے کہہ رہا ہوں۔ میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا۔ اور میں یہ بات کسی فخر کے بغیر (نعمتِ الٰہی کے تذکرے کے طور پر) کر رہا ہوں۔ آدم علیہ السلام سمیت تمام انبیاء میرے جھنڈے تلے جمع ہوں گے۔ قیامت کے روز سب سے پہلے میری قبر کھلے گی۔ میں یہ بات بطورِ فخر نہیں بتا رہا (بلکہ آئندہ پیش آنے والی حقیقت بیان کر رہا ہوں)۔“ [3]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت کے دن میں لوگوں کا سردار ہوں گا۔ کیا تمھیں علم ہے کہ ایسا کیوں ہوگا؟ اللہ تعالیٰ تمام اگلے پچھلے لوگوں کو ایک چٹیل میدان میں جمع کر دے گا۔ اس دوران میں پکارنے والا سب کو اپنی آواز سنائے گا اور ان سب پر اس کی نظر پہنچے گی۔ سورج بالکل قریب آ جائے گا، چنانچہ لوگوں کو اس قدر غم اور تکلیف لاحق ہوگی جو ان کی طاقت سے باہر اور ناقابلِ برداشت ہوگی۔ لوگ آپس میں کہیں گے: تم دیکھتے نہیں کہ ہماری کیا حالت ہوگئی ہے؟ کیا کوئی ایسا مقبول بندہ نہیں جو اللہ کے حضور تمھاری سفارش کرے؟ پھر وہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ سیدنا آدم علیہ السلام کے پاس جانا چاہیے۔ چنانچہ سب لوگ سیدنا آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: آپ سب انسانوں کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اپنی طرف سے خصوصیت کے ساتھ آپ میں روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا تو انھوں نے آپ کو سجدہ کیا، اس لیے آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کریں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ سیدنا آدم علیہ السلام فرمائیں گے: بلاشبہ آج کے دن میرا رب انتہائی غیظ و غضب میں ہے۔ وہ اس سے پہلے کبھی اتنا غضبناک نہیں ہوا،

[1] بنی اسرائیل 79:17 [2] صحیح مسلم: 2278 [3] جامع الترمذی: 3148

نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ میرے پروردگار نے مجھے درخت سے روکا تھا لیکن میں نے اس کی نافرمانی کی، اس لیے مجھے تو اپنی فکر پڑی ہوئی ہے۔ میں اپنی جان کی حفاظت چاہتا ہوں، لہٰذا تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ تم نوح کے پاس جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ سیدنا نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے نوح! آپ سب سے پہلے پیغمبر ہیں جو اہل زمین کی طرف مبعوث ہوئے اور اللہ نے آپ کو "شکر گزار بندے" کا لقب عطا فرمایا۔ آپ ہی ہمارے لیے اپنے رب کے حضور سفارش کر دیں۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس حالت تک پہنچ چکے ہیں؟ نوح علیہ السلام فرمائیں گے: بلاشبہ میرا رب آج بہت غضب ناک ہے۔ اس سے پہلے وہ کبھی ایسا غضبناک نہیں ہوا، نہ آئندہ ایسا غضب ناک ہوگا۔ اللہ نے مجھے ایک دعا کی قبولیت کا یقین دلایا تھا جو میں نے اپنی قوم کے خلاف کر ڈالی۔ نفسی، نفسی، نفسی (آج تو مجھے اپنی ہی فکر ہے)۔ لہٰذا تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے ابراہیم! آپ اللہ کے نبی اور اس کے خلیل ہیں اور اہل زمین میں منتخب شدہ ہیں۔ لہٰذا آپ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری سفارش کریں۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے: آج میرا رب بہت غضب ناک ہے۔ اتنا غضب ناک نہ وہ پہلے ہوا تھا اور نہ آج کے بعد ہوگا۔ میں نے تین خلاف واقعہ باتیں کی تھیں۔ راوی حدیث ابوحیان نے اپنی روایت میں ان تینوں باتوں کا ذکر کیا ہے ..... نفسی، نفسی، نفسی۔ مجھے تو اپنی فکر ہے۔ تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف سے رسالت دی اور آپ سے گفتگو فرمائی، یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔ آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کر دیں۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کہیں گے: آج اللہ تعالیٰ بہت غضب ناک ہے۔ اتنا غضب ناک تو وہ نہ پہلے کبھی ہوا، نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ میں نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، اس شخص کو قتل کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا۔ نفسی، نفسی، نفسی۔ بس مجھے آج اپنی فکر ہے۔ میرے علاوہ تم کسی اور کے پاس چلے جاؤ، ہاں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آ کر عرض کریں گے: اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جسے اس نے سیدہ مریم علیہا السلام پر ڈالا تھا اور آپ اللہ کی طرف سے روح ہیں۔ آپ نے بحالت بچپن آغوشِ مادر میں رہتے ہوئے لوگوں سے باتیں کی تھیں۔ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کریں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: آج میرا رب بہت غصے میں ہے۔ وہ پہلے کبھی اتنا غضب ناک ہوا

نہ آئندہ ایسا غضب ناک ہوگا۔ آپ اپنی کسی لغزش کا ذکر نہیں کریں گے۔ صرف یہ کہیں گے: میں اپنی جان کی حفاظت چاہتا ہوں۔ میرے علاوہ تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ ہاں تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ محمد ﷺ کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے محمد (ﷺ)! آپ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے ہیں۔ آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کر دیں۔ آپ خود ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ ہم کس حالت میں گرفتار ہیں۔ آخر کار میں خود آگے بڑھوں گا اور عرش کے نیچے پہنچ کر اپنے رب کے حضور سجدے میں گر جاؤں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنے تعریفی کلمات اور حسن ثنا کے دروازے کھول دے گا جو اس نے مجھ سے پہلے اور کسی پر ظاہر نہیں کیے۔ پھر کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیں اور سوال کریں، آپ کو عطا کیا جائے گا۔ آپ سفارش کریں، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی، چنانچہ میں اپنا سر اٹھا کر عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت کو معاف کر دے۔ اے پروردگار! میری امت پر رحم کر۔ کہا جائے گا: اے محمد! اپنی امت کے ان لوگوں کو جن پر کوئی حساب نہیں، جنت کے دائیں دروازے سے داخل کریں۔ ویسے انھیں اختیار ہے کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ جس دروازے سے چاہیں داخل ہو سکتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جنت کے دروازے کے دونوں کناروں کا فاصلہ اتنا ہے جتنا مکہ اور حمیر یا مکہ اور بصریٰ میں ہے۔''[1]

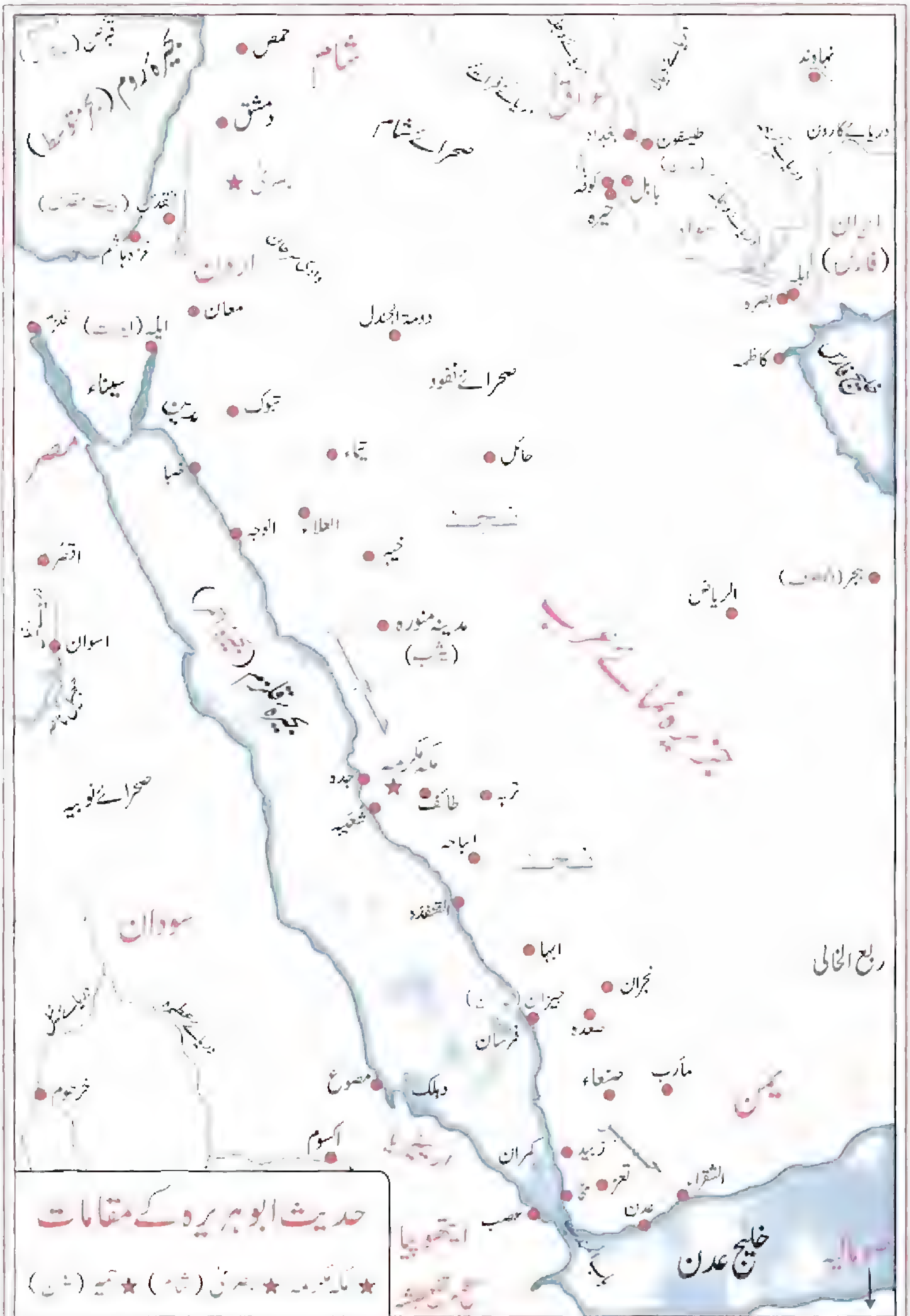
جنت کا دروازہ نبی ﷺ کی سفارش سے کھلے گا

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کو جن انعامات سے نوازا ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ آپ سب سے پہلے جنت

1 صحیح البخاری، 4712، وصحیح مسلم، 519/11، 521



بصریٰ شام کے رومی تھیٹر کے آثار


حدیث ابوہریرہ کے مقامات
بحیرۂ روم (بحر متوسط)
حمص
شام
دمشق
صحرائے شام
عراق
نہاوند
بغداد
طیسفون
بابل
کوفہ
حیرہ
ایران (فارس)
ابلہ
بصرہ
القدس
غزہ ہاشم
اردن
معان
دومۃ الجندل
الیہ
سیناء
مدین
تبوک
صحرائے نفود
کاظمہ
مصر
تیماء
حائل
العلاء
الوجہ
خیبر
نجد
الاقصر
الریاض
مدینہ منورہ
(یثرب)
اسوان
صحرائے نوبیہ
مکہ مکرمہ
جدہ
طائف
تربہ
شعیبہ
ابہا
سوڈان
القنفذہ
ربع الخالی
نجران
فرسان
صعدہ
مأرب
صنعاء
یمن
مصوع
دہلک
خرطوم
اکسوم
زبید
تعز
الشقرا
عدن
مصب
اتھوپیا
خلیج عدن

کا دروازہ کھلوائیں گے۔ جنت میں سب سے زیادہ تعداد آپ کے امتیوں کی ہے۔ ستر ہزار ایسے خوش نصیب بھی ہوں گے جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ آیئے! اس ضمن میں رسول کریم ﷺ کے مزید ارشادات کا مطالعہ کیجیے۔

سیدنا انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''قیامت کے روز میرے پیروکار سب انبیاء کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے۔ اور میں سب سے پہلے جنت کے دروازے پر دستک دوں گا۔''[1]

سیدنا انس ؓ کی دوسری روایت میں آپ ﷺ کا فرمان عالی شان ہے:

[illegible]

''قیامت کے دن میں جنت کے دروازے پر دستک دوں گا۔ جنت کا دربان پوچھے گا: آپ کون ہیں؟ میں جواب دوں گا: محمد (ﷺ)۔ دربان کہے گا: مجھے حکم دیا گیا تھا کہ میں آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔''[2]

امت محمدیہ کے لوگ کثرت سے جنت میں ہوں گے

قیامت کے روز کچھ نبی ایسے بھی ہوں گے جن کے ساتھ دو چار یا دس امتی ہوں گے۔ اور کوئی تن تنہا اکیلا ہی ہوگا۔ اس روز آپ اپنی امت کی کثیر تعداد سے خوش ہوں گے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا:

[illegible]

1 [illegible] 196؛ 2 [illegible] 197

''تمام امتیں میرے سامنے پیش کی گئیں۔ بعض ایسے انبیا گزرے جن کے ساتھ صرف ایک ایک آدمی تھا اور بعض ایسے نبی بھی گزرے جن کے ساتھ دو آدمی تھے۔ کچھ انبیاء ایسے بھی تھے جن کے ساتھ ایک چھوٹی سی جماعت تھی اور کچھ ایسے بھی تھے کہ ان کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر میں نے ایک بڑی جماعت دیکھی جس نے افق کو ڈھانپ رکھا تھا۔ میں نے خیال کیا شاید یہ میری امت ہے۔ مجھ سے کہا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ اور ان کی امت کے لوگ ہیں۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ دیکھو۔ میں نے دیکھا کہ وہاں بے شمار لوگ ہیں جن سے تمام افق بھرے پڑے تھے۔ پھر مجھ سے کہا گیا: ادھر دیکھو، ادھر دیکھو۔ میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ ہیں جنھوں نے تمام افق کو ڈھانپ رکھا ہے۔ مجھ سے کہا گیا: یہ لوگ آپ کی امت ہیں اور ان میں سے ستر ہزار وہ لوگ ہوں گے جو جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔''[1]

جنت میں آپ کی امت سب سے زیادہ ہوگی۔ جنت میں داخل ہونے والوں کی 120 صفیں ہوں گی جن میں 80 صفیں امت محمدیہ کی ہوں گی۔ اس طرح اہل جنت میں سے دو تہائی لوگ امت محمدی کے ہوں گے۔

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''اہل جنت کی 120 صفیں ہوں گی۔ 80 صفیں اس امت کی اور بقیہ تمام امتوں کی 40 صفیں ہوں گی۔''[2]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک خیمے میں موجود تھے۔ آپ نے فرمایا:

[illegible]

''کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ اہل جنت کا ایک چوتھائی رہو؟'' ہم نے کہا: جی ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا: ''کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ اہل جنت کا ایک تہائی رہو؟'' ہم نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تم

[1] صحیح البخاری: 5752 [2] جامع الترمذی: 2546

اس پر خوش ہو کہ اہل جنت کا تم نصف رہو؟'' ہم نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں امید رکھتا ہوں کہ تم اہل جنت کا نصف ہو گے۔ یہ اس لیے کہ جنت میں صرف مسلمان ہی داخل ہوں گے اور تم اہل شرک کے مقابلے میں اس طرح ہو گے جس طرح سیاہ بیل کے جسم پر سفید بال ہو یا جیسے سرخ بیل کے جسم پر ایک سیاہ بال ہو۔''[1]

49 لاکھ خوش نصیب

اللہ کے رسول ﷺ پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار انعامات ہیں۔ ان میں سے ایک انعام کا تذکرہ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں درج ذیل الفاظ میں آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«وَعَدَنِي رَبِّي أَنْ يُدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعِينَ أَلْفًا لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ، مَعَ كُلِّ أَلْفٍ سَبْعُونَ أَلْفًا، وَثَلَاثُ حَثَيَاتٍ مِنْ حَثَيَاتِ رَبِّي»

''میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ میری امت سے ستر ہزار افراد کو بلاحساب و عذاب جنت میں داخل فرمائے گا۔ اور ہر ہزار کے ساتھ (مزید) ستر ہزار لوگوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ اور میرے رب کے تین بھرے ہوئے لپ بھی (میری امت سے) جنت میں داخل ہوں گے۔''[2]

اس طرح بلا حساب و عذاب جنت میں داخل ہونے والے خوش نصیب 49 لاکھ ہوں گے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے لپ میں کتنے لوگ سمائیں گے؟ یہ اس ذات عالی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ خوش نصیب کون ہوں گے؟ ان کی کون سی صفات کی بنا پر انھیں اس قدر نوازا جائے گا؟ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کا جواب موجود ہے۔ آئیے رحمت عالم ﷺ کا وہ فرمان عالی پڑھتے ہیں:

«يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ»

''میری امت سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔''

صحابہ کرام نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ کون (خوش نصیب) لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

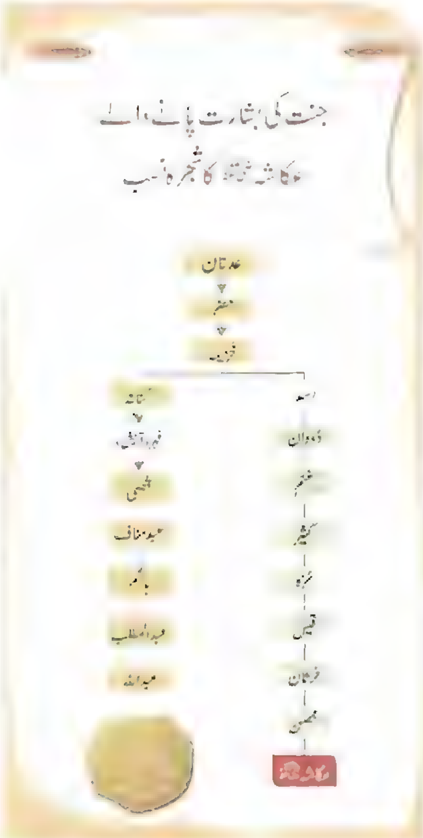
«هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ وَلَا يَكْتَوُونَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ»

''یہ وہ لوگ ہوں گے جو منتر سے جھاڑ پھونک (دم) نہیں کراتے، نہ بدفالی کرتے ہیں، نہ داغ لگواتے ہیں

---

[1] صحیح البخاری، 6528. [2] جامع الترمذی، 2437.

اور صرف اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔"[1]



سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان خوش نصیبوں میں شامل فرما دے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرما دی:

"اے اللہ! اسے ان خوش نصیبوں میں شامل کر دے۔"

دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم ان میں شامل ہو۔"

آپ کی یہ بشارت سن کر ایک اور صحابی کے دل میں یہی بشارت حاصل کرنے کی تڑپ پیدا ہوئی تو وہ بھی کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے لیے بھی دعا فرمایئے، اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان خوش بخت لوگوں میں شامل کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عکاشہ تم سے بازی لے گئے (تم سے پہلے عکاشہ کے لیے جو ہونا تھا وہ ہو چکا)۔"[2]

یہ گروہ بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میری امت سے ایک گروہ جنت میں داخل ہوگا جن کی تعداد ستر ہزار ہوگی، ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔"[3]

صحیح مسلم میں ان کے جنت میں داخل ہونے کی بڑی خوبصورت منظر کشی کی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] صحیح البخاری: 5752، صحیح مسلم: 218. [2] صحیح البخاری: 6541، صحیح مسلم: 216، 218. [3] صحیح البخاری: 6542.

[illegible]

"میری امت کے ستر ہزار یا سات لاکھ افراد (حدیث کے راوی ابو حازم بھول گئے کہ ان کے استاد سیدنا سہل نے دونوں میں سے کیا کہا تھا) ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اکٹھے جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔"[1]

انعامات ربانی کی فراوانی

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کو دیگر انبیائے کرام پر متعدد فضیلتیں عطا کی ہیں۔ آپ ﷺ پر انعامات ربانی کی موسلادھار بارش برستی رہی ہے۔ آپ کو ایسے ایسے انعامات سے نوازا گیا جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں: مجھے ایک مہینے کی مسافت (کی دوری) سے رعب عطا کر کے میری مدد فرمائی گئی۔ پورے روئے زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ اور طہارت کا ذریعہ بنا دیا گیا، چنانچہ میری امت کے کسی فرد کو جہاں بھی نماز کا وقت آ جائے، اسے اسی جگہ نماز پڑھ لینی چاہیے۔ مال غنیمت کو میرے لیے حلال کر دیا گیا۔ ہر نبی کو قبل ازیں مخصوص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا جبکہ مجھے تمام انسانوں کے لیے مبعوث کیا گیا اور مجھے شفاعت (کبریٰ) کا حق دیا گیا ہے۔"[2]

درج بالا حدیث میں آپ کی درج ذیل خصوصیات بیان ہوئی ہیں:

1. آپ کا دشمن ایک مہینے کی مسافت کے فاصلے پر ہوتا ہے تو اس پر آپ ﷺ کا رعب و جلال طاری ہو جاتا ہے۔ دور دراز علاقوں میں بیٹھے ہوئے دشمن آپ کا اسم گرامی سنتے ہی کانپ اٹھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ

1 صحیح البخاری، 6554؛ صحیح مسلم، 219. 2 صحیح البخاری، 438؛ صحیح مسلم، 521.

ہی میں اسلام کے فروغ اور امت مسلمہ کی بھلائیوں میں مصروف رہتے تھے۔ لیکن اتنے طویل فاصلے کے باوجود تبوک کے گردونواح میں موجود عیسائی حکمران اور شامی عیسائی بادشاہ آپ سے خوف کھاتے تھے۔ جب آپ غزوۂ تبوک کے لیے تبوک پہنچے تو وہاں کے عیسائی شخص آپ ﷺ کی آمد کا تذکرہ سنتے ہی اس قدر مرعوب ہو گئے کہ انھوں نے آپ ﷺ کو جزیہ دے کر صلح کرنے ہی میں عافیت سمجھی۔ رومی بادشاہ بھی دبک کر بیٹھ گیا۔ بے پناہ اسلحہ اور زبردست فوجی قوت کے باوجود وہ آپ ﷺ کے سامنے آنے کی جرأت نہ کر سکا۔

2 گزشتہ انبیاء اور ان کی امتوں کے لیے اپنے گرجاؤں، کلیساؤں اور عبادت خانوں ہی میں عبادت کرنے کی اجازت تھی جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

إنما كانوا يصلون في كنائسهم وبيعهم

''وہ صرف اپنے گرجوں اور کلیساؤں ہی میں نماز ادا کرتے تھے۔''[1]

لیکن امت محمدیہ کو ہر پاکیزہ جگہ پر نماز ادا کرنے کی عام اجازت دے دی گئی۔ پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرنے کی سہولت بخشی گئی۔

3 کافروں سے جہاد کے نتیجے میں ملنے والا مال غنیمت حلال کر دیا گیا جبکہ گزشتہ امتوں کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا بلکہ وہ مال غنیمت کو میدان میں جمع کر دیتے تھے۔ آسمانی بجلی گرتی تھی اور سارا مال غنیمت بھسم ہو جاتا تھا۔[2]

4 ، 5 چوتھی اور پانچویں فضیلت کی تفصیل گزشتہ اوراق میں بیان ہو چکی ہے۔

صحیح مسلم کی روایت میں دو اضافی خوبیوں کا ذکر ہے:

فضلت على الأنبياء بست: أعطيت جوامع الكلم ..... وختم بي النبيون

''مجھے انبیاء پر چھ چیزوں کے ذریعے فضیلت دی گئی ہے: مجھے جوامع کلمات عطا کیے گئے ہیں ..... میرے بعد انبیاء کے آنے کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا ہے۔''[3]

علامہ ہروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جامع کلمات سے مراد قرآن مجید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے مختصر ترین الفاظ میں معانی و مفاہیم کے خزانے پنہاں فرما دیے۔ اسی طرح آپ کی مبارک گفتگو بھی مختصر ہوتی تھی مگر اس میں اسرار و حکمت کے بے شمار گوہر دامن میں چھپے ہوتے تھے۔ مختصر سے جملے میں معانی کی ایک دنیا بستی دکھائی دیتی تھی۔[4]

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ اپنی مایہ ناز کتاب ''جامع العلوم والحکم'' میں فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے جامع کلمات

1 مسند أحمد: 222/2. 2 فتح الباري: 568/1. 3 صحيح مسلم: 523. 4 شرح مسلم للنووي: 280/2

کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو قرآن مجید میں سے ہے، جیسے یہ آیت:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾

''بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت داروں کو (امداد) دینے کا حکم دیتا ہے اور وہ بے حیائی، برے کام اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں وعظ کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔''[1]

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس آیت میں ہر خیر اور بھلائی کا حکم دے دیا گیا ہے اور ہر برائی سے روک دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے خصوصی جوامع کلمات کی دوسری قسم آپ سے ماثور سنن میں جابجا موجود ہے۔[2]

محبوب ربانی

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کو بہترین القاب اور نہایت دلکش اوصاف کے حوالے سے پکارا ہے۔ رب ذوالجلال نے قرآن مجید میں ایک بار بھی آپ کا نام لے کر آپ کو مخاطب نہیں کیا بلکہ ایسے اوصاف جمیلہ سے پکارا جن سے محبت الٰہی کا بھرپور اظہار ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ﴾

''اے نبی!''[3]

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ﴾

''اے رسول!''[4]

﴿يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾

''اے کپڑے میں لپٹنے والے!''[5]

﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾

''اے لحاف میں لپٹنے والے!''[6]

یہ شان کریمی صرف آپ کو حاصل ہے۔ علامہ عز بن عبدالسلام فرماتے ہیں: آپ کی یہ صفت کسی اور نبی کو حاصل نہیں۔ یہ آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بقیہ انبیا کو ان کے ناموں سے مخاطب فرمایا ہے، جیسے:

1 النحل 90:16. 2 جامع العلوم والحكم 4/2. 3 الأنفال 64:8. 4 المائدة 41:5. 5 المزمل 1:73. 6 المدثر 1:74.

﴿ وَقُلْنَا يَٰٓـَٔادَمُ ٱسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ ٱلْجَنَّةَ ﴾

''اور ہم نے کہا: اے آدم! تو اور تیری بیوی (دونوں) جنت میں رہو۔''[1]

ایک جگہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿ إِذْ قَالَ ٱللَّهُ يَٰعِيسَى ٱبْنَ مَرْيَمَ ٱذْكُرْ نِعْمَتِى عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَٰلِدَتِكَ ﴾

''جب اللہ کہے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! تو خود پر اور اپنی ماں پر میری نعمت یاد کر۔''[2]

اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

﴿ يَٰمُوسَىٰٓ إِنِّىٓ أَنَا ٱللَّهُ رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴾

''اے موسیٰ! یقیناً میں ہی اللہ ہوں، سب جہانوں کا رب۔''[3]

اور سیدنا نوح علیہ السلام سے فرمایا:

﴿ يَٰنُوحُ ٱهْبِطْ بِسَلَٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكَٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰٓ أُمَمٍ مِّمَّن مَّعَكَ ﴾

''اے نوح! اتر تو ہماری طرف سے عظیم سلامتی اور بہت سی برکتوں کے ساتھ (جو) تجھ پر اور تیرے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی) ہیں۔''[4]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿ وَنَٰدَيْنَٰهُ أَن يَٰٓإِبْرَٰهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ ٱلرُّءْيَآ ﴾

''اور ہم نے اسے آواز دی: اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب یقیناً سچ کر دکھایا۔''[5]

اور یہ بات خوب واضح ہے کہ جب سید اپنے غلام کو اس کے اعلیٰ ترین ناموں اور بہترین القاب کے ذریعے آواز دے تو یہ اس کی عزت و عظمت کی دلیل ہے۔ جبکہ باقی غلاموں کو ان کے ناموں سے پکارے تو یہ مخصوص غلام کی شان اور سید کے ہاں اس کے مقام و مرتبے کی دلیل ہے۔[6]

اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی سے کس قدر محبت ہے؟ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف خود اپنے نبی کو اچھے اچھے القاب سے پکارتا ہے بلکہ اپنے نبی کے امتیوں کو بھی سید الانبیاء کے ادب و احترام کے تقاضوں سے روشناس کراتا ہے۔ انھیں اپنے نبی کا نام لے کر آواز دینے اور اپنے نبی کی موجودگی میں بلند آہنگی

1 البقرۃ 35:2۔ 2 المائدۃ 110:5۔ 3 القصص 30:28۔ 4 ھود 48:11۔ 5 الصافات 104:37۔ 6 غایۃ السول، ص 138، خصائص مصطفیٰ، ص 44

سے بولنے سے بھی سختی سے منع فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَآءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۚ﴾

''تم رسول کو مخاطب کرنے کو ایسا نہ سمجھنا جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔''[1]

نیز فرمایا:

﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوٓا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝﴾

''اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور زور سے بولتے ہو، اس طرح رسالت مآب کے روبرو زور سے نہ بولا کرو، مبادا تمھارے عمل برباد ہو جائیں، اور تمھیں خبر تک نہ ہو۔ بلاشبہ جو لوگ رسول اللہ کے حضور دبی آواز سے بولتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے بڑی بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔''[2]

ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب دلائل النبوہ میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ خاص فضیلت عطا فرمائی ہے جبکہ گزشتہ انبیائے کرام کے امتی انھیں ان کا نام لے کر بلاتے تھے، جیسا کہ قوم موسیٰ نے کہا:

﴿يٰمُوسَى اجْعَل لَّنَآ إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۚ﴾

''اے موسیٰ! تو ہمارے لیے ایک معبود بنا دے جس طرح ان کے معبود ہیں۔''[3]

اور عیسیٰ علیہ السلام سے ان کی قوم نے کہا:

﴿يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ﴾

''اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تیرا رب طاقت رکھتا ہے؟''[4]

ہود علیہ السلام کی قوم نے بھی انھیں نام لے کر پکارا تھا:

﴿يٰهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ﴾

''اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں لایا۔''[5]

[1] النور 63:24 [2] الحجرات 3,2:49 [3] الأعراف 138:7 [4] المآئدۃ 112:5 [5] خصائص المصطفیٰ، ص: 45، دلائل النبوۃ للبیہقی، ص: 12

رب کائنات کا قسم کھانا

کسی بات کو پکا کرنے اور مخاطب کو یقین دلانے کے لیے قسم کھانے کا رواج شاید اتنا ہی پرانا ہے جتنی یہ کائنات۔ جس کی قسم کھائی جاتی ہے، وہ قسم کھانے والے کے نزدیک نہایت اعلیٰ و ارفع مقام کا حامل ہوتا ہے، اسی لیے وہ اپنے محبوب کی قسم کھا کر مخاطب کو قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی قسم کھا کر ان کے مقام و مرتبے کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴾

''(اے نبی!) آپ کی عمر کی قسم! بے شک وہ اپنی مستی (گمراہی) میں بھٹک رہے تھے۔''[1]

اس کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔ یہ آپ ﷺ کے بے مثل شرف و منزلت اور اللہ کے ہاں آپ کے عظیم ترین درجے کی دلیل ہے۔

علامہ عز بن عبدالسلام لکھتے ہیں: مقسم کی زندگی کی قسم کھانا دراصل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ ﷺ کی زندگی کے شرف و منزلت کی دلیل ہے۔ یہ خوبی آپ ﷺ کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔[2]

دفاعِ مصطفیٰ ﷺ

اہلِ کفر و شرک کا شیوہ رہا ہے کہ وہ کلمہ حق ٹھکراتے اور اپنے انبیاء و رسل کو اذیتیں پہنچاتے رہے۔ ایسے لوگ کبھی ان کی تکذیب کرتے تو کبھی انھیں راہ حق سے باز رکھنے کے جتن کرتے تھے۔ اس طرح سابقہ انبیاء کو اپنی امت کی طرف سے سخت ترین اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا اور وہ اپنا دفاع خود کرتے رہے۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام پر ان کی قوم نے بدترین عیب لگایا اور کہا:

﴿ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴾

''ہم تمھیں صریح گمراہی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں۔''[3]

اس پر نوح علیہ السلام نے اپنا دفاع کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾

''اے میری قوم! میں گمراہ نہیں ہوں، بلکہ میں تو سب جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں۔ میں

[1] الحجر 15:72. [2] بداية السول، ص: 37، خصائص المصطفى، ص: 46. [3] الأعراف 7:60

تمھیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور تمھاری خیرخواہی کرتا ہوں، اور میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔“[1]

قوم ہود نے اپنے نبی سے کہا:

إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝

”بے شک ہم تجھے بے وقوفی میں پڑا دیکھتے ہیں، اور بے شک ہم تجھے جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں۔“[2]

ہود علیہ السلام نے اپنا دفاع کرتے ہوئے فرمایا:

يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ۝

”اے میری قوم! میں ذرا بھی بے وقوف نہیں، بلکہ میں تو سب جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں۔ میں اپنے رب کے پیغامات تمھیں پہنچاتا ہوں اور میں تمھارا خیرخواہ اور امین ہوں۔“[3]

ان مثالوں کے برعکس ہمارے نبی مکرم محمد ﷺ کا دفاع خود مالک کائنات نے اپنے ذمے لیا۔ جب مشرکین مکہ نے آپ کو کاہن، شاعر، مجنون وغیرہ کہہ کر آپ کی شان میں گستاخی کی تو عرش بریں کے مالک نے اپنے محبوب کو ان الفاظ میں تسلی دی:

فَذَكِّرْ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ۝ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ ۝ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ۝ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ بِهَذَا أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ۝ أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ۝

”تو (اے نبی!) آپ نصیحت کرتے رہیں کیونکہ آپ اپنے رب کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں، نہ دیوانے۔ کیا وہ (کافر) کہتے ہیں: (یہ نبی) شاعر ہے اور ہم اس کے بارے میں حوادث زمانہ (موت) کا انتظار کرتے ہیں؟ کہہ دیجیے: تم انتظار کرو، یقیناً میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ کیا ان کی عقلیں انھیں یہ حکم دیتی ہیں یا پھر وہ لوگ ہی سرکش ہیں؟ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود ہی یہ (قرآن) گھڑ لیا ہے؟ بلکہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ پھر (انھیں) چاہیے کہ اس (قرآن) جیسی ایک ہی بات لے آئیں اگر وہ سچے ہیں۔“[4]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجر میں اپنے محبوب کو تسلی دیتے اور آپ ﷺ کی راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا:

1 الاعراف 7/62,61 2 الاعراف 7:66 3 الاعراف 7/68,67 4 الطور 52/29-34

﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِءِينَ ۝ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ۝﴾

''پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے۔ ان عملوں کی جو وہ کرتے تھے۔ پس آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے، کھول کھول کر سنا دیں اور مشرکین سے بے رخی برتیں۔ بلاشبہ ہم ٹھٹھا کرنیوالوں کے مقابلے میں آپ کو کافی ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بناتے ہیں، تو وہ (اپنا انجام) جلد جان لیں گے۔ اور بلاشبہ یقیناً ہم جانتے ہیں کہ بیشک جو کچھ وہ کہتے ہیں، اس سے آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے۔ سو آپ اپنے رب کی حمد کیساتھ تسبیح کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ اور آپ اپنے رب کی عبادت کریں حتیٰ کہ آپ کے پاس یقین (موت) آجائے۔''[1]

غلطیوں سے پاک نبی

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو یہ ارفع شان عطا کی کہ آپ کی ہر قسم کی کوتاہی معاف کر دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝﴾

''(اے نبی!) بلاشبہ ہم نے آپ کو فتح دی، کھلی فتح۔ تاکہ اللہ آپ کے لیے آپ کی اگلی پچھلی ہر کوتاہی معاف کر دے، اور آپ پر اپنی نعمت پوری کرے، اور آپ کو صراط مستقیم کی ہدایت دے۔ اور (تاکہ) اللہ آپ کی بڑی زبردست مدد کرے۔''[2]

آپ کی اس فضیلت کا اظہار قیامت کے روز بھی ہوگا جب لوگ سفارش کے لیے تمام اولوالعزم رسولوں کے پاس جائیں گے اور وہ اپنی لغزشوں کو یاد کرکے سفارش کرنے سے معذرت کر دیں گے۔ ہر نبی نفسی نفسی نفسی پکار رہا ہوگا، یعنی آج تو مجھے اپنی جان کی فکر ہے۔ میں اپنی جان بچانے کے لیے فکرمند ہوں۔ اس دن لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جائیں گے تو آپ ﷺ فرمائیں گے: أنا لها ''میں ہی یہ سفارش کرنے کا حق

1 الحجر 15:92-99۔ 2 الفتح 48:1-3۔

رکھتا ہوں۔"[1] یہ روایت تفصیل سے خصوصیت نمبر 5 کے ضمن میں بیان ہو چکی ہے۔

امامِ انبیاء ﷺ

اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت و جلالت اور سب سے عالی رتبے کے اظہار و اعلان کے لیے آپ ﷺ کو سفرِ معراج کرایا اور بیت المقدس میں انبیاء اور رسولوں کی ایک جماعت کو جمع کیا اور آپ نے ان کی امامت کرائی۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے سفرِ اسراء و معراج کی تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

"پھر نماز کا وقت ہوا تو میں نے ان کی یعنی انبیاء و رسل کی جماعت کی امامت کرائی۔"[2]

پتھر کا سلامِ عقیدت

ذرے ذرے پر اللہ تعالیٰ ہی کا قبضہ ہے۔ وہ قادرِ مطلق چاہے تو اپنی قدرتِ کاملہ سے مادی چیزوں میں بھی احساسات پیدا فرما سکتا ہے۔ اللہ کے امر سے بے جان پتھر اور پہاڑ بھی محبت و عقیدت کا احساس اور اظہار کر سکتے

1 تفصیل کے لیے دیکھیے صحیح البخاری، 4712، صحیح مسلم، 194، [illegible] ص 60، [illegible] ص 35، 36 2 صحیح مسلم، 172، [illegible] ص 181



مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کا فضائی منظر

ہیں۔ جنوں اور انسانوں کو نبی مکرم ﷺ سے بے حد محبت تھی اور آپ ﷺ سے محبت و عقیدت کے جذبات میں شجر و حجر بھی ان سے پیچھے نہ تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ سفر تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے، آپ کو مدینہ منورہ کے در و دیوار نظر آئے تو آپ نے فرمایا:

«هذه طابة، وهذا أحد جبل يحبنا ونحبه»

''یہ طابہ (پاکیزہ شہر) ہے اور یہ احد پہاڑ ہے، یہ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔''[1]

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إني لأعرف حجرا بمكة كان يسلم علي قبل أن أبعث، إني لأعرفه الآن»

''میں مکہ کے ایک پتھر کو جانتا ہوں، وہ بعثت سے پہلے مجھے سلام کرتا تھا۔ میں اسے آج بھی جانتا ہوں۔''[2]

یہ حدیث بعثت سے پہلے آپ ﷺ کی فضیلت اور بلند شان کی دلیل ہے۔ علامہ عز بن عبدالسلام فرماتے ہیں: یہ فضیلت کسی دوسرے نبی کو حاصل نہیں۔[3]

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾

اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے نام اور پیغام کو بڑی عظمت اور پائندگی بخشی ہے۔ آج دنیا کے کونے کونے میں آپ کا اسم گرامی گونج رہا ہے اور آپ کا پیغام گھر گھر پہنچ رہا ہے۔ اہل کفر اپنے تمام وسائل بروئے کار لا کر تھک گئے لیکن وہ آپ ﷺ کے نام اور پیغام کی درخشندگی کو ایک لمحے کے لیے بھی ماند نہیں کر سکے، نہ آئندہ کر سکیں گے۔ آپ ﷺ کا مبارک نام اور آپ کا ایمان پرور پیغام پوری دنیا میں غالب آ کر رہے گا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ

1 صحيح البخاري: 4422. 2 صحيح مسلم: 2277. 3 خصائص المصطفى، ص: 50، بداية السول، ص: 39، 40.



کوہ اُحد اور میدان اُحد کا ایک منظر





جزائر بیاک (پاپوا نیو گنی)

اذان مکمل دعوت الی اللہ ہے، یہ پستی سے بلندی کی طرف، اندھیرے سے روشنی کی طرف، گمراہی سے صراط مستقیم کی طرف اور باطل سے حق کی طرف بلاتی ہے۔ اس اذان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول سیدنا محمد ﷺ کا ذکر جمیل اتنا پائیدار کر دیا ہے کہ یہ زمان و مکان کی تمام حدیں پار کر کے ساری دنیا میں ہر آن گونجتا رہتا ہے۔ ذرا اذان کا ایمان افروز منظرنامہ دنیا کے نقشے پر نظر دوڑا کر دیکھیے، آپ کو مشرق وسطیٰ میں انڈونیشیا نظر آئے گا۔ انڈونیشیا بے شمار چھوٹے بڑے جزائر پر مشتمل ہے۔ جاوا، سماٹرا، بورنیو (کالیمانتان)، سلاویسی اور ایریان جیا (مغربی نیوگنی) مشہور جزائر ہیں۔ یہ آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔ مشرق میں جونہی ایریان جایا میں فجر ہوتی ہے، وہاں مؤذن اذان دینے لگتے ہیں.....

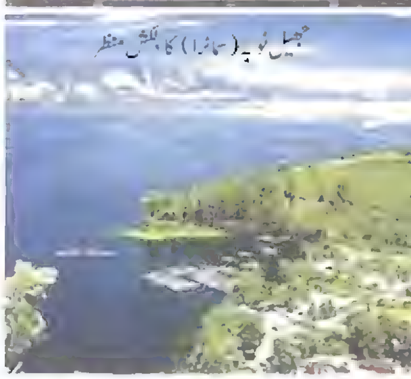


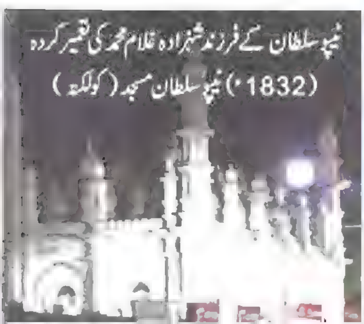
جاکرتا (انڈونیشیا) کی مسجد



توحید و رسالت کا یہ مقدس نغمہ اہل ایمان کے کانوں میں رس گھولتا ہوا تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں انڈونیشیا کے مغربی جزائر میں پہنچتا ہے۔ ایریان جایا میں اذان مکمل ہوتی ہے تو معاً بعد سلاویسی، جاوا اور سماٹرا کے جزائر میں اذان ہونے لگتی ہے۔ اذان کا یہ ایمان افروز اعلان جاری رہتا ہے۔ جیسے ہی انڈونیشیا میں اذان فجر مکمل ہونے لگتی ہے، ساتھ ہی ملائیشیا میں اذان شروع ہو جاتی ہے۔ اگلی منزل برما (میانمار) ہے۔ جکارتہ اور ملائیشیا کے مؤذن ایک گھنٹے کے دوران اذان سے فارغ ہوتے ہیں تو بنگلہ دیش کے دارالحکومت ڈھاکہ کے مؤذن یہی لازوال اعلان شروع کر دیتے ہیں۔ ڈھاکہ کی فضا میں ابھی یہ مقدس گونج موجود ہوتی ہے کہ بھارت کے شہر کولکتہ میں اذان شروع ہو

جھیل توبہ (سماٹرا) کا دلکش منظر



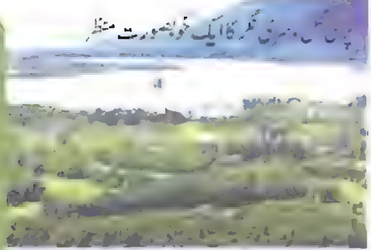


ٹیپو سلطان کے فرزند شہزادہ غلام محمد کی تعمیر کردہ (1832ء) ٹیپو سلطان مسجد (کولکتہ)

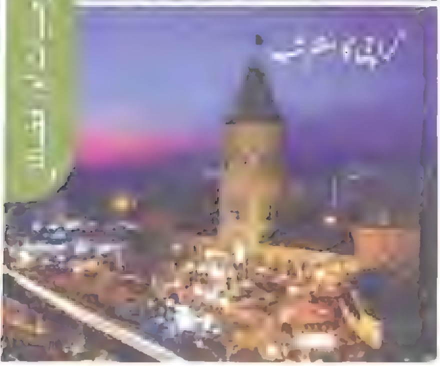


(انڈونیشیا) کا تعمیراتی شاہکار





سری نگر کا ایک خوبصورت منظر



کراچی کا منظر شب



ناٹ ے. افغانستان کے پہاڑی کھیت



جاتی ہے، پھر دہلی، بھوپال اور کلکتہ سے ہوتا ہوا یہ سلسلۂ اذان سری نگر تک پہنچتا ہے اور سارے بھارت میں پھیل جاتا ہے۔

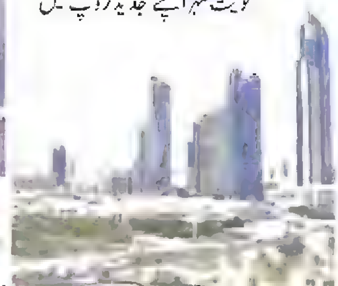
سری نگر اور سیالکوٹ میں ایک ہی وقت پر اذان ہوتی ہے، سیالکوٹ سے کراچی تک یہ سلسلۂ اذان 45 منٹ میں مکمل ہوتا ہے۔ سارے پاکستان کی ہواؤں اور فضاؤں میں 45 منٹ تک اذانیں ہوتی رہتی ہیں۔ پاکستان میں اذان فجر ختم ہونے سے پہلے ہی افغانستان، ایران اور مسقط (عُمان) کے مؤذن جاگ جاتے ہیں اور اذان کی صدا بلند کرنے لگتے ہیں۔ مسقط سے بغداد تک ندائے اذان پہنچنے میں ایک گھنٹہ لگتا ہے۔ جبکہ اس وقت الریاض اور پھر حرمین شریفین میں مؤذنوں کی ملکوتی آواز میں اذان سنائی دینے لگتی ہے۔ دریں اثنا قطر، کویت، عرب امارات اور یمن میں بھی اذانیں ہوتی ہیں۔ بغداد سے مصر کے شہر اسکندریہ تک کا صوتی سفر بھی ایک گھنٹے میں طے ہوتا ہے۔ اس دوران اذان گونجتی رہتی ہے اور شام، مصر، صومالیہ اور سوڈان کے مؤذن اپنا فریضہ ادا کرنے کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسکندریہ اور استنبول طول بلد کی ایک ہی پوزیشن میں ہیں۔ ترکی کے مشرقی اور مغربی شہروں میں ڈیڑھ گھنٹے کا فرق ہے۔ اس دوران میں ترکی کے سارے شہر یہ پیغام ربانی سنتے ہیں اور نماز فجر کی تیاری کرتے ہیں۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد اذان فجر لیبیا کے دارالحکومت طرابلس اور تیونس و الجزائر سے ہوتی ہوئی مغرب اقصیٰ (مراکش) تک گونجتی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح پورے افریقہ میں اذانوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یوں انڈونیشیا سے شروع ہونے والی اذانوں کا سلسلہ تقریباً ساڑھے نو گھنٹوں میں بحر اوقیانوس کے ساحلوں تک



مسجد بغداد (عراق)



ریاض (سعودی عرب) کا جدید منظر



کویت شہر اپنے جدید روپ میں



چین
چین
چین
بھارت
خلیج بنگال
بحرالکاہل
بحر ہند
ملائیشیا
انڈونیشیا
سنگاپور
تائیوان
ہانگ کانگ
تھائی لینڈ
بحیرۂ جنوبی چین
آسٹریلیا


بحراوقیانوس شمالی
بحیرہ روم
بحراوقیانوس جنوبی
دنیائے اسلام





پہنچتا ہے۔ جب ساحلی افریقہ میں یہ اذان ختم ہوتی ہے تو انڈونیشیا کے مؤذن نماز عصر کے لیے اذان دے رہے ہوتے ہیں۔ [illegible] میں ظہر کی اذان ہوتی ہے اس وقت انڈونیشیا میں نماز عصر کے لیے اذان شروع ہو جاتی ہے۔ [illegible] مغرب ہوتی ہے تو [illegible] میں نماز عشاء کے لیے اذان [illegible] [illegible] کا عجیب اتفاق [illegible] ہے۔ جب افریقی ممالک میں عشاء کی اذان ہوتی ہے اس وقت انڈونیشیا کے مؤذن اذان فجر دے رہے ہوتے ہیں۔

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ [illegible] نہیں گزرتا جب [illegible] کے ساتھ [illegible] کی اذان [illegible] یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ یوں [illegible] رفعت و عظمت کا اعلان بھی ہوتا رہے گا۔ [illegible] کی [illegible] عملی تفسیر ہو۔

آپ ﷺ کے عظیم الشان [illegible] مدارج و مراتب، اخلاق و کردار اور بے مثال دینی تعلیمات [illegible] [illegible] کتاب [illegible] [illegible] ہو جاتا ہے۔

ث۔ الخطیب الناجح

[illegible] کی یہ خصوصیت بیان [illegible] ہے۔ [illegible] سے [illegible] اس [illegible] ہو [illegible]

[illegible]

[illegible]

مزید فرماتے ہیں: حوض کوثر کے وجود کی تصدیق صحیحین کی حدیث نبوی سے ہوتی ہے۔ لہٰذا حوض کوثر کے وجود اور عطیہ پر یقین رکھتے ہوئے تفسیر صحیح ہے کہ آیت زیب عنوان میں رب العالمین کی طرف سے انعامات لامتناہی اور عطیات غیر محدود کی آگاہی فرمائی گئی ہے۔ اس خیر کثیر کے تحت بہت سی اشیا کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو کوثر عطا کیا ہے۔ کوثر سے کیا مراد ہے؟ علمائے کرام کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں:

1 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کوثر جنت کی ایک نہر ہے۔ کوثر مبالغے کا لفظ ہے۔ اس نہر کو کوثر اس لیے کہا گیا کہ یہ پانی سے لبریز ہے، اس پر رکھے گئے پینے کے برتن لاتعداد ہیں، اس کی قدر و منزلت عظیم ترین اور خیر و برکت بے حساب ہے۔ اس کی دلیل سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے: جب نبی کریم ﷺ نے معراج کے موقع پر آسمانوں کی سیر کی تو آپ ﷺ ایک نہر پر آئے جس کے دونوں کناروں پر خولدار موتیوں کے ڈیرے لگے ہوئے تھے۔ آپ نے پوچھا: ''جبریل! یہ نہر کیسی ہے؟'' انھوں نے بتایا کہ یہ کوثر ہے۔[2]

2 سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ الکوثر سے مراد خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔ جناب ابوبشر کہتے ہیں: میں نے سعید بن جبیر سے عرض کی: کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے۔ انھوں نے فرمایا: ''نہر اس خیر کثیر کا حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔''[3]

3 کوثر سے مراد اسلام ہے، وہ اسلام جس کے سوا اور کوئی دین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول و منظور ہی نہیں۔ وہی اسلام جس کا انبیائے عظام نے ہمیشہ اعلان کیا۔

4 کوثر سے مراد کثرت امت ہے۔

5 کوثر سے مراد قرآن مجید ہے۔

6 کوثر سے مراد وہ فضائل کثیرہ، محامد حمیدہ اور نعوت متکثرہ (کثیر نعتیں) ہیں جو وجود مصطفوی ﷺ میں شامل ہیں۔

7 کوثر سے مراد سید کثیر الخیر (بے پایاں نیکیاں کرنے والے) ہیں۔

یقیناً آپ کثیر الخیر اور سید ہیں۔ آپ ہی وہ مشعل ہدایت ہیں کہ ظلمات کفر و شرک کو دور فرمایا۔ آپ ہی وہ سراج منیر ہیں کہ چشم کور سواد کو بینائے حقائق بنایا۔ آپ ہی وہ عبد کامل ہیں کہ انسانیت کو تخت سیادت پر بٹھایا۔[4]

1 رحمۃ للعالمین: 2/621. 2 صحیح البخاری: 4964. 3 صحیح البخاری: 6578. 4 خصائص المصطفیٰ، ص 67-68، رحمۃ للعالمین: 2/621-624، فتح [illegible]، ص 276

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو پاکدامن، اعلیٰ اخلاق وکردار کی مالک بیویاں عطا فرمائیں۔ انھیں ازواج مطہرات کہا جاتا ہے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خانگی زندگی کی تمام معلومات امت تک نہایت ایمانداری سے پہنچائی ہیں۔ آپ کی گھریلو زندگی کی تفصیلات اور آپ کے باطنی کمالات کو امت تک منتقل کیا ہے۔ آپ کی خدمت واطاعت کا شرف حاصل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں بلند مقام، احترام اور اکرام سے نوازا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَن يَقْنُتْ مِنكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا﴾

''اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک عمل کرے گی تو ہم اسے اس کا اجر دوگنا دیں گے، اور اس کے لیے ہم نے باعزت رزق تیار کر رکھا ہے۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی ازواج کے ادب واحترام اور ان کے اکرام کے لیے انھیں مومنوں کی مائیں قرار دیا۔ فرمایا:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾

''نبی مومنوں پر ان کی (اپنی) جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں، اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔'' [2]

مومنوں کو اپنی ماؤں کا احترام سکھانے کے بعد ایک اور ادب سکھایا کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج سے تمھارا نکاح کرنا منع ہے تاکہ آپ کے ادب واحترام میں کوئی کمی واقع نہ ہو۔ اگر ان سے کوئی ضروری بات کرنی ہو تو پردے میں رہ کر کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمًا﴾

''اور جب تم ان (ازواج نبی) سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ بات تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے، اور تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف دو، اور نہ یہ (جائز ہے) کہ تم اس کے بعد کبھی اس کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک تمھارا یہ فعل اللہ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ) ہوگا۔'' [3]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی ازواج کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنت میں اعلیٰ ترین

1 الاحزاب 31:33۔ 2 الاحزاب 6:33۔ 3 الاحزاب 53:33۔ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا مفصل تذکرہ پڑھنے کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 10/414-518۔

مقام ''الوسیلہ'' میں جمع فرمائے گا۔ یہ مقام ساری مخلوق کے مقام سے بلند تر ہوگا۔[1]

افضل امت

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو بہترین امت سے نوازا۔ امت محمدیہ کی فضیلت و شان کا اظہار قیامت کے روز اس وقت بھی ہوگا جب وہ دیگر امتوں کے بارے میں گواہی دے گی اور دربار الٰہی میں عادل گواہ کی صورت میں پیش ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾

''اور (جیسے تمھیں ہدایت دی) اسی طرح ہم نے تمھیں افضل امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔''[2]

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''يُجَاءُ بِنُوحٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهُ: هَلْ بَلَّغْتَ؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ يَا رَبِّ، فَتُسْأَلُ أُمَّتُهُ: هَلْ بَلَّغَكُمْ؟ فَيَقُولُونَ: مَا جَاءَنَا مِنْ نَذِيرٍ، فَيَقُولُ: مَنْ شُهُودُكَ؟ فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهُ، فَيُجَاءُ بِكُمْ فَتَشْهَدُونَ، ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾ قَالَ: عَدْلًا ﴿لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾''

''قیامت کے دن نوح ؑ کو لایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا: کیا تم نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا؟ وہ کہیں گے: ہاں، اے میرے رب! پھر ان کی امت سے سوال کیا جائے گا: کیا انھوں نے تمھیں اللہ کا پیغام پہنچایا تھا؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: (اے نوح!) تمھارے گواہ کون ہیں؟ وہ کہیں گے: محمد ﷺ اور ان کی امت میرے گواہ ہیں، پھر تمھیں لایا جائے گا اور تم (ان کے حق میں) گواہی دو گے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''اسی طرح ہم نے تمھیں افضل امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر حق کی گواہی دو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔'' وسطاً سے مراد عدل ہے۔''[3]

علامہ عز بن عبدالسلام ؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو عادل حکمرانوں کے قائم مقام بنایا ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا تو دیگر انبیائے کرام کی امتیں اپنے اپنے نبیوں کی تبلیغ

1 تفسیر ابن کثیر، الاحزاب 33: 31، ... ص: 77,76، ... 234,233۔ 2 البقرۃ 2: 143

3 صحیح البخاری: 7349

کا انکار کریں گی۔ وہ کہتیں گی کہ انھیں ڈرانے کے لیے کوئی نبی نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو گواہی کے لیے بلائے گا۔ وہ گواہی دے گی کہ ان کے انبیاء نے انھیں دین کی دعوت دی تھی۔

آپ ﷺ کی یہ خصوصیت کسی اور نبی کو حاصل نہیں کہ اس کی امت کو بطور گواہ بلایا جائے گا۔[1]

امت محمدیہ کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اس کی صفوں کی ترتیب و کیفیت فرشتوں کی صفوں جیسی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

[illegible]

''ہمیں لوگوں پر تین طرح سے فضیلت دی گئی ہے: ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں جیسی بنائی گئی ہیں.....''[2]

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو بہترین امت قرار دیا ہے کیونکہ اس امت کے لوگ معاشرے سے برائی کو مٹاتے، نیکی کو فروغ دیتے اور اللہ تعالیٰ پر محکم ایمان لاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''[3]

انھی خوبیوں کی بنا پر یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ترین امت ہوگی۔ ارشاد نبوی ہے:

[illegible]

''بلاشبہ تم ستر امتوں کی تعداد کو پورا کرو گے۔ ان میں سے تم سب سے افضل اور اللہ کے ہاں معزز ہو۔''[4]

نبی ﷺ سب سے پہلے پل صراط پار کریں گے

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو مختلف اعزازات سے نوازے گا۔ دنیا میں سب سے آخر میں آنے والے نبی اپنی امت سمیت اس روز سب سے آگے ہوں گے۔ پل صراط کو عبور کر کے جنت میں سب سے پہلے آپ اور آپ کی امت داخل ہوگی۔ ارشاد نبوی ہے:

[illegible]

---

1 [illegible]، ص: 169، [illegible]، ص: 64. 2 صحیح مسلم، 522، [illegible]، ص: 263.
3 آل عمران 110:3. 4 جامع الترمذی، 3001، [illegible]، ص: 44,43.

[illegible]

''قیامت کے دن جب لوگ اٹھائے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جو (دنیا میں) جس کی پوجا کرتا تھا، وہ اس کے پیچھے جائے۔ چنانچہ کوئی تو سورج کے ساتھ ہو جائے گا اور کوئی چاند کے پیچھے ہو لے گا اور کوئی بتوں اور شیاطین کے پیچھے چلے گا۔ پھر اس امت کے مسلمان باقی رہ جائیں گے جن میں منافق بھی ہوں گے۔ ان کے پاس اللہ تعالیٰ (ایک نئی صورت میں) تشریف لائے گا اور فرمائے گا: میں تمھارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے: ہم (تجھے نہیں پہچانتے، ہم) اسی جگہ کھڑے رہیں گے۔ جب ہمارا رب ہمارے پاس آئے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس (اپنی اصلی شکل و صورت میں) جلوہ گر ہوگا اور فرمائے گا کہ میں تمھارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے: ہاں، تو ہمارا رب ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انھیں بلائے گا۔ اس وقت جہنم کی پشت پر پل رکھ دیا جائے گا۔ سب سے پہلے میں اپنی امت کے ساتھ اس پل سے گزروں گا۔ اس روز رسولوں کے علاوہ کسی اور کو کلام کی ہمت اور طاقت نہ ہوگی۔ اس روز رسول کہیں گے: الٰہی! سلامتی دے۔ الٰہی! سلامتی دے۔''[1]

اللہ کی طرف سے رسول کی حفاظت کا اعلان

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دعوت توحید دینے اور اسلام کا پرچم لہرانے کا حکم دیا تو چاروں طرف سے آپ کے مخالفین آپ کے جانی دشمن بن گئے۔ ہر بے بصر اپنے آباء و اجداد کے رسوم و رواج کو بچانے کے لیے آپ ﷺ کے درپے ہو گیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی حفاظت اور مدد و نصرت کا ذمہ لیا اور آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

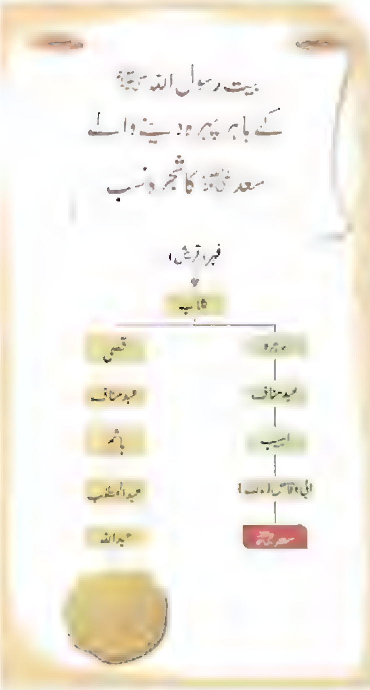
''اے رسول! آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے، وہ لوگوں تک پہنچا دیجیے۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔ اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا، بلاشبہ اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔''[2]

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ آپ علانیہ دین حنیف کی دعوت دیں، اللہ آپ کی

[1] صحیح البخاری: 806، مختصر ... مصطفیٰ، ص: 65,64 [2] المآئدۃ 67:5

حفاظت فرمائے گا۔[1]

حافظ ابن کثیر ﷫ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ’’(اے نبی!) آپ میری رسالت کا پیغام پہنچائیں، میں آپ کا محافظ، مددگار اور حمایتی ہوں گا۔ میں آپ کو دشمنوں پر غلبہ عطا کروں گا۔ آپ ہرگز نہ ڈریں، نہ غم کھائیں، آپ کے دشمنوں میں سے کوئی شخص آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔‘‘[2]



مذکورہ آیت کی شان نزول کے حوالے سے سیدہ عائشہ ﷞ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات بیداری میں گزاری۔ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لَيْتَ رَجُلًا صَالِحًا مِنْ أَصْحَابِي يَحْرُسُنِي اللَّيْلَةَ

’’کاش! میرے اصحاب میں سے کوئی نیک مرد ایسا ہو جو آج رات میرا پہرہ دے۔‘‘

ابھی یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ ہم نے ہتھیاروں کی جھنکار سنی۔ آپ نے پوچھا: مَنْ هٰذَا؟ ’’یہ کون صاحب ہیں؟‘‘ (آنے والے نے) عرض کی: میں سعد بن ابی وقاص ہوں۔ آپ کے لیے پہرہ دینے حاضر ہوا ہوں۔ پھر آپ سو گئے۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سو گئے یہاں تک کہ ہم نے آپ کے خراٹے لینے کی آواز سنی۔[3]

سیدہ عائشہ صدیقہ ﷞ فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ کی حفاظت کا اہتمام کیا جاتا تھا حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ﴾

’’اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔‘‘[4]

چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے خیمے سے چہرہ مبارک نکالا اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ انْصَرِفُوا فَقَدْ عَصَمَنِي اللّٰهُ

’’اے لوگو! تم چلے جاؤ۔ میری حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے لیا ہے۔‘‘[5]

1 الجامع لأحكام القرآن: 157/16. 2 تفسير ابن كثير، المائدة 67:5. 3 صحيح البخاري: 2885 و7231. 4 المائدة 67:5. 5 جامع الترمذي: 3046.

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی حفاظت کئی طریقوں سے کی۔ مکہ کے شدید ترین دشمنوں کو آپ کے چچا ابوطالب کے ذریعے سے روکے رکھا۔ ابوطالب آپ کے چچا تھے۔ فطری محبت کے باعث وہ آپ کا دفاع کرتے رہے۔ قریش مکہ چونکہ ان کے ہم مذہب تھے، اس لیے ان کا بے حد ادب و احترام کرتے تھے۔ ابوطالب کی زندگی میں آپ ﷺ دشمنوں کے شر سے محفوظ رہے۔ جب ابوطالب فوت ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انصار مدینہ کو اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ انھوں نے آپ ﷺ کو مدینہ منورہ بلا کر آپ کی ہر طرح سے حفاظت کی، کسی شریر کو آپ کے پاس پھٹکنے نہیں دیا۔

یہودیوں نے آپ پر جادو کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے علاج کے لیے معوذتین نازل فرما دیں۔ خیبر کے یہودیوں نے گوشت میں زہر ملا کر آپ کی شمع زندگی بجھانے کی مذموم کوشش کی تو گوشت خود بول اٹھا کہ مجھے زہر آلود کر دیا گیا ہے، لہٰذا آپ مت کھائیے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے خود آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی۔[1]

مدینۃ الرسول کی حفاظت

قیامت کے قریب فتنۂ دجال پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کے دونوں شہروں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو دجال کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ مدینہ منورہ میں دجال کے خوف کی بھی رسائی نہیں ہوگی۔ مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کے فرشتے مقرر ہوں گے۔ شیطان جس دروازے سے داخل ہونے کی کوشش کرے گا، فرشتے اسے مار بھگائیں گے۔ ارشاد نبوی ہے:

[illegible]

1 تفسیر ابن کثیر، المائدۃ 5/67

مدینہ منورہ سے مسجد نبوی



نقابها نقب إلا عليه الملائكة صافين يحرسونها، ثم ترجف المدينة بأهلها ثلاث رجفات، فيخرج الله

كل كافر ومنافق

''ہر شہر میں دجال کا گزر ہوگا مگر وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں نہیں آسکے گا کیونکہ ان کے تمام راستوں پر قطار اندر قطار فرشتے پہرا دیں گے۔ پھر مدینہ طیبہ اپنے مکینوں کو تین بار بڑے زور سے ہلائے گا اور اللہ تعالیٰ ہر کافر اور منافق کو مدینہ منورہ سے نکال دے گا۔''[1]

مدینہ منورہ کو اللہ تعالیٰ نے فتنۂ دجال کے ساتھ ساتھ طاعون جیسے موذی و مہلک مرض سے بھی محفوظ فرمایا ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

على أنقاب المدينة ملائكة، لا يدخلها الطاعون ولا الدجال

''مدینہ طیبہ کے دروازوں پر فرشتے پہرہ دیں گے۔ یہاں نہ تو مرض طاعون داخل ہوگا، نہ دجال آنے پائے گا۔''[2]

مسجد نبوی کی شان

نبی رحمت ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو آپ نے بنو نجار کی ایک جگہ مسجد بنانے کے لیے پسند فرمائی۔ بنو نجار آپ کے دادا عبدالمطلب کے ننھیال تھے۔ وہ آپ کے استقبال کے لیے حاضر ہوئے۔ اس موقع پر وہ پوری طرح ہتھیاروں سے لیس تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا استقبال کرنے کے بعد آپ کو چاروں طرف سے اپنے حصار میں لے لیا۔ بعدازاں وہ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے بنو نجار سے فرمایا:

يا بني النجار، ثامنوني بحائطكم هذا

''اے بنو نجار! تم مجھ سے اپنے اس باغ کی قیمت لے لو۔''

انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم اس کی قیمت صرف اللہ تعالیٰ سے لینا چاہتے ہیں۔[3]

مگر رسول اللہ ﷺ نے اسے بغیر قیمت قبول نہیں فرمایا۔ آپ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس کی قیمت ادا کر دو۔ انھوں نے دس دینار اپنی جیب سے ادا کر دیے۔[4] آپ ﷺ کے حکم پر صحابۂ کرام نے اس جگہ کی صفائی کی۔ اس جگہ مشرکوں کی پرانی قبریں تھیں۔ انھیں اکھاڑ کر زمین ہموار کر دی گئی۔ کھجور کے پرانے درخت کاٹ کر مسجد کے قبلہ رخ جوڑ دیے گئے۔ پھر آپ ﷺ نے بنفس نفیس اپنے صحابۂ کرام کے ساتھ مل کر تعمیراتی کام شروع

1 صحيح البخاري: 1881. 2 صحيح البخاري: 1880، خصائص المدينة، ص: 47. 3 صحيح البخاري: 428، صحيح مسلم: 524. 4 الطبقات لابن سعد: 239/1.

گیا۔ پتھروں اور گارے سے مسجد تعمیر کر دی۔ مسجد کی چھت کھجور کے پتوں کی تھی۔ یہ مدینہ منورہ کی اولین مسجد ہے۔ مٹی گارے، پتھروں اور کھجور کے تنوں سے تعمیر ہونے والی اس مسجد کو اللہ تعالیٰ نے وہ شان اور شرف عطا کیا کہ دور و نزدیک سے بے شمار فرزندانِ اسلام روزانہ گہری محبت و عقیدت سے یہاں آتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور ربِ ذوالجلال کی بے پایاں رحمتوں اور بخششوں سے مالا مال ہو کر واپس جاتے ہیں۔ اس مسجد میں ایک نماز پڑھنے کی اس قدر فضیلت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا مسجد حرام کے سوا دیگر مساجد میں ایک ہزار نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔''[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک خاتون بیمار ہوگئی۔ اس نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دی تو وہ بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے صحت یاب کیا تو وہ سفر کی تیاری کر کے ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے ملنے آئی۔ اس نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو اپنی نذر اور سفر کے بارے میں بتایا تو سیدہ نے اس سے کہا: اپنے گھر ہی میں ٹھہرو، زادِ راہ اپنے استعمال میں لے آؤ اور (اپنی نذر پوری کرنے کے لیے) رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز ادا کرلو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

[illegible]

''مسجد نبوی میں ایک نماز مسجد حرام کے سوا تمام مسجدوں میں نماز سے ایک ہزار درجے زیادہ افضل ہے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ کے مبارک دور میں سادگی سے بننے والی مختصر سی مسجد آج دنیا کی انتہائی خوبصورت، شاندار اور وسیع ترین مساجد میں سے ایک ہے۔ پوری دنیا سے محبانِ اسلام اس کی زیارت کے لیے کھنچے چلے آتے ہیں کیونکہ دعائیں قبول ہونے کی بہترین جگہ بھی اسی مسجد میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اہلِ جنت کی ہر خواہش اور تمنا پوری فرمائے گا۔ مسجد نبوی کے منبرِ رسول سے آپ کے حجرہ مبارک تک کی درمیانی جگہ جنت ہی کا باغیچہ ہے۔ اس مقدس جگہ مانگی جانے والی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

[illegible]

''میرے گھر اور منبر کا درمیانی مقام جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور (قیامت کے دن) میرا منبر میرے حوض پر ہوگا۔''[3]

1 صحیح البخاری 1190 2 صحیح مسلم 1396 3 صحیح البخاری 1196

جب رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں جنت کی بہاریں میسر ہوں تو اہل ایمان کیوں نہ جوق در جوق مسجد نبوی کا رخ کریں اور جنت کے باغیچے میں بیٹھ کر منہ مانگی مرادیں پائیں۔ یقیناً بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھیں یہ موقع اور جنتی باغ کی زیارت کا شرف نصیب ہو جائے اور وہ اپنے خالق و مالک سے بے پایاں نعمتیں اور رحمتیں حاصل کر لیں۔[1]

مسلمان ساتھی

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ انھیں اعزاز و اکرام سے نوازا۔ شیطان حسد کے مارے جل بھن گیا۔ آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کا دشمن بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے دربار سے نکال دیا اور اپنی رحمت سے محروم کر دیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے تاقیامت مہلت مانگی اور اولاد آدم کو بہکانے، بھٹکانے اور گمراہ کرنے کا اعلان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ مہلت دے دی۔ اولاد آدم کے امتحان کے لیے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان لگا ہوا ہے، جو اس کے شر اور فتنوں سے بچ گیا اور امتحان میں کامیاب ہو گیا، اسے انعام میں جنت ملے گی۔ اور جو شخص اس کے بہکاوے میں آ کر اس کا ہمنوا بن گیا، وہ ناکام و نامراد ہو گیا۔ یہ امتحان ہر شخص کا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

[illegible]

''تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اس کا ساتھی جن (شیطان) مقرر کیا گیا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز و اکرام عطا کیا کہ آپ کا یہ ساتھی جن مسلمان ہو گیا۔ لہٰذا وہ آپ کو خیر و بھلائی ہی کی طرف لے جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دو ساتھی مقرر کیے تھے۔ ایک جن اور دوسرا فرشتہ۔ دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کے معاون اور مددگار بن گئے۔[2]

سیدہ عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ میرے حجرے سے باہر تشریف لے گئے۔ مجھے اس بات پر غصہ آ گیا۔ جب آپ واپس آئے تو میرے چہرے سے (میرا غصہ) بھانپ گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''تمھیں کیا ہوا؟ اے عائشہ! کیا تمھیں غصہ آ گیا ہے؟'' میں نے عرض کی: میرے جیسی عورت آپ جیسے (عظیم شوہر کی جدائی) پر غصہ نہ کرے تو کیا کرے؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''کیا تمھارے پاس تمھارا شیطان آ گیا تھا (جس نے تمھیں بہکایا ہے)؟''

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میرے ساتھ بھی شیطان مقرر ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں۔''

1 البخاري، صحيح البخاري: 428، خصائص المصطفى، ص: 58. مسجد نبوی کی تعمیرات جاننے کے لیے ملاحظہ کریں: سیرت انسائیکلوپیڈیا 4/344-422. 2 صحيح مسلم: 2814.

میں نے پھر پوچھا: کیا ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان مقرر ہے؟" آپ نے جواب دیا: "ہاں۔" میں نے پوچھا: کیا آپ کے ساتھ بھی شیطان مقرر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"ہاں، لیکن میرے رب نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی تو وہ مسلمان ہو گیا۔"[1]

صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے:

[illegible]

"اور میرے ساتھ بھی (شیطان) مقرر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف میری مدد کی تو وہ مسلمان ہو گیا۔ لہٰذا وہ مجھے صرف خیر و بھلائی ہی کا حکم دیتا ہے۔"[2]

امام نووی ؒ فرماتے ہیں: لفظ "فَأَسْلَمُ" کو دو طرح پڑھا گیا ہے۔ اگر اسے میم پر پیش پڑھیں تو اس کے معنی ہوں گے: "میں اس کے شر اور فتنے سے محفوظ ہوں۔" اور جن علماء نے فَأَسْلَمَ کی میم پر فتحہ پڑھا ہے، ان کے نزدیک معنی یہ ہوں گے: "وہ جن مسلمان ہو گیا ہے، اس لیے وہ مجھے صرف بھلائی اور نیکی کا حکم دیتا ہے۔"

علامہ خطابی فرماتے ہیں: صحیح روایت ضمہ، یعنی پیش والی ہی ہے۔ جبکہ قاضی عیاض نے فتحہ یعنی زبر والی روایت کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ روایت کے آخری الفاظ اس کی تائید کرتے ہیں کہ "وہ مجھے صرف نیکی ہی کا حکم دیتا ہے۔"

قاضی عیاض ؒ فرماتے ہیں: خوب جان لو کہ امت محمدیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کا جسم مبارک، آپ کا دل اور زبان تمام اعضاء شیطانی حملوں سے محفوظ ہیں۔

اور اس فرمان نبوی میں مومنوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ شیطانی وسوسوں اور بہکاووں سے بچ کر رہیں۔ آپ ﷺ نے ہمیں متنبہ کیا ہے کہ ہم حسب استطاعت شیطان سے بچیں۔[3]

زیارت نبوی

رسول اللہ ﷺ کی زیارت عظیم ترین نعمت ہے۔ صحابہ کرام دن رات اس نعمت عظمیٰ سے مستفید ہوتے تھے۔ وہ اپنا ایمان تازہ کرنے اور اپنے جذبۂ عقیدت و محبت کو جلا بخشنے کے لیے فوراً آپ کی خدمت میں پہنچ جاتے تھے۔ اگر تھوڑی دیر بھی آپ ﷺ سے جدائی ہوتی تو اداس ہو جاتے تھے اور فوراً آپ کی تلاش میں نکل پڑتے تھے۔ جونہی آپ کا درخشاں چہرۂ مبارک نظر آتا، ان کے دلوں کو سکون مل جاتا تھا۔ اس زیارت کی زبردست قدر و قیمت خود

[1] ... 2815 [2] ... 2814 [3] ... 19/9

کے حصول کے لیے آپ کی زیارت کا دعویٰ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ایسے شخص کو آپ نے جہنمی قرار دیا ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں بیان ہوا ہے۔[1]

مبارک پسینہ

گرم موسم میں انسانی جسم کے ہزاروں مسام کھل جاتے ہیں۔ ان سے پسینہ اور فاسد مادے خارج ہوتے ہیں۔ پسینے کی بو ناگوار ہوتی ہے۔ لیکن جزیرۂ عرب کے شدید گرم موسم میں رحمت عالم ﷺ کے جسد اطہر سے جو پسینہ نکلتا تھا، وہ نہایت بابرکت اور خوشبودار ہوتا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کے لیے خاص انعام تھا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے۔ آپ نے دوپہر کو آرام (قیلولہ) کیا۔ اس دوران میں آپ کے جسم مبارک سے پسینہ نکلنے لگا۔ میری والدہ ایک شیشی لے آئیں۔ وہ آپ ﷺ کے پسینے کے قطرے شیشی میں سمیٹنے لگیں۔ نبی کریم ﷺ جاگ گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

"يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَا هَذَا الَّذِي تَصْنَعِينَ؟"

"اے ام سلیم! یہ کیا کر رہی ہو؟"

ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یہ آپ کا (مبارک) پسینہ ہے۔ ہم اسے اپنی خوشبو میں ملا لیتے ہیں تو وہ ہماری سب خوشبوؤں سے بڑھ کر اعلیٰ خوشبو بن جاتی ہے۔

صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ہم برکت کے لیے آپ کا (مبارک) پسینہ اپنے بچوں کو دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "أَصَبْتِ" "تم نے ٹھیک کیا ہے۔"[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک اور مہک آفرین پسینے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سرخ و سپید تھے۔ آپ کا پسینہ موتیوں کی طرح شفاف اور چمکدار تھا۔ آپ اپنی منزل مقصود کی طرف قدرے جھک کر چلتے تھے۔ میں نے ایسا کوئی ریشم و حریر نہیں چھوا جو آپ کے دست مبارک سے زیادہ نرم و ملائم ہو۔ اور نہ کوئی ایسا مشک و عنبر سونگھا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مہک سے بڑھ کر خوشبودار ہو۔[3]

شفاعت کے وسیع تر حقوق

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد ﷺ کو شفاعت کرنے کے وسیع اختیارات عطا فرمائے گا۔ اس سے

1 بیہقی: خصائص المصطفیٰ، ص: 72. 2 صحیح مسلم: 2331. 3 صحیح مسلم: 2330، خصائص المصطفیٰ، ص 75، 76

آپ کی بلند شان اور عظیم مقام و مرتبے کا اظہار ہوگا۔ آپ مختلف لوگوں کی سفارش کریں گے۔ ارشادِ نبوی ہے:

[illegible]

”میرے پاس میرے رب کا پیغام لانے والا (فرشتہ) آیا۔ (اللہ تعالیٰ نے) مجھے اختیار دیا کہ وہ میری نصف امت کو جنت میں داخل فرمائے گا یا میں شفاعت کا حق لے لوں۔ تو میں نے شفاعت کو اختیار کیا۔ میری شفاعت ہر اس شخص کو ملے گی جو اس حالت میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ مطلق شرک نہ کیا ہوگا۔“[1]

سنن ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ صحابۂ کرام نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان خوش نصیبوں میں شامل فرمائے جنھیں آپ کی شفاعت نصیب ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible]
”وہ ہر مسلمان کو ملے گی۔“[2]

مذکورہ بالا جامع ترمذی کی روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی سفارش ہر اس مسلمان کو نصیب ہوگی جو توحید پرست ہوگا اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی ہوگی۔ مشرک اس سے محروم ہو جائے گا۔

قیامت کے دن سید الانبیاء محمد ﷺ تمام انبیائے کرام کی قیادت کریں گے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

[illegible]

”قیامت کے دن میں انبیاء کا امام، ان کا خطیب اور ان کے لیے سفارش کرنے والا ہوں گا۔ میں یہ بات بغیر فخر کے کہہ رہا ہوں۔“[3]

آپ کی شفاعت کی کئی صورتیں ہوں گی۔ آئیے اس کی کچھ تفصیل پڑھتے ہیں:

1 شفاعتِ عظمیٰ: اسے شفاعتِ کبریٰ بھی کہتے ہیں۔ جب ساری امتیں میدانِ محشر میں جمع ہوں گی۔ لوگ شدید خوف و ہراس کا شکار ہوں گے۔ حساب کا سلسلہ شروع نہ ہونے کی وجہ سے ہر شخص سخت تکلیف میں ہوگا۔ سب لوگ جمع ہو کر آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ سب انسانوں کے والدِ گرامی ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری سفارش کریں تاکہ ہمارا حساب شروع ہو اور ہم اس اذیت ناک مرحلے سے نجات پائیں۔ مگر وہ معذرت کر دیں گے۔ پھر لوگ دیگر اولوالعزم رسولوں کے پاس جائیں گے مگر وہ بھی معذرت خواہ ہوں گے۔ بالآخر لوگ خاتم الرسل ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ آپ لوگوں کی التجا سن کر سفارش کے لیے چل

1 سنن ابن ماجہ، حدیث: 4317، 2 جامع الترمذی، حدیث: 2441، 3 سنن ابن ماجہ، حدیث: 4314

پڑیں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''پھر میں اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدہ ریز ہو جاؤں گا اور جب تک اللہ چاہے گا، میں سجدے میں رہوں گا۔ پھر مجھ سے کہا جائے گا: اپنا سر اٹھاؤ اور جو چاہو مانگو، تمھیں دیا جائے گا۔ جو چاہو کہو، تمھاری بات سنی جائے گی۔ سفارش کرو تمھاری سفارش قبول کی جائے گی۔ اس وقت میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور جیسے اللہ تعالیٰ نے مجھے تعلیم دی ہوگی، ویسے ہی اس کی حمد و ثنا بجا لاؤں گا۔ پھر میں سفارش کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں انھیں جنت میں داخل کرا آؤں گا۔ پھر دوبارہ اللہ کے حضور آؤں گا تو اپنے رب کو پہلے کی طرح دیکھوں گا اور سفارش کروں گا۔ اس مرتبہ پھر میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں انھیں جنت میں داخل کرا آؤں گا۔ پھر تیسری مرتبہ کے بعد جب میں چوتھی مرتبہ واپس آؤں گا تو عرض کروں گا کہ اب جہنم میں ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہا جن کا قرآن نے ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنا ضروری قرار دے دیا ہے۔''[1]

2 جنت میں داخلے کی سفارش: قیامت کے روز آپ ہی کی سفارش سے جنت کا دروازہ کھلے گا اور آپ اپنی امت کو جنت میں داخل کریں گے۔ آپ سے پہلے کسی کے لیے جنت کا دروازہ نہیں کھلے گا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أنا أول الناس يشفع في الجنة وأنا أكثر الأنبياء تبعا

''جنت (کا دروازہ کھلوانے) کے لیے سب سے پہلے میں سفارش کروں گا۔ اور میرے امتی دیگر نبیوں کی امتوں سے زیادہ ہوں گے۔''[2]

اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد ﷺ کو قیامت کے دن بڑی نرالی شان عطا فرمائے گا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''آخر کار میں خود آگے بڑھوں گا اور عرش کے نیچے پہنچ کر اپنے رب کے حضور سجدے میں گر جاؤں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنے تعریفی کلمات اور حسن ثنا کے دروازے کھول دے گا جو اس نے مجھ سے پہلے اور کسی پر ظاہر نہیں کیے تھے۔ پھر کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیں اور سوال کریں، آپ کو عطا کیا جائے گا۔ آپ سفارش کریں، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔ چنانچہ میں اپنا سر اٹھا کر عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت کو معاف کر دے۔ اے پروردگار! میری امت پر رحم کر۔ کہا جائے گا: اے محمد! اپنی امت کے

1 صحیح البخاری 4476، 2 صحیح مسلم 196

ان لوگوں کو جن پر کوئی حساب نہیں، جنت کے دائیں دروازے سے داخل کریں۔ ویسے انھیں اختیار ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ جس دروازے سے چاہیں داخل ہو سکتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جنت کے دروازے کے دونوں کناروں کا اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ اور حمیر یا مکہ اور بصریٰ میں ہے۔''[1]

جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والوں کے ساتھ ستر ہزار خوش نصیب ایسے ہوں گے جو بغیر حساب داخل ہوں گے۔ سیدنا ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

يدخل الجنة من أمتي زمرة هم سبعون ألفا تضيء وجوههم إضاءة القمر ليلة البدر

''میری امت سے ایک گروہ جنت میں داخل ہوگا جن کی تعداد ستر ہزار ہوگی، ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔''[2]

3 **کبائر کے مرتکب لوگوں کی شفاعت:** جن لوگوں نے دنیا میں رہتے ہوئے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا اور توبہ کیے بغیر مر گئے تو ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہوگا۔ وہ انھیں اپنی رحمت سے معاف فرما کر جنت میں داخل کر دے یا ان کے گناہوں کی سزا دینے کے لیے انھیں جہنم رسید کر دے۔ اس کی مرضی ہے۔ البتہ کافر اور مشرک کے لیے مغفرت نہیں ہوگی۔ گناہگار توحید پرست لوگ اپنی پوری سزا بھگت کر ایک دن جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ ایسے ہی خطا کاروں کے لیے نبیِ رحمت کی شفاعت بھی ہوگی۔ آپ کی شفاعت سے ان کی سزا ختم کر دی جائے گی اور انھیں جنت نصیب ہوگی۔ ارشادِ نبوی ہے:

فأحمد ربي بتحميد يعلمني، ثم أشفع فيحد لي حدا، ثم أخرجهم من النار وأدخلهم الجنة، ثم أعود فأقع ساجدا مثله في الثالثة أو الرابعة حتى ما بقي في النار إلا من حبسه القرآن

''میں اپنے رب کی ایسی حمد وثنا کروں گا جس کی اللہ تعالیٰ نے مجھے تعلیم دی ہوگی۔ پھر سفارش کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی، پھر میں لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دوں گا، پھر میں اللہ کے حضور جاؤں گا اور سجدے میں گر جاؤں گا، پھر تیسری یا چوتھی بار اسی طرح سجدے میں گر جاؤں گا حتی کہ جہنم میں وہی لوگ رہ جائیں گے جنھیں قرآن نے روک لیا ہوگا۔''[3]

1 صحيح البخاري: 4712. 2 صحيح البخاري: 6542. 3 صحيح البخاري: 6565.

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يخرج قوم من النار بشفاعة محمد ﷺ فيدخلون الجنة يسمون الجهنميين

''جہنم سے ایک قوم کو محمد ﷺ کی سفارش سے نکالا جائے گا اور وہ جنت میں داخل ہوں گے تو انھیں جہنمی کے نام سے پکارا جائے گا۔''[1]

رحمت عالم ﷺ کی سفارش سے خطا کار جہنم کی سختیوں اور دردناک عذاب سے نجات پائیں گے۔ آپ کی شفاعت سے گناہگار بخشے جائیں گے اور جنت کی بہاروں سے لطف اندوز ہوں گے۔ اس طرح رحمۃ للعالمین ﷺ دونوں جہانوں میں اپنی امت کے لیے سراپا رحمت ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي

''قیامت کے دن میں اپنی امت کے ان لوگوں کی سفارش کروں گا جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے ہوں گے۔''[2]

آپ ﷺ کی شفاعت سے گناہگاروں کو جہنم سے مرحلہ وار آزادی ملے گی۔ پہلے وہ آزاد ہوں گے جن کے دل میں جَو کے دانے کے برابر ایمان ہوگا۔ پھر آپ دوبارہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کریں گے۔ آپ کو دوبارہ شفاعت کی اجازت ہوگی تو آپ ان لوگوں کو نکال لائیں گے جن کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا۔ تیسری بار آپ طویل سجدہ کریں گے، اپنے رب کی تعریفات بیان کریں گے۔ آپ کو مزید گناہگاروں کو رہا کرنے کی اجازت ملے گی تو آپ ان لوگوں کو نکالیں گے جن کے دلوں میں رائی سے بھی کم ایمان موجود ہوگا۔

ارشاد نبوی ہے:

''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ اور ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لاؤ جن کے دلوں میں ذرہ یا رائی برابر بھی ایمان ہے۔ چنانچہ میں جاؤں گا اور تعمیل حکم کروں گا۔ میں پھر واپس آؤں گا اور تعریفی کلمات سے اللہ کی حمد و ثنا کروں گا اور اللہ کے حضور سجدے میں گر جاؤں گا۔ پھر مجھ سے کہا جائے گا: اپنا سر

تمہ آیت بخش دانہ ہوئے ہو



1 صحیح البخاری، 6566. 2 سنن ابی داود، 4310.

اٹھاؤ، کہو آپ کی بات سنی جائے گی، سوال کرو، آپ کا مطلوب دیا جائے گا۔ سفارش کرو، تمھاری سفارش قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت! مجھ سے کہا جائے گا کہ جاؤ اور ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لاؤ جن کے دلوں میں رائی کے دانے سے بھی کم بلکہ کمتر ایمان ہو۔ میں جاؤں گا اور تعمیل حکم کروں گا۔''[1]

جب اتنے کمزور ایمان والے نکال لیے جائیں گے تو آپ چوتھی بار سجدہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے مزید گناہگاروں کی سفارش کریں گے۔ آپ فرمائیں گے:

يا رب ائذن لي فيمن قال: لا إله إلا الله، فيقول: وعزتي وجلالي وكبريائي وعظمتي لأخرجن منها من قال: لا إله إلا الله

''اے رب! مجھے ان لوگوں کو بھی جہنم سے نکالنے کی اجازت دے جنھوں نے صرف لا إله إلا الله ہی کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میری عزت، میرے جلال، میری کبریائی اور میری عظمت کی قسم! میں دوزخ سے ان لوگوں کو بھی نکالوں گا جنھوں نے صرف لا إله إلا الله کہا ہے۔''[2]

اس طرح جہنم میں کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہے گا جس نے زندگی میں خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کیا ہوگا اور پھر اسی پختہ اعتقاد پر فوت ہوا ہوگا۔ ارشاد نبوی ہے:

[illegible]

''اپنے لب مرگ لوگوں کو لا الہ الا اللہ پڑھنے کی تلقین کرو کیونکہ جس شخص نے موت کے وقت آخری بات لا الہ الا اللہ پڑھ کر کی، وہ کبھی نہ کبھی جنت میں داخل ہو جائے گا، خواہ اس سے پہلے وہ کتنا ہی عذاب بھگت چکا ہو۔''[3]

آپ کی یہ سفارش امت پر آپ کا عظیم ترین احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر نبی کو ایک یقینی طور پر قبول ہونے والی دعا مانگنے کا اختیار دیا تھا۔ نبی رحمت ﷺ نے اپنا یہ اختیار آخرت میں اپنی امت کے گناہ گاروں کی سفارش کے لیے محفوظ کر رکھا ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

1 صحیح البخاری: 7510 2 صحیح البخاری 7510 3 مسند [illegible] 170/2، [illegible] 917

[illegible]

”ہر نبی کو ایک دعا خاص طور پر قبول کرانے کا حق دیا گیا۔ ہر نبی نے اپنی دعا مانگنے میں جلدی کی (اور دنیا ہی میں مانگ لی) بے شک میں نے اپنی دعا اپنی امت کی قیامت کے روز سفارش کے لیے محفوظ کر لی ہے۔ وہ ان شاء اللہ میری امت کے ہر اس شخص کو ملے گی جو اس حالت میں مرا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذرہ برابر بھی شرک نہ کیا ہوگا۔“[1]

یا رب العالمین! اپنے نبی پر اپنی لاتعداد رحمتیں نچھاور فرما اور ہمیں ان کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔ آمین!

4 **عذاب میں تخفیف کی شفاعت:** رسول اللہ ﷺ کے چچا ابوطالب آپ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ آپ کی حفاظت اور حمایت میں انھوں نے بڑی تکلیفیں اٹھائیں مگر بدقسمتی سے آخری لمحات تک رسول اللہ ﷺ کی دلی تمنا اور اصرار کے باوجود انھوں نے اسلام قبول نہ کیا، اس لیے ان کا انجام بھی دیگر غیر مسلموں کی طرح ہوگا۔ ایک بار سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: آپ اپنے چچا کے کس کام آئے جبکہ وہ آپ کی حمایت کرتے تھے اور آپ کے مخالفوں پر غضبناک ہو جاتے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

”وہ صرف ٹخنوں تک آگ میں ہیں۔ اگر میں نہ ہوتا تو وہ آگ کی تہ میں بالکل نیچے ہوتے۔“[2]

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

”امید ہے کہ قیامت کے دن میری شفاعت ان کے کام آ جائے گی اور انھیں جہنم کے اوپری حصے میں رکھا جائے گا۔ آگ ان کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے ان کا دماغ کھولے گا۔“[3]

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ابوطالب آپ کی حمایت اور مدد کیا کرتا تھا، کیا اس کی یہ نیکیاں اسے نفع دیں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

1 صحیح مسلم، 199، صحیح البخاری، 6304. 2 صحیح البخاری، 3883. 3 صحیح البخاری، 3885، صحیح مسلم، 210.

"ہاں، میں نے انھیں جہنم کی گہرائی میں دیکھا تو میں انھیں جہنم کے اوپر کی سطح تک نکال لایا۔"[1]

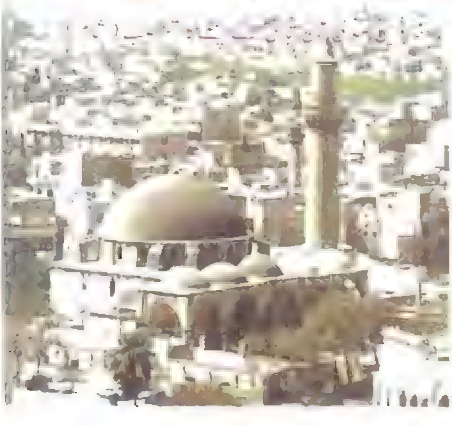
5 اہل مدینہ کے لیے شفاعت: مدینہ منورہ رسول اللہ ﷺ کا محبوب شہر ہے۔ آپ کو اس شہر اور اس کے باشندوں سے بے حد محبت تھی۔ آپ نے مدینہ منورہ اور اہل مدینہ کے لیے خوب دعائیں کیں۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے یہ علاقہ بیماریوں اور وباؤں کی آماجگاہ تھا جو اب صحت افزا بن گیا۔ دیگر شہروں کی نسبت یہاں وسائل محدود تھے، اس لیے لوگوں کا دیگر علاقوں کی طرف رجحان و میلان ایک فطری بات تھی۔ آپ نے لوگوں کو مدینہ منورہ میں رہائش رکھنے کی ترغیب دی۔ اہل مدینہ کے مال و عیال میں مکہ مکرمہ سے دگنی برکت کی دعا فرمائی۔ اس کے باوجود آپ نے پیش گوئی فرمائی کہ لوگ دوسرے شہروں کو چلے جائیں گے۔ دیگر علاقوں کی ترقی اور مادی وسائل کی فراوانی انھیں کھینچ لے گی جبکہ مدینہ منورہ میں رہنا ان کے لیے بہت بہتر ہوگا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

شبام (حضرموت، یمن) کا شہری منظر



بغداد (عراق) کا شہری منظر





[illegible]

"(جب) یمن فتح ہوگا تو کچھ لوگ اپنے اونٹوں کو ہانکتے ہوئے آئیں گے۔ وہ اپنے اہل خانہ کو اور جو ان کا کہا مانیں گے، انھیں سوار کر کے مدینہ طیبہ سے لے جائیں گے، حالانکہ اگر وہ جان لیں تو مدینہ طیبہ ان کے لیے بہتر ہوگا۔ اور (جب) شام فتح ہوگا تو بھی ایک جماعت اپنے اونٹ ہانکتی ہوئی آئے گی، اپنے اہل و عیال

1 صحیح مسلم، 209.

اور ان کی تابعداری کرنے والوں کو لاد کر لے جائے گی۔ کاش! انھیں معلوم ہوتا کہ مدینہ ہی ان کے لیے بہتر ہے۔ (اسی طرح) عراق فتح ہوگا تو بھی کچھ لوگ اپنے جانور ہانکتے ہوئے آئیں گے، مدینہ سے اپنے گھر والوں اور متعلقین کو نکال کر لے جائیں گے۔ کاش! وہ جانتے کہ مدینہ ہی ان کے لیے بہتر تھا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ دنیا کی زیب و زینت اور مال و متاع کے لیے اپنے خاندانوں کو لے کر دیگر علاقوں کی طرف نکل جائیں گے، جبکہ مدینہ ان کے لیے بہت بہتر ہوگا۔ جو شخص مدینہ سے بے رغبتی کرتے ہوئے نکلے گا، اللہ تعالیٰ اس سے اچھا شخص مدینہ منورہ میں آباد کر دے گا۔''[2]

جو لوگ مدینہ منورہ کی خیر و برکت پر قناعت کریں گے، یہاں کی تنگی اور تکالیف پر صبر کریں گے اور مرتے دم تک مدینہ کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے، ان کے لیے رسول اللہ ﷺ نے شاندار اخروی انعام کا اعلان فرمایا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

لا يثبت أحد على لأوائها وجهدها إلا كنت له شفيعا أو شهيدا يوم القيامة

''جو شخص مدینہ کی مشکلات اور تنگ حالی پر صبر کرے گا، میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا یا اس کا گواہ ہوں گا۔''[3]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

من استطاع أن يموت بالمدينة فليمت بها فإني أشفع لمن يموت بها

''جو شخص مدینہ میں (زندگی بسر کر کے) مر سکتا ہو تو اسے مدینہ ہی میں مرنا چاہیے کیونکہ میں مدینہ میں مرنے والوں کی شفاعت کروں گا۔''[4]

آپ کی بابرکت دعاؤں کی بدولت آج مدینہ منورہ جدید ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ چاروں طرف خوشحالی کے مناظر ہیں۔ امن و سکون کی برکت تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص زندگی بھر مدینہ منورہ میں رہے تو اس کے لیے دین و آخرت کی کامیابیاں مقدر ہیں۔[5]

وحی الٰہی کی دلآویز صورتیں

اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء محمد ﷺ کو ایک اعزاز یہ بھی دیا کہ آپ کو اپنا پیغام دینے کے لیے بڑے دلنواز طریقے

1 صحیح البخاری: 1875. 2 دیکھیے صحیح مسلم: 1381. 3 صحیح مسلم: 1363. 4 جامع الترمذی: 3917.
5 دیکھیے عمدۃ الاخبار، ص: 263-266. مدینہ طیبہ کے فضائل و تاریخی پس منظر جاننے کے لیے ملاحظہ فرمائیں: سیرت انسائیکلوپیڈیا 1/187-197، 4/168-212.

اختیار فرمائے۔ کبھی ساتوں آسمانوں سے اوپر بلا کر اپنا پیغام دیا تو کبھی آپ کے دل پر اپنا حکم القا فرما دیا۔ رسالت مآب ﷺ پر وحی الٰہی جن اسالیب میں اتری، اُن کا تذکرہ درج ذیل ہے۔ ان اسالیب سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خالق کائنات کو اپنے رسولِ مقبول محمد ﷺ سے کتنی والہانہ محبت ہے۔

1 نیک خواب: رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی ابتدا میں آپ کو سچے خوابوں کے ذریعے سے پیغام الٰہی پہنچایا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ خصوصیت بھی عطا کی تھی کہ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں مگر دل بیدار رہتا تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ کے قلب مبارک پر اللہ تعالیٰ کے احکام کا نزول ہوتا رہتا تھا۔ ارشاد نبوی ہے: إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي ''میری آنکھیں سوتی ہیں، البتہ میرا دل بیدار رہتا ہے۔''[1]

آپ ﷺ کے خواب صبح کے اجالے کی طرح روشن اور سچے ہوتے تھے۔ سیدہ عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں:

أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ

''رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں کی صورت میں ہوئی۔ آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے، وہ سپیدۂ صبح کی طرح نمودار ہو جاتا۔''[2]

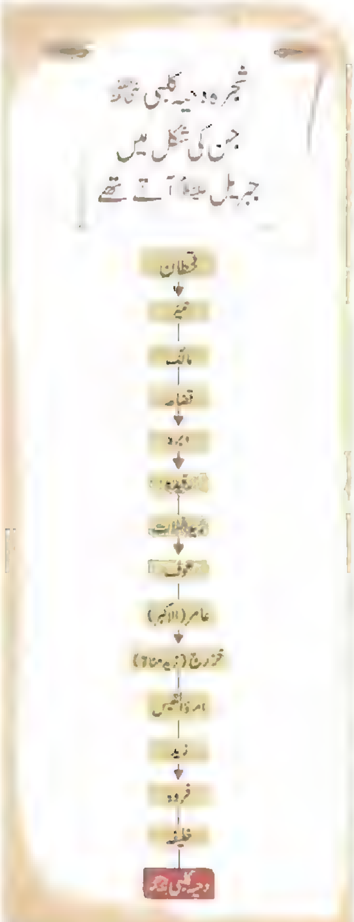
ان سچے خوابوں کے کیا کہنے جن میں آپ ﷺ کو اللہ رب العزت کے احکام و فرامین موصول ہوئے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان احکام کی وصولیابی میں آپ کو احسن الخالقین سے رابطے میں کیسی زبردست اور کتنی نادر لذت محسوس ہوئی ہوگی کہ آپ ﷺ کا ذوق وحی طلبی بڑھ گیا اور آپ نے مزید پیغام ربانی وصول کرنے کے لیے اپنی عبادت و ریاضت میں اضافہ کر دیا۔

2 قلب اطہر میں القا: وحی کی دوسری صورت یہ تھی کہ جبریل ؑ رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر پر اللہ تعالیٰ کے پیغام کا القاء کر دیتے تھے۔ یہ پیغام آپ کو یاد ہو جاتا اور آپ امت تک پہنچا دیتے تھے۔ سیدنا ابوامامہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رُوعِي أَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَكْمِلَ أَجَلَهَا وَتَسْتَوْعِبَ رِزْقَهَا فَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلَنَّ أَحَدَكُمُ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ يَطْلُبَهُ بِمَعْصِيَةِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَا يُنَالُ مَا عِنْدَهُ إِلَّا بِطَاعَتِهِ

1 صحیح البخاري 2013، 2 صحیح البخاري 3

"روح القدس (جبریل) علیہ السلام نے میرے دل میں یہ پھونکا (القا کیا) ہے کہ کوئی شخص اپنی عمر اور رزق مکمل کیے بغیر فوت نہیں ہوگا۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور رزق کی تلاش میں حلال طریقے اختیار کرو۔ اگر کسی کے رزق میں تاخیر ہو جائے تو یہ بات اسے اللہ کی نافرمانی کر کے (حرام طریقوں سے) رزق تلاش کرنے پر نہ ابھارے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے رزق کا حصول اس کی فرمانبرداری ہی سے ممکن ہے۔"[1]



3 جبرائیل علیہ السلام کی انسانی بھیس میں تشریف آوری: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیم و تربیت کے لیے بعض اوقات جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں تشریف لاتے۔ وہ اکثر سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں حاضر خدمت ہوتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک مسافر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن اس کے حلیے اور لباس سے سفر کے کوئی آثار معلوم نہ ہوتے تھے۔ وہ مدینہ منورہ کا رہائشی بھی نہ تھا۔ اس نے نہایت ادب و احترام سے آپ سے کئی سوالات پوچھے، بعدازاں وہ واپس چلا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: [illegible] "اے عمر! کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ سائل کون تھا؟" انھوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: [illegible] "وہ جبرائیل تھے۔ تمھیں تمھارا دین سکھانے آئے تھے۔"[2]

4 گھنٹی کی آواز: بعض اوقات وحی گھنٹی جیسی آواز کی صورت میں آتی تھی۔ اس کی کیفیت بڑی تکلیف دہ ہوتی تھی۔ سیدنا حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[illegible]

"کبھی تو وحی آنے کی کیفیت گھنٹی کی ٹن ٹن کی طرح ہوتی ہے اور یہ کیفیت مجھ پر بہت گراں گزرتی ہے۔"[3]

5 جبرائیل اپنی اصلی شکل میں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا جب وہ آپ کے پاس اللہ کا پیغام لے کر آئے تھے۔ ان کے چھ سو پر تھے۔ ایک پر مشرق و مغرب کے درمیان فاصلے جتنا تھا۔ سیدنا

1 صحیح الجامع [illegible] 3848، 2 صحیح مسلم [illegible]، 3 صحیح البخاری 2

ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان آیات: ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ﴾ ”تو وہ دو کمانوں جتنا بلکہ اس سے بھی قریب ہو گیا۔ پھر اس نے اللہ کے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔“[1]
کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا، ان کے چھ سو پر تھے۔ پھر انھوں نے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی وحی پہنچائی۔

6 معراج کے موقع پر مکالمہ: اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات اپنے محبوب نبی کو اپنے پاس بلا کر وحی کی جس میں نمازوں کی فرضیت بطور تحفہ عطا کی۔[2]

انبیائے کرام کا میثاق

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی آخر الزمان کو جن انعامات سے نوازا، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تمام انبیائے کرام اور رسولوں سے سید الانبیاء محمد ﷺ کے بارے میں ایک عظیم عہد لیا تھا۔

سیدنا علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اس عہد عظیم کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی مبعوث فرمائے، ان سے یہ عہد لیا کہ اگر تمھاری زندگی میں محمد (ﷺ) مبعوث ہو جائیں تو تم ان پر ضرور ایمان لانا اور ان کی مدد و حمایت کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر نبی کو بھی یہ حکم دیا کہ وہ اپنی امت سے بھی اس امر کا عہد لیں کہ اگر ان کی زندگی میں محمد (ﷺ) تشریف لے آئیں تو وہ بھی لازماً ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں۔“[3]

اللہ تعالیٰ نے اس عہد و میثاق کا تذکرہ سورۂ آل عمران میں کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ ۝ فَمَن تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾

”اور (یاد کرو) جب اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا کہ جب میں تمھیں کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمھارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتا ہو جو تمھارے پاس ہے تو تمھیں اس پر ضرور ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ اللہ نے فرمایا: کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا: تو تم گواہ رہنا اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔ پھر اس

1 النجم 53:9، 10. 2 خصائص المصطفیٰ، ص: 52-54. مزید دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا (دارالسلام): 3/60-62.
3 تفسیر ابن کثیر، آل عمران 3:81

کے بعد جو بھی منہ موڑے گا تو ایسے لوگ ہی نافرمان ہیں۔"[1]





زمین کے خزانے

رسول اللہ ﷺ کے دور میں رومی اور ایرانی سپر پاورز (Super Powers) تھے۔ مادی وسائل کے لحاظ سے ان کا مقابل کوئی نہ تھا۔ اہل عرب ان کے مقابلے میں نہایت کمزور اور تنگ حال تھے۔ ذرائع معیشت اتنے مضبوط نہ تھے۔ ان کی مجموعی حالت بہت کمزور تھی۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے بڑا رفیع الشان وعدہ فرمایا۔ ارشاد نبوی ہے:

"ایک دفعہ میں سو رہا تھا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ میں دے دی گئیں۔"[2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا فرمان بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ تو اب اپنے رب کے پاس جا چکے ہیں اور (جن خزانوں کی کنجیاں آپ کو دی گئی تھیں) تم وہی خزانے نکال رہے ہو۔"

ایک خواب میں آپ کو یہ خوشخبری دی گئی کہ آپ کی امت دنیا کی بڑی طاقتوں کو فتح کرے گی اور مسلمان ان کے خزانوں کے مالک بن جائیں گے۔ آپ کی رحلت کے بعد مسلمان فوجوں نے رومیوں اور ایرانیوں کو شکست دے کر ان کے بے مثال خزانوں پر قبضہ کر لیا۔ دنیا کی عظیم سلطنتیں ان کے زیر نگیں ہو گئیں اور ان کے اموال مسلمانوں کے لیے مال غنیمت بن گئے۔[3]

بے مثال سمع و بصر

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی بے مثال بصارت و سماعت سے نوازا تھا جو آپ کے کسی امتی کو حاصل نہ تھی۔ آپ

1 ... 82,81/3 • الخصائص الکبرٰی للسیوطی 13/1 • خصائص المصطفٰی، ص: 54. انبیائے کرام علیہم السلام کے باہمی تعلق اور میثاق کی تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا، دوسری جلد کا باب "بشارات نبوت و رسالت"، ص: 314. 2 صحیح بخاری، 2977. 3 خصائص المصطفٰی، ص: 56,55.

نے آسمانوں کی سیر کی۔ جنت و جہنم کے مناظر دیکھے۔ دنیا میں آپ اپنے پیچھے کھڑے لوگوں کو بھی اسی طرح دیکھتے جیسے سامنے کھڑے لوگوں کو دیکھتے تھے۔ آپ نے وہ مناظر دیکھے جو صحابہ کرام نہیں دیکھ پائے۔ آپ نے فرشتوں اور جنوں کا کلام سنا، قبر میں مردوں سے ہونے والے سوال و جواب سنے، جبکہ آپ کی امت کے کسی فرد کو یہ صلاحیت نہیں ملی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کے لیے خصوصی عطیہ تھا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَتِمُّوا الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِ ظَهْرِي إِذَا مَا رَكَعْتُمْ وَإِذَا مَا سَجَدْتُمْ»

''تم رکوع اور سجود کو پورے طور پر ادا کیا کرو۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جب تم رکوع اور سجود کرتے ہو تو میں تمھیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھ لیتا ہوں۔''[1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے ایک شخص کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا:

«يَا فُلَانُ! أَلَا تُحْسِنُ صَلَاتَكَ؟ أَلَا يَنْظُرُ الْمُصَلِّي إِذَا صَلَّى كَيْفَ يُصَلِّي؟ فَإِنَّمَا يُصَلِّي لِنَفْسِهِ، إِنِّي وَاللّٰهِ لَأُبْصِرُ مِنْ وَرَائِي كَمَا أُبْصِرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ»

''اے فلاں! تم اپنی نماز احسن طریقے سے ادا کیوں نہیں کرتے؟ (نمازی) نماز پڑھتے ہوئے یہ خیال کیوں نہیں رکھتا کہ وہ کس طرح نماز ادا کر رہا ہے۔ یقیناً وہ اپنے لیے ہی نماز پڑھ رہا ہے۔ اللہ کی قسم! میں اپنے پیچھے کھڑے شخص کو اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھتا ہوں۔''[2]

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی گدی میں یہ صلاحیت رکھی تھی کہ آپ اس کے ذریعے سے پیچھے کھڑے لوگوں کو بھی دیکھ سکتے تھے۔ آپ کے دیگر معجزات کی طرح یہ بھی برحق معجزہ ہے، اس لیے شرعاً یا عقلاً اس کا انکار کرنا ممکن نہیں۔ شریعت میں اس کا ذکر آیا ہے، لہٰذا اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علماء کے متعدد موقف بیان کر کے ان کی تردید کی ہے۔ پھر اس بات کو راجح قرار دیا ہے کہ عقب سے یعنی کمر کے پیچھے سے دیکھنا آپ کا معجزہ ہے اور آپ حقیقتاً دیکھتے تھے۔ آپ کیسے دیکھتے تھے؟ اس بارے میں فرمایا کہ آپ کے کندھوں کے درمیان دو باریک آنکھیں تھیں، آپ ان سے دیکھتے تھے۔ کپڑے وغیرہ

[1] صحیح البخاري: 6644، صحیح مسلم: 425. [2] صحیح مسلم: 423. [3] شرح مسلم للنووي: 149/4

کی اوٹ ان کے آگے حائل نہیں ہوتی تھی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ مہر نبوت سے دیکھتے تھے۔[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

''تم میرا منہ اس طرف سمجھتے ہو؟ اللہ کی قسم! مجھ پر نہ تمھارا خشوع پوشیدہ ہے اور نہ تمھارا رکوع۔ اور میں تمھیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔''[2]

اس معجزے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بے مثال سماعت سے بھی نوازا تھا۔ آپ ایسی چیزیں سن لیتے تھے جنھیں صحابہ کرام بالکل نہ سن پاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بے مثال علم و حکمت سے بھی نوازا تھا۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی اس خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھ پاتے اور میں وہ کچھ سن لیتا ہوں جو تمھیں سنائی نہیں دیتا۔ آسمان چرچراتا ہے اور اس کا حق ہے کہ وہ چرچرائے۔ اس میں چار انگلیوں کی جگہ بھی خالی نہیں مگر کوئی نہ کوئی فرشتہ اپنی پیشانی رکھے ہوئے اللہ کو سجدہ کر رہا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر تمھیں وہ کچھ معلوم ہو جائے جو مجھے معلوم ہے تو تم بہت تھوڑا ہنسو اور زیادہ روؤ۔ اور تم بستروں پر عورتوں سے لطف اندوز نہ ہو سکو اور تم بآواز بلند اللہ سے التجا کرتے ہوئے میدانوں میں نکل پڑو۔''

یہ فرمان عالی بیان کرنے کے بعد سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ کی قسم! میرا جی چاہتا ہے (کاش!) میں ایک درخت ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا۔''[3]

دگنا اجر و ثواب

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی محمد ﷺ کو دنیا و آخرت میں بے مثل انعامات و اعزازات سے نوازا ہے۔ آپ کو خاتم الانبیاء والرسل کا اعزاز عطا کیا۔ آپ سید ولد آدم کے منصب پر فائز ہیں۔ آپ شافع محشر ہیں، مقام محمود اور الوسیلہ

[1] فتح الباری 1/666۔ [2] صحیح البخاری، 418۔ [3] سنن ابن ماجہ، 4190۔

کے حقدار ہیں۔ جنت کا دروازہ آپ کی دستک کا منتظر ہے۔ ان سب نوازشات کے ساتھ اگر آپ کو کوئی جسمانی تکلیف یا رنج پہنچے تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی کو اس کا دہرا اجر وثواب عطا فرماتا ہے۔ انبیائے کرام کا مقام ومرتبہ اور اجر وثواب امت سے بہت بلند تر ہوتا ہے۔ اسی لحاظ سے ان کی آزمائش بھی امتیوں سے سخت تر ہوتی ہے۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! سب سے سخت مصیبت کس پر آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''انبیاء پر، پھر جو ان کے بعد سب سے افضل ہیں، پھر جو ان کے بعد بہتر ہیں۔ ہر بندے کی آزمائش اس کے دین کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنے دین میں مضبوط ہو تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے۔ اگر اس کا ایمان نرم ہو تو اس کے ایمان کے مطابق آزمائش ہوتی ہے۔ بندے پر آزمائش (اور تکلیف) آتی رہتی ہے حتی کہ اسے ایسا کر جاتی ہے کہ وہ زمین پر چل پھر رہا ہوتا ہے اور اس پر کوئی گناہ باقی نہیں ہوتا۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ کو بخار تھا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کو بڑا شدید بخار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''ہاں، مجھے اتنا تیز بخار ہوتا ہے جتنا تمھارے دو آدمیوں کو ہوتا ہے۔''

میں نے عرض کی: کیا یہ (دگنی تکلیف) اس لیے ہے کہ آپ کا اجر وثواب بھی دگنا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''ہاں یہی بات ہے۔ مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے، وہ کانٹا ہو یا اس سے کم، اس کے باعث اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو ایسے ختم کر دیتا ہے جیسے درخت اپنے پتوں کو گرا دیتا ہے۔''[2]

[1] سنن ابن ماجہ 4023. [2] صحیح البخاری 5648.

اس فرمانِ نبوی میں جہاں آپ کے دہرے اجر و ثواب کا تذکرہ ہے، وہاں امت کے لیے بشارت بھی ہے کہ ان کی تکالیف اور مصائب ان کے گناہوں کی بخشش کا باعث بنتے ہیں۔[1]

حرمتِ زکاۃ

اللہ تعالیٰ نے مالدار مسلمانوں کے مالوں میں غربا کا حق رکھا ہے۔ اسے زکاۃ اور صدقہ کہا جاتا ہے۔ زکاۃ اور صدقہ دینے سے مال میں برکت آتی ہے اور مالدار اپنے رب کی رضا اور رحمتوں کا مستحق بنتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے لوگوں کا میل قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا عالی منصب تقاضا کرتا ہے کہ آپ لوگوں کے میل کچیل سے محفوظ رہیں۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مالِ فے، مالِ غنیمت اور ہدیہ حلال قرار دیا۔ آپ ﷺ سے تعلق اور قربت کے باعث آپ کی آل کے لیے بھی زکاۃ اور صدقہ حرام قرار دے دیا گیا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ، وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ

”بلاشبہ یہ صدقات لوگوں کے میل کچیل ہیں۔ یہ محمد (ﷺ) اور آلِ محمد کے لیے حلال نہیں۔“[2]

رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام اور اہلِ کتاب کے ہدیے قبول فرماتے تھے۔ چونکہ آپ پر صدقہ حرام تھا، اس لیے آپ نہایت محتاط رہتے تھے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (آپ کے حزم و احتیاط کا عالم یہ تھا کہ) آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا جاتا تو آپ کھانے کی نوعیت دریافت فرماتے تھے۔ اگر بتایا جاتا کہ یہ ہدیہ ہے تو آپ تناول فرما لیتے۔ اگر کہا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو اس میں سے آپ کچھ نہیں کھاتے تھے۔[3]

صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي لَأَنْقَلِبُ إِلَى أَهْلِي فَأَجِدُ التَّمْرَةَ سَاقِطَةً عَلَى فِرَاشِي أَوْ فِي بَيْتِي فَأَرْفَعُهَا لِآكُلَهَا ثُمَّ أَخْشَى أَنْ تَكُونَ صَدَقَةً أَوْ مِنَ الصَّدَقَةِ فَأُلْقِيهَا

”اللہ کی قسم! بے شک میں اپنے گھر والوں کے پاس لوٹتا ہوں تو مجھے اپنے بستر یا گھر میں ایک کھجور گری ہوئی ملتی ہے۔ میں اسے کھانے کے لیے اٹھا لیتا ہوں، پھر اس خوف سے کہ یہ صدقہ ہوگی، یا صدقے کی کھجوروں میں سے ہوگی، اسے پھینک دیتا ہوں۔“[4]

آپ ﷺ نے واضح الفاظ میں خاندانِ نبوت کے لیے صدقے کو حرام قرار دیا۔ فرمایا: إِنَّا لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ

1 خصائص المصطفیٰ، ص: 77. 2 صحیح مسلم: 1072. 3 صحیح مسلم: 1077. 4 صحیح مسلم: 1070

”یقیناً ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے صدقے کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھائی اور منہ میں ڈال لی۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا:

[illegible]

”تھو تھو، اسے پھینک دو۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ ہم صدقے کا مال نہیں کھاتے؟“[1]

نفلی صدقے کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ بھی آل محمد پر حرام ہے۔ صحیح موقف یہ ہے کہ نفلی صدقہ آپ ﷺ کے لیے حرام تھا جبکہ آل محمد کے لیے جائز ہے۔[2]

صوم وصال

ایک سے زیادہ دنوں کا کچھ کھائے پیے بغیر مسلسل روزہ رکھنا صوم وصال کہلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے تقرب کے لیے رسول اللہ ﷺ کئی کئی روز غیر منقطع طور پر مسلسل روزہ رکھتے تھے۔ یہ آپ ہی کے لیے جائز تھا، دیگر انبیائے کرام کو اس طرح کے روزے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا تقرب خاص حاصل تھا۔ آپ پے در پے مسلسل روزہ رکھتے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو نہایت رفیع الشان روحانی قوت سے نوازتا۔ آپ کی جسمانی طاقت بھی بے مثال تھی، لہٰذا آپ کے لیے مسلسل روزہ رکھنا چنداں دشوار نہ تھا۔ تاہم آپ ﷺ نے صحابۂ کرام کو صوم وصال سے منع فرما دیا۔ اس ممانعت کی وجہ آپ ﷺ کی صحابۂ کرام پر بے پایاں شفقت اور محبت تھی۔ لیکن آپ کے ہر ہر عمل کی اتباع کرنے والے شیدائی صحابہ نے صوم وصال رکھنے پر اصرار کیا۔ آپ ﷺ نے انھیں محبت و شفقت سے سمجھاتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

”وصال کا روزہ رکھنے سے اجتناب کرو۔“ آپ نے دو مرتبہ ایسا فرمایا۔ آپ سے عرض کیا گیا: آپ تو وصال کے روزے رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”جب میں رات گزارتا ہوں تو میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے لیکن تم اتنا ہی کام اپنے ذمے لو جتنی تم میں طاقت ہے۔“[3]

1 صحیح مسلم 1069 2 غاية السول في خصائص الرسول، ص: 125،126 3 صحیح البخاری: 1966

اپنے فدائی صحابہ کو بدرجہ غایت شفقت و محبت سے صوم وصال کی ممانعت فرماتے ہوئے آپ کے لہجے میں قدرے ناراضی بھی آ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

''بعض لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ صوم وصال رکھ رہے ہیں؟ بلاشبہ تم میرے جیسے نہیں ہو (میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا رہتا ہے) اللہ کی قسم! اگر یہ مہینہ لمبا ہوتا تو میں وصال کے روزے اس قدر تواتر سے رکھتا کہ ضد کرنے والے اپنی ضد چھوڑ دیتے۔''[1]

عظیم ترین معجزہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام کی نصرت و تائید کے لیے انھیں معجزات عطا کیے۔ یہ معجزات قوم کے مزاج اور حالات و واقعات کی مناسبت سے ہوتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جادو کا چلن عام تھا، اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا کیے گئے جنھیں دیکھ کر جادوگر بھی ہکا بکا ہو گئے۔ آپ کی لاٹھی اژدھا بن گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے جادوگروں کے سارے سانپ نگل گئی۔ آپ علیہ السلام نے اپنا عصا سمندر پر مارا تو متلاطم سمندر میں خشک راستہ نکل آیا۔ یہ مناظر دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں پر سکتہ طاری ہو گیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں علم طب عروج پر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں جو معجزے دیے، انھیں دیکھ کر ماہرین طب انگشت بدنداں رہ گئے۔ آپ اللہ کے حکم سے مادر زاد کوڑھی کو تندرست اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ اطبا کھلی آنکھوں سے یہ مناظر دیکھتے اور حیرت و استعجاب کے سمندر میں ڈوب جاتے۔

محمد رسول اللہ ﷺ جس قوم کی راہنمائی کے لیے مبعوث ہوئے، وہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے زبان و بیان میں ید طولیٰ رکھتی تھی۔ انھیں اپنے شعراء کے کلام پر غرور تھا۔ جس قوم کے پاس قادر کلام شعراء اور خطیب ہوتے، وہ نہایت معزز اور بلند مرتبہ سمجھی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فصحائے عرب کو مخاطب کرنے اور شعرائے عرب کو چیلنج کرنے کے لیے ایک ایسا معجزہ عطا کیا جو پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوا۔ گزشتہ انبیائے کرام کے معجزات اور ان کی تاثیر وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ ختم ہو گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قرآن مجید جیسا لازوال معجزہ عطا فرمایا جو قیامت تک آنے والے فصحاء اور بلغاء کو ہمیشہ چیلنج کرتا رہے گا۔ قرآن مجید کے فصیح و بلیغ کلام نے شعرائے عرب اور خطباء کو اس قدر بے بس کر دیا کہ وہ اس زبردست معجزاتی کلام جیسی ایک سطر بھی پیش نہیں کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے

[1] صحیح مسلم: 1104؛ غایة السول في خصائص الرسول، ص 156

قرآن مجید کی حفاظت

غرض سے اس میں معنوی تحریف کرتا ہے تو ان کا محاسبہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے علمائے ربانی ہر دور میں پیدا فرمائے ہیں۔ انھوں نے ان باطل پرستوں کی مذموم کوششوں کا ہمیشہ ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے اور ان کے ناپاک ارادے خاک میں ملا دیے ہیں۔ یہ علمائے حق کا عمل جاریہ ہے جو تا قیامت جاری رہے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ

''بے شک ہم ہی نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا اور بیشک ہم ہی اس کے ضرور محافظ ہیں۔''[1]

یہ کلام ربانی ہے، اس لیے تمام جن وانس اس میں تحریف وتبدل کرنے یا اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں۔ مرور زمانہ سے بھی اس کی معجزانہ حیثیت میں کوئی فرق نہیں آ سکتا۔ یہ ہر دور کے تمام جن وانس کے لیے چیلنج ہے جس کا جواب کبھی کوئی شخص نہ دے سکا ہے نہ آئندہ دے سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام جن وانس کو چیلنج کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى أَنْ يَّأْتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا

''کہہ دیجیے: یقیناً اگر تمام انسان اور جن اس (بات) پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو وہ اس جیسا نہیں لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔''[2]

جامع ترین کتاب

اللہ تعالیٰ نے امام الانبیاء محمد ﷺ کو جامع کتاب قرآن مجید عطا فرمائی۔ اس میں گزشتہ کتب کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ اضافی تعلیمات و ہدایات بھی دی گئی ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:

[illegible]

[illegible]

''مجھے تورات کی جگہ سات (لمبی سورتیں: سورۂ بقرہ سے سورۂ توبہ) عطا ہوئی ہیں۔ زبور کی جگہ مجھے سو آیات والی سورتیں ملی ہیں۔ انجیل کی جگہ مجھے سو آیات سے کم والی سورتیں ملی ہیں اور مجھے مفصل سورتیں (حجرات سے ناس تک) عطا کر کے فضیلت دی گئی ہے۔''[3]

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد ﷺ کو ایسے خزانے عطا فرمائے ہیں جو کسی دوسرے نبی کو عطا نہیں ہوئے۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1 الحجر 15:9، 2 بنی اسرائیل 17:88، خصائص المصطفیٰ، ص 37. 3 مسند احمد 4/107

[illegible]

''بے شک مجھے عرش الٰہی کے نیچے موجود ایک گھر کے خزانے سے سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں۔''[1]

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک اوپر سے (دروازہ کھلنے کی) آواز آئی۔ جبرائیل علیہ السلام نے اپنا سر اٹھایا تو کہا: آسمان کا یہ دروازہ آج پہلی دفعہ کھلا ہے، اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا۔ پھر اس دروازے سے ایک فرشتہ اترا۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی: یہ فرشتہ آج ہی زمین پر اترا ہے، آج سے پہلے کبھی نہیں اترا۔ اس فرشتے نے آکر سلام کیا اور عرض کی: آپ کو ان دو نوروں کی خوشخبری ہو، آپ سے پہلے یہ دو نور کسی نبی کو نہیں دیے گئے۔ وہ دو نور سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں ہیں۔ آپ ان میں سے جو حرف بھی پڑھیں گے، آپ کو ان کے مطابق عطا کیا جائے گا۔[2]

دیگر کتب سماوی کی نسبت قرآن مجید کو ایک فضیلت یہ بھی حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں کچھ احکام کو تبدیل کر کے ان سے بہتر احکام عطا فرمائے ہیں جو مومنوں کے لیے خیر و برکت کا باعث ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾

''جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلوا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کی مثل ہی لے آتے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے؟''[3]

جمعہ یوم عید

ہفتے بھر کے دنوں کا سردار جمعے کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و فضل سے یہ عظیم دن مسلمانوں کو عطا کیا۔ جمعہ مسلمانوں کی روحانی عید اور ان کی اجتماعی عبادت کا دن ہے۔ اس دن کائنات کے اہم ترین امور ظہور میں آئے۔ اس دن کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے فضائل سے نوازا ہے۔ یہ خصوصی دن آپ کو عطا ہوا جبکہ یہود و نصاریٰ اس دن کی فضیلت و اہمیت کو نہ پا سکے۔ ارشاد نبوی ہے:

نحن الآخرون السابقون يوم القيامة بيد أنهم أوتوا الكتاب من قبلنا وأوتيناه من بعدهم، فهذا يومهم الذي فرض عليهم فاختلفوا فيه فهدانا الله له فهم لنا فيه تبع

1 مسند أحمد: 151/5 2 صحيح مسلم: 806 3 البقرة 106:2، خصائص المصطفىٰ، ص: 39،38

[illegible]

''ہم سب سے آخر میں آنے والے ہیں، قیامت کے روز سب سے آگے ہوں گے، البتہ ان (یہود و نصاریٰ) کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی اور ہمیں ان کے بعد کتاب ملی۔ تو یہ ان کا وہ دن ہے جو ان کے لیے مقرر کیا گیا لیکن انھوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا۔ اللہ نے ہمیں اس کے لیے ہدایت عطا فرمائی۔ وہ لوگ اس دن میں ہمارے تابع ہیں۔ یہودیوں کا کل کا دن (ہفتہ) ہے اور عیسائیوں کا کل کے دن کے بعد (اتوار) کا دن ہے۔''[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَضَلَّ اللّٰهُ عَنِ الْجُمُعَةِ مَنْ كَانَ قَبْلَنَا، فَكَانَ لِلْيَهُودِ يَوْمُ السَّبْتِ، وَكَانَ لِلنَّصَارَى يَوْمُ الْأَحَدِ، فَجَاءَ اللّٰهُ بِنَا فَهَدَانَا اللّٰهُ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ

''اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو ہم سے پہلے تھے، جمعہ کے دن کے بارے میں گمراہ کر دیا۔ یہودیوں کے لیے ہفتے کا دن اور عیسائیوں کے لیے اتوار کا دن مقرر فرمایا۔ پھر اللہ ہمیں لے آیا اور جمعہ کے دن کے لیے ہمیں ہدایت فرمائی۔''[2]

اس طرح اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے عبادت کے دن کو بھی ہمارے عبادت کے دن جمعہ کے تابع بنایا ہے۔ اسی طرح قیامت کے روز امت محمدیہ کا حساب سب سے پہلے ہوگا۔ جنت میں سب سے پہلے امت محمدیہ ہی کے افراد داخل ہوں گے اور باقی لوگ ان کے تابع ہوں گے۔

جمعۃ المبارک کا دن امت محمدیہ کے لیے خصوصی اعزاز و اکرام کا باعث ہے۔ اس اعزاز اور انعاماتِ ربانی میں سے چند کا تذکرہ درج ذیل ہے:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَمَنْ مَسَّ الْحَصَى فَقَدْ لَغَا

''جو شخص وضو کرے تو بہترین وضو کرے، پھر جمعہ ادا کرنے کے لیے آئے تو (خطبہ) غور سے سنے، خاموش بیٹھے، تو اس کے جمعے سے جمعے تک کے اور مزید تین دن کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور جو (خطبے کے

[1] صحیح مسلم: 855، [2] صحیح مسلم: 856

دوران میں) کنکریوں سے کھیلتا رہا، اس نے فضول کام کیا۔"[1]

جو مسلمان جمعے کے روز پورے اہتمام کے ساتھ غسل کرے اور پورے انہماک کے ساتھ جمعہ ادا کرے تو وہ شخص اپنے رب کی بے پناہ رحمتوں کا مستحق ہو جاتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

[illegible]

"جس شخص نے جمعے کے روز غسل کیا اور خوب اچھی طرح کیا۔ اور جلدی آیا اور (خطبے میں) اول وقت پہنچا، پیدل چل کر آیا اور سواری پر نہ بیٹھا، امام کے قریب ہو کر بیٹھا اور (خطبہ) غور سے سنا اور لغو سے بچا تو اس کے لیے ہر قدم پر ایک سال کے روزوں اور تہجد کا ثواب ہے۔"[2]

اللہ کے رسول ﷺ پر درود و سلام بھیجنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی امت کو اس کا حکم دیا، خصوصاً جمعے کے روز۔ ارشاد نبوی ہے:

[illegible]

"تمھارے افضل دنوں میں سے جمعے کا دن ہے، اس میں آدم (علیہ السلام) پیدا ہوئے، اسی دن فوت ہوئے، اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی میں بے ہوشی طاری ہوگی (پہلی دفعہ صور پھونکنے کے بعد ساری اولاد آدم ہلاک ہو جائے گی) اس لیے اس دن مجھ پر زیادہ سے زیادہ درود پڑھا کرو کیونکہ جمعے کے روز تمھارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔"[3]

رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کو تمام دنوں سے افضل و بہتر قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

[illegible]

"بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، جمعے کا دن ہے۔ اس میں آدم (علیہ السلام) پیدا ہوئے۔ اسی دن وہ جنت میں داخل کیے گئے اور اسی دن جنت سے نکالے گئے۔ قیامت بھی جمعے ہی کے دن قائم ہوگی۔"[4]

[1] صحیح مسلم 857، [2] سنن ابی داود 345، [3] سنن ابی داود 1047، [4] صحیح مسلم 854

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible] جعله الله للمسلمين فمن جاء الى الجمعة [illegible]

[illegible]

"یہ عید کا دن ہے جو اللہ نے مسلمانوں کے لیے مقرر کیا ہے، لہٰذا جو شخص جمعہ پڑھنے آئے اسے چاہیے کہ غسل کر کے آئے۔ اگر خوشبو میسر ہو تو لگائے اور مسواک ضرور کیا کرو۔"[1]

جمعہ کے دن ایک خوش بخت گھڑی ایسی بھی ہے جو اہل ایمان کی مرادیں بر لانے کے لیے انمول تحفہ ہے۔ اگر کوئی نیک بخت اس گھڑی میں کوئی دلی تمنا اپنے رب کے حضور پیش کرے تو وہ ضرور پوری ہوتی ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے روز خوش بخت گھڑی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

[illegible] لا يوافقها عبد مسلم وهو قائم يصلي [illegible] شيئا الا اعطاه اياه"

واشار بيده يقللها

"اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ اگر ٹھیک اس گھڑی میں بندۂ مسلم کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز ضرور عطا کرتا ہے۔" اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ وہ گھڑی تھوڑی دیر کے لیے آتی ہے۔"[2]

اس لیے جمعہ کے روز خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔ جمعہ کی نماز، ذکر الٰہی اور دعا و التجا میں خوب دل لگانا چاہیے۔ اگر کوئی شخص اپنے رب کے خصوصی انعامات حاصل کرنا چاہتا ہے جو جمعہ کے دن کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں تو اسے جمعہ کے دن خود کو عبادت الٰہی کے لیے وقف کر دینا چاہیے۔

النبی الامی

امی نبی اکرم ﷺ کا خصوصی لقب ہے۔ یہ اعزاز کسی اور نبی یا رسول کو نہیں ملا۔ گزشتہ انبیائے کرام کی کتابوں میں آپ ﷺ کا تعارف اسی لقب سے کرایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ

"وہ لوگ جو اس رسول امی نبی (محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں

1 [illegible] 1098 [illegible] 2 [illegible]

کھاتے ہیں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کا یہ لقب کیوں ہے؟ اس بارے میں علمائے کرام نے درج ذیل امور بیان کیے ہیں۔

1 اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو ''ام القریٰ'' کہا ہے یعنی ''تمام بستیوں کی اصل'' چونکہ عرب میں سب سے پہلی بستی مکہ مکرمہ ہی میں آباد ہوئی تھی۔ اس لیے اسے ام القریٰ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اسی بستی کی طرف آپ کی نسبت ہونے کی وجہ سے آپ کو ''نبی امی'' کا لقب ملا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا:

﴿ وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا ﴾

''اور تاکہ آپ ام القریٰ (مکہ) اور اس کے آس پاس والوں کو ڈرائیں۔''[2]

2 امی، ام (ماں) کی طرف منسوب ہے۔ چونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تمام نجاستوں [illegible] کے حامل تھے اور ہر طرح کے عیب و نقائص سے منزہ تھے، اس لیے آپ ''امی'' کہلائے یعنی ایسی ذات جو نقائص سے اسی طرح پاک صاف ہو جیسے ماں کے بطن سے بچہ پاک ہوتا ہے۔

سیدہ عائشہ ؓ نے جب [illegible] کی پیشانی پر پسینے کے قطرے دیکھے جو موتیوں کی طرح چمک رہے تھے تو انھوں نے آپ ﷺ کے جمال جہاں تاب کی توصیف کرتے ہوئے شاعر ہذلی کے یہ اشعار پڑھے:

[illegible]

[illegible] المتہلل

''آپ ﷺ [illegible] بیماری [illegible] سے بالکل پاک صاف ہیں۔ جب بھی تم آپ کا چہرہ انور دیکھو تو وہ چمکنے برسنے والے بادل کی طرح چمکتا دمکتا دکھائی دیتا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ ؓ سے اپنی یہ تعریف و توصیف سن کر بہت خوش ہوئے۔[3]

3 [illegible] امی (ان پڑھ) کی طرف منسوب ہے۔ آپ ﷺ کی یہ صفت اس بنا پر ہے کہ آپ نے اپنی ولادت یا وفات سے بعد عمر بھر کسی کتاب کی تعلیم نہیں [illegible]۔ لہٰذا آپ کے [illegible] قلب پر [illegible] کا ایک حرف بھی نقش نہ ہوا۔

[illegible] ''ملک عرب کی حالت بھی یہی تھی کہ [illegible] پڑھنے سے عاری تھے۔ وہ اپنی تمام عمر اسی حالت میں پوری کر دیتے تھے۔ جو ایک ایسے بچے کی ہوتی ہے جو [illegible] قلم ہاتھ

1 [illegible]

میں پڑا، نہ سبق زبان پر جاری ہوا۔''

قاضی صاحب کی اس بات کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ

''بے شک ہم ایک بے پڑھی لکھی قوم ہیں، نہ لکھنا جانتے ہیں، نہ حساب کرنا۔''[1]

یہودیوں نے اسی لیے اہل عرب کا نام امیین (ان پڑھ) رکھا ہوا تھا۔ وہ خود کو اہل علم و فضل شمار کرتے تھے اور اہل عرب کو نہایت حقیر سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی یہ نفسیاتی حالت اس طرح بیان فرمائی ہے:

﴿ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ ﴾

''یہ اس لیے کہ بیشک وہ کہتے ہیں: ہم پر امیوں (عربوں) کی بابت کوئی گناہ نہیں۔''[2]

آہستہ آہستہ یہی نام مشہور ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الجمعہ میں فرمایا:

﴿ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا ﴾

''اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو امیوں میں مبعوث فرمایا۔''[3]

الغرض لفظ ''امی'' سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کا طرز و طریق خواندگی اہل دنیا سے بہت بالا اور نرالا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ خوبی ایک اور انداز سے بیان فرمائی ہے:

﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهُ بِيَمِيْنِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴾

''اور آپ اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے اسے لکھتے تھے، (اگر ایسا ہوتا) تب تو باطل پرست یقیناً شک کر سکتے تھے۔''[4]

مذکورہ بالا معنی کے لحاظ سے آپ کا اسم گرامی نبی الامی آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے۔

نبی الامی کے وصف نے کتنی وضاحت سے بتا دیا کہ آپ حرف شناسی اور حرف نویسی سے محض ناآشنا ہیں، اس کے باوجود آپ ﷺ کی ذات گرامی سے علوم عظیمہ و آیات کاملہ کا صدور برابر ہوتا رہا۔

قاضی صاحب موضوع کو اس شاندار تبصرے پر ختم کرتے ہیں:

''اہل سیرت جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کو نبی الامی کے لقب سے یاد کیا جاتا، پایا جاتا اور حضور اس طرز خطاب سے خرسند و مسرور ہوا کرتے تھے۔ اب اہل زمانہ کا حال دیکھو کہ جونہی کسی شخص کو ذرا سی شد بد لکھنے کی لیاقت ہوئی

[1] صحیح البخاری، 1913. [2] آل عمران 3:75. [3] الجمعۃ 62:2. [4] العنکبوت 29:48.

تاجدارِ نبوت ﷺ کے اخلاق و آداب





"اور یقیناً آپ خلق عظیم پر (فائز) ہیں۔"

اس باب میں

آپ سید اولادِ آدم، امام الانبیاء، خاتم النبیین محمد ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کا مطالعہ کریں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو تمام بنی آدم کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ اور اس یگانۂ روزگار ہستی کو اعلیٰ خصائل سے متصف فرما کر انھیں قیامت تک کے لیے پوری انسانیت کا بہترین نمونہ بنا کر بھیجا ہے۔ جو اپنا یا پرایا جو بھی آپ ﷺ سے ملتا تھا، وہ آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ آپ ﷺ عبادت و پاکیزگی، صداقت و دیانت اور عدالت و استقامت کے پیکر تھے۔ بے حد فیاض تھے۔ غریبوں اور مسکینوں پر بے دریغ مال خرچ کرتے تھے۔ ہمیشہ مختصر، مفید اور سبق آموز گفتگو فرماتے تھے۔ مزاج مبارک میں تبسم رہتا تھا۔ دعوت و تبلیغ کے کام انجام دینے کے لیے گھر گھر تشریف لے جاتے تھے۔ گھریلو کاموں میں ازواج مطہرات کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ پھٹے ہوئے کپڑے سی لیتے تھے۔ صحابہ کے کاموں میں بھی تعاون فرماتے تھے۔ بکریوں کا دودھ بھی خود دوہ لیتے تھے۔ غذا بہت سادہ تھی۔ سرکہ، شہد، حلوہ اور روغن زیتون بہت پسند فرماتے تھے۔ کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالا۔ بہت پاکیزہ، سادہ اور اجلا لباس پہنتے تھے۔ غرضیکہ آپ ﷺ کی مقدس زندگی تمام اعلیٰ اخلاقی صفات کا بہترین نمونہ تھی۔ اگلے صفحات میں آپ کو انھی صفات حمیدہ کی تفصیلات جھلکتی نظر آئیں گی۔

خلق عظیم کے سنہری پہلو

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی آخر الزمان ﷺ کو بے شمار کمالات، اعزازات، امتیازات اور اعلیٰ صفات سے نوازا ہے۔ ان عالی صفات میں سے ایک عظیم صفت "خلق عظیم" ہے۔ آپ کے عمدہ اخلاق، عالی عادات، شاندار رویے، ہر فرد سے بہترین برتاؤ اور نیک فطرت کی تعریف خود رب العالمین نے ان الفاظ میں کی ہے:

نٓ ۚ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝

"ن۔ قسم ہے قلم کی اور اس کی جو وہ لکھتے ہیں! (اے نبی!) آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں۔ اور بیشک آپ کیلئے یقیناً ایسا اجر ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ اور یقیناً آپ خُلق عظیم پر (فائز) ہیں۔"[1]

رسول اللہ ﷺ کے کریمانہ اخلاق میں زبردست مقناطیسی تاثیر تھی۔ جو شخص ایک بار بھی آپ کے قریب ہوا، وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ اسلام قبول نہ بھی کرتا تب بھی وہ آپ کے اعلیٰ اخلاق کا گرویدہ ضرور ہو جاتا تھا۔ آپ کے بدترین دشمن بھی آپ کی تعریف پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی تعلیم و تربیت خود فرمائی تھی۔ قرآن مجید کی شکل میں جو ایمانی تربیت آپ کو دی گئی، آپ نے اس کو اپنی عملی زندگی میں سمو لیا۔ آپ تعلیماتِ قرآن کی عملی تصویر تھے۔ قرآنی احکام و تعلیمات کو سمجھنے کے لیے آپ ہی کی سیرت و اخلاق کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ سعد بن ہشام بن عامر ؒ نے جب ام المومنین عائشہ ؓ سے نبی کریم ﷺ کے اخلاق کے متعلق پوچھا تو سیدہ نے فرمایا: کیا تم قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتے؟ انھوں نے عرض کی: میں قرآن مجید پڑھتا ہوں۔ سیدہ عائشہ ؓ نے فرمایا: "اللہ کے نبی ﷺ کا اخلاق قرآن ہی ہے۔"[2]

یعنی آپ ﷺ کا اخلاق قرآن مجید کی تشریح و توضیح تھا۔ آپ کا مزاج گرامی، عالی اخلاق، عادات حسنہ اور فطرت سلیمہ قرآنی اصولوں کے عین مطابق تھی۔ آپ اللہ تعالیٰ سے عمدہ اخلاق کی توفیق مانگا کرتے تھے۔ یہ دراصل تمام مسلمانوں کے لیے ایک سبق تھا کہ وہ بھی رب العالمین سے اچھے اخلاق و عادات اپنانے کی توفیق مانگا کریں۔ آپ ﷺ ان الفاظ

1 القلم 68: 1-4۔ 2 صحیح مسلم: 746۔

میں دعا کرتے تھے:

[illegible]

''اے اللہ! عمدہ اخلاق و عادات کی طرف میری راہنمائی فرما، اس لیے کہ بلاشبہ ان کی توفیق تجھی سے مل سکتی ہے۔ اور برے اخلاق و عادات مجھ سے دور فرما دے کیونکہ ان کو صرف تو ہی پھیر سکتا ہے۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

[illegible]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر کوئی برا کلمہ نہیں آتا تھا اور نہ آپ کبھی فحش گوئی کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''بلاشبہ تم میں سے مجھے عزیز تر وہ ہے جس کے عادات و اخلاق تمام لوگوں سے زیادہ اچھے ہوں۔''[2]

اسی طرح دس سال خدمت نبوی کا اعزاز حاصل کرنے والے صحابی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

[illegible] أحسن الناس خلقا.

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حسن اخلاق میں سب لوگوں سے بڑھ کر تھے۔''[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ غار حراء میں محو عبادت تھے۔ پہاڑ کی چوٹی پر واقع اس غار میں آپ تنہا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے تھے کہ اچانک جبرائیل علیہ السلام نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام الٰہی سے

[1] صحيح مسلم: 771. [2] صحيح البخاري: 3759. [3] صحيح البخاري: 6203



آپ ﷺ نے اپنی قربت کے حصول کا طریقہ ان الفاظ میں بتایا:

«إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا»

''تم میں سے مجھے سب سے محبوب اور قیامت کے روز نشست کے اعتبار سے میرے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جس کا اخلاق تم میں زیادہ اچھا ہوگا۔''[1]

اعمال کو ترازو میں رکھا جائے گا تو اخلاقیات کا وزن سب سے زیادہ ہوگا۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«أَثْقَلُ شَيْءٍ فِي الْمِيزَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْخُلُقُ الْحَسَنُ»

''قیامت کے روز میزان میں سب سے وزنی چیز عمدہ اخلاق ہوگا۔''[2]

اچھا اخلاق اور عمدہ سیرت مومن کو بلند درجات پر فائز کرتے ہیں۔ ارشادِ گرامی ہے:

«إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ»

''بلا شبہ مومن اپنے حسن اخلاق کی بنا پر روزہ دار، شب زندہ دار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔''[3]

رسول اللہ ﷺ نے امت کو اعلیٰ اخلاق و عادات اپنانے کی ترغیب دی اور اپنے عملی کردار کے ذریعے سے امت کی تربیت فرمائی۔ آپ نے امت کو شاندار اخلاقیات سے نوازا۔ سیرت و کردار کی اصلاح کے لیے آپ نے عملاً جس اسوۂ حسنہ کو امت کے سامنے پیش کیا، اس کی ایک جھلک آئندہ صفحات میں پیش کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زندگی کو تمام انسانوں کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا ہے اور یہ حقیقت اجاگر کر دی ہے کہ آپ کے اسوۂ حسنہ کو اپنا کر ہی مسلمان دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہو سکتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾

''یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔''[4]

آئیے رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ سے آگہی کا شرف حاصل کیجیے:

حسن معاملہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جن بہترین خوبیوں سے نوازا تھا، ان میں حسن معاملہ اور حسن سلوک کی خوبی بہت

1 جامع الترمذي: 2018. 2 مسند أحمد: 442/6. 3 سنن أبي داود: 4798. 4 الأحزاب 21:33

نمایاں ہے۔ غیروں کو اپنا بنانے اور اپنوں کی محبت کو مستحکم کرنے میں اس خوبی کا بڑا عمل دخل ہے۔ رسول اکرم ﷺ ہر شخص سے نہایت محبت و شفقت سے پیش آتے تھے۔ لوگوں سے میل جول کے وقت آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر تبسم کا نور چھپا رہتا تھا۔ ہر ملنے والا آپ کے خوبصورت تبسم سے آپ ہی کا ہو جاتا۔ آپ کی اسی خوبی کی وجہ سے ہر شخص خود کو نہایت اہم سمجھتا۔ اسے یوں محسوس ہوتا کہ وہ آپ کا خصوصی محبوب ہے، اس طرح وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی محبوب ترین ہستی خیال کرتا۔ آپ لوگوں سے معاملات طے کرتے وقت نرمی برتتے۔ لین دین کے معاملات میں خصوصی شفقت فرماتے۔ دشمنوں کو بھی دعوت دین دیتے ہوئے آپ ﷺ کا لہجہ اتنا میٹھا اور ملائم ہوتا تھا جس سے ان کے دل متاثر ہوتے اور وہ آپ کے قریب ہونے پر مجبور ہو جاتے۔

الغرض آپ کے تمام معاملات حسن و خوبی کے ساتھ طے پاتے تھے۔ آپ کے معاملات احترام انسانیت، کمزوروں کے ساتھ رحمت و شفقت، ہمدردی، ایثار و قربانی، سچائی، امانت داری، ایفائے عہد اور باہمی تعاون جیسے اعلیٰ اوصاف کے آئینہ دار ہوتے تھے۔ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ بڑے گرم جوش تعلقات رکھتے، ان کی خوشیوں میں شریک ہوتے، بیماروں کی تیمارداری کرتے، ان کی ضروریات بخوشی پوری فرماتے، ان کی دعوت قبول کرتے، فوت ہونے والوں کا جنازہ پڑھاتے اور ان کے لیے بخشش کی دعائیں کرتے۔ اس طرح انھیں اپنی بے پناہ محبت سے نوازتے۔ آئیے لوگوں کے ساتھ آپ کے طرز تعامل کے چند شہ پارے ملاحظہ فرمائیں۔

- سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زاہر نامی ایک بدوی جب بھی مدینہ منورہ آتا تو رسول اللہ ﷺ کے لیے تحفے لے کر آتا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس کی محبت کا جواب دیتے اور اسے الوداع کرتے وقت تحائف سے نواز کر روانہ فرماتے۔ آپ اس سے اپنی محبت و الفت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے:

إن زاهرا باديتنا ونحن حاضروه

مدینہ منورہ اور مسجد نبوی (وسط میں)



"بلاشبہ زاہر ہمارا دیہی (دوست) ہے اور ہم اس کے شہری (دوست) ہیں۔"

اللہ کے رسول ﷺ کو اس سے بڑی محبت تھی، حالانکہ وہ شکل و صورت کا اچھا نہ تھا۔ ایک روز آپ بازار تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ اپنا سامان بیچ رہا ہے۔ آپ نے اسے پچھلی جانب سے گلے لگا لیا جبکہ وہ آپ ﷺ کو نہیں دیکھ پایا۔ اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی مگر آپ نے نہ چھوڑا۔ جب اس نے مڑ کر دیکھا تو نبی مکرم ﷺ نظر آئے۔ اپنے محبوب کو دیکھ کر زاہر نے بھی اپنی کمر رسول اللہ ﷺ کے سینے سے لگا دی۔ رسول اللہ ﷺ نے زاہر سے اپنی الفت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: [illegible] "یہ غلام کون خریدے گا؟"

زاہر نے عرض کی: اے اللہ کے رسول، اللہ کی قسم! آپ کو میرا کوئی گاہک نہیں ملے گا (میں بہت کم قیمت ہوں)۔ اللہ کے رسول ﷺ نے زاہر کی دلجوئی کرتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

"لیکن اللہ کے نزدیک تم کم قیمت نہیں ہو" یا فرمایا: "لیکن اللہ کے ہاں تم بہت قیمتی ہو۔"[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے اونٹ ادھار لیا۔ وہ شخص اونٹ کا تقاضا کرنے آیا تو اس نے آپ سے بڑے سخت لہجے میں بات کی۔ صحابہ کرام کو اس کا رویہ سخت ناگوار گزرا، چنانچہ وہ اس کی طرف لپکے تاکہ اسے ادب سکھایا جائے۔ مگر رحمت عالم ﷺ نے یہ کہتے ہوئے صحابہ کرام کو منع فرما دیا:

[illegible]

"اسے چھوڑ دو، کیونکہ جس کا کسی پر حق ہو تو وہ کہنے سننے کا بھی حق رکھتا ہے۔"

پھر آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اس کے اونٹ جیسا اونٹ تلاش کر کے اسے دے دو۔ صحابہ نے عرض کی: ایسا اونٹ میسر نہیں ہے، البتہ اس سے بہتر موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"اسے وہی دے دو کیونکہ سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو دوسروں کا حق پوری طرح ادا کر دے۔"

اس طرح آپ نے اس شخص کی بے ادبی اور بدتمیزی کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا، صحابہ کرام کو عملی تربیت بھی دے دی اور قرض کے تقاضے اور ادائیگی کا مہذب طریقہ بھی سمجھا دیا۔ آپ کے حسن معاملہ اور حسن سلوک سے متاثر ہو کر وہ شخص بے اختیار بول اٹھا: "آپ نے مجھے پورا حق دے دیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو بھی پورا بدلہ دے۔"[2]

1 مسند احمد 161/3۔ 2 دیکھیے صحیح البخاری 2306,2305، صحیح مسلم 1601۔

سیدنا جابر ؓ کے والدگرامی جنگ احد میں شہید ہوگئے۔ سیدنا جابر ؓ کو 9 بہنوں کی پرورش اور بہت زیادہ قرض نے پریشان کر رکھا تھا۔ اس دوران ایک غزوے میں ان کا اونٹ تھک ہار کر سب سے پیچھے رہ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر سیدنا جابر ؓ کی دلجوئی جس منفرد انداز میں فرمائی، وہ آپ کے حسن سلوک اور حسن معاملہ کی درخشاں مثال ہے۔ آیئے صحیح بخاری کی حدیث کی روشنی میں یہ واقعہ پڑھیے:

سیدنا جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں ایک جنگ میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھا، میرے اونٹ نے چلنے میں سستی دکھائی اور تھک گیا۔ نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''جابر ہو؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''تمھارا کیا حال ہے؟'' میں نے عرض کیا: میرا اونٹ چلنے میں سستی کرتا ہے اور تھک بھی گیا ہے، اس لیے میں پیچھے رہ گیا ہوں۔ پھر آپ اپنے اونٹ سے اترے اور اسے اپنی چھڑی سے مار کر فرمایا: ''اب سوار ہو جاؤ۔'' چنانچہ میں سوار ہو گیا، پھر کیا تھا، میرا اونٹ اتنا تیز ہو گیا کہ میں اسے رسول اللہ ﷺ (کے برابر چلنے) سے روکتا تھا۔ آپ نے پوچھا: ''کیا تم نے شادی کر لی ہے؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''دوشیزہ سے یا شوہر دیدہ سے؟'' میں نے عرض کیا: بیوہ سے۔ آپ نے فرمایا: ''نوعمر سے شادی کیوں نہیں کی؟ تم اس سے دل لگی کرتے اور وہ تم سے خوش طبعی سے پیش آتی۔'' میں نے عرض کیا: میری بہت سی بہنیں ہیں، اس لیے میں نے نکاح کے لیے ایک ایسی عورت کا انتخاب کیا ہے جو انھیں اکٹھا رکھے، ان کی کنگھی کرے اور ان کی خبرگیری بھی کرتی رہے۔ آپ نے فرمایا: ''اچھا اب تم جا رہے ہو، جب اپنے گھر پہنچو تو عقل و احتیاط کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑنا۔'' پھر فرمایا: ''کیا تم اپنا اونٹ فروخت کرنا چاہتے ہو؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے ایک اوقیہ چاندی کے عوض میرا اونٹ مجھ سے خرید لیا۔ پھر آپ مجھ سے پہلے مدینہ پہنچ گئے، میں صبح کو مدینہ پہنچا۔ ہم


کوہ احد کا دامن جہاں غزوۂ احد برپا ہوا

لوٹ کر مسجد کی طرف گئے تو میں نے آپ کو مسجد کے دروازے پر پایا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تم ابھی آ رہے ہو؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''اپنا اونٹ یہیں چھوڑ کر مسجد میں جاؤ اور دو رکعت نماز پڑھو۔'' چنانچہ میں نے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی۔ آپ نے بلال ؓ کو حکم دیا کہ وہ مجھے ایک اوقیہ چاندی دے دیں تو سیدنا بلال ؓ نے جھکاؤ کے ساتھ مجھے ایک اوقیہ چاندی تول دی۔ پھر میں نے واپس جانے کا ارادہ کیا۔ جب میں نے پیٹھ پھیری تو آپ نے فرمایا: ''جابر کو میرے پاس بلاؤ۔'' میں نے دل میں سوچا کہ اب آپ میرا اونٹ بھی مجھے واپس کر دیں گے اور مجھے یہ بات سخت ناپسند تھی۔ آپ نے فرمایا: ''تم اونٹ بھی لے لو اور اس کی قیمت بھی لے جاؤ۔''[1]

صحیح بخاری ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال ؓ کو حکم دیا کہ سیدنا جابر ؓ کو ان کے اونٹ کی قیمت دے دو اور کچھ چاندی اضافی بھی دینا۔ یہ اضافی چاندی سیدنا جابر ؓ کے لیے بڑی بابرکت ثابت ہوئی۔ وہ اس کو اپنے تھیلے میں ڈالے رکھتے تھے۔ ایک طویل مدت تک یہ بابرکت چاندی ان کے پاس رہی۔ واقعہ حرہ کے دوران ان کی یہ چاندی شامی لشکر کے ہاتھ لگ گئی اور وہ لوگ اسے لے اڑے۔[2]

حرہ واقم (لابہ شرقیہ)



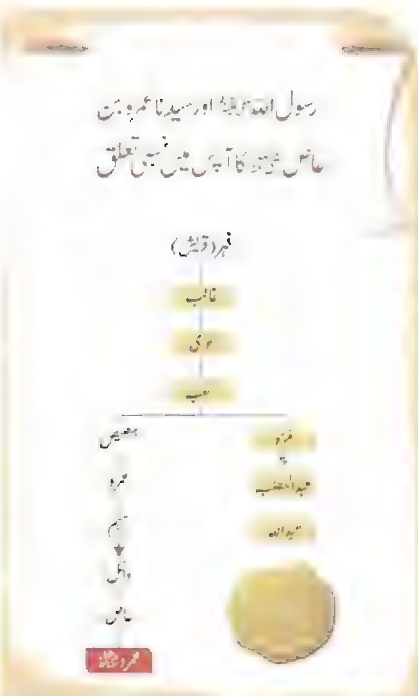
درج بالا واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کی دلجوئی کرتے، ضرورت مندوں کی مدد فرماتے اور حسن معاملہ سے ان کے دل موہ لیتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے مشفق باپ سے بڑھ کر پیار کرنے والے تھے۔ آپ بدتمیزی اور بے ادبی کرنے والوں کو نہایت خندہ پیشانی اور فراخدلی سے معاف کر دیتے بلکہ انھیں ایسی عطا و بخشش سے نوازتے کہ وہ زندگی بھر کے لیے آپ کے جاں نثار بن جاتے تھے۔

سیدنا انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ چل رہا تھا، آپ نے موٹے حاشیے والی نجرانی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ آپ کو ایک اعرابی ملا۔ اس نے آپ کی چادر گھسیٹ کر آپ کو زور سے کھینچا حتی کہ میں نے آپ کے کندھے پر چادر زور سے کھینچنے کی وجہ سے ایک نشان دیکھا۔ پھر اس نے کہا: اے محمد! مجھے اللہ تعالیٰ کے اس مال سے دینے کا حکم دیں جو آپ کے پاس ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے، پھر ہنس دیے، اس کے بعد آپ نے اسے عطیہ دینے کا حکم دیا۔[3]

1 صحیح البخاري 2097، 2 دیکھیے صحیح البخاري 2309، 2604، 3 صحیح البخاري 5809

صحیح مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب بھی کوئی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی کوئی ضرورت پیش کرتا تو آپ نے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ اس شخص کی ضرورت سے بڑھ کر اسے عطا فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک دیہی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کچھ مالی مدد کی التجا کی۔ آپ نے اسے اتنی بکریاں عطا کیں کہ اگر انھیں دو پہاڑوں کے درمیان چھوڑا جائے تو وہ سارا علاقہ بھر جائے۔ وہ دیہاتی یہ بیش بہا ہدیہ لے کر خوشی خوشی اپنی قوم کے پاس گیا اور قوم کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد (ﷺ) ایسا عطیہ دیتے ہیں کہ پھر فقر و فاقے کا خدشہ تک نہیں ہوتا۔[1]



- رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ سے ملاقات کرتے وقت انھیں جس محبت و الفت سے نوازتے تھے، اس سے ہر صحابی یہی سمجھنے لگتا کہ وہی آپ کا محبوب اول ہے۔ سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ کی اس الفت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:
"جب سے میں اسلام لایا، رسول اکرم ﷺ نے مجھے (پردے کے اہتمام کے ساتھ اپنے گھر میں داخل ہونے سے) کبھی نہیں روکا۔ اور جب آپ مجھے دیکھتے تو خوشی سے مسکرانے لگتے۔"[2]
- آپ کی اسی الفت اور حسن سلوک کو دیکھ کر عرب کے مشہور دانشور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے دل میں ایک انوکھی خواہش مچل اٹھی۔ انھیں ایک سریہ میں امیر لشکر منتخب کیا گیا جس میں سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ انھیں بڑی محبت اور توجہ سے سرفراز فرماتے ہیں۔ بھری محفل میں ان کو بڑا مقام دیا جاتا ہے۔ سر راہ آپ سے ملاقات ہو جائے تو آپ کی محبت دیدنی ہوتی ہے۔ آپ انھیں بڑے محبوب ناموں سے پکارتے ہیں۔ اپنی قوم کے اس سردار کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگئی کہ وہ معلوم کریں کہ رسول اللہ ﷺ کا محبوب اول کون ہے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی عزت و تکریم کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ یہ مقام صرف انھی کا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ایک دن ان کی یہ خواہش ان کے ہونٹوں سے پھسل ہی گئی۔ عرض کی: اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سے آپ کو سب سے

1 صحیح مسلم، 2312. 2 صحیح بخاری، 3035

زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: ''عائشہ (رضی اللہ عنہا)۔'' سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے دوبارہ عرض کی: حضور! مردوں میں سے آپ کا محبوب کون ہے؟ میرا مقصود آپ کی ازواج میں سے پوچھنا نہ تھا۔ آپ نے فرمایا: ''عائشہ کے والد۔'' سیدنا عمرو کی خواہش اب بھی پوری نہ ہوئی تو انھوں نے پھر عرض کیا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: ''عمر بن خطاب۔'' آپ ﷺ نے اسی طرح اسلام میں سبقت اور خدمات کے اعتبار سے متعدد نام گنوائے۔

سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بالآخر میں نے اس خدشے سے مزید نہ پوچھا مبادا آپ مجھے سب سے آخر میں کر دیں۔[1]

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے حسن معاملہ اور حسن سلوک کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والا ہر شخص خود کو آپ کا خصوصی مہمان ہی تصور کرتا تھا۔ آپ کی یہ شفقت و رحمت صرف مسلمانوں ہی کے ساتھ نہ تھی بلکہ آپ غیر مسلموں سے بھی اسی حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی بچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہو گیا تو آپ اس کی تیمارداری کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ اس کے سرہانے بیٹھ گئے۔ آپ نے شفقت سے اپنا دست مبارک اس کے سر پر پھیرا اور فرمایا: ''(بیٹا) مسلمان ہو جاؤ!'' بچے نے سوالیہ نظروں سے اپنے والد کی طرف دیکھا تو وہ کہنے لگا: بیٹا ابوالقاسم (ﷺ) کی اطاعت کرو۔ وہ بچہ مسلمان ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے تو فرمایا:

[illegible]

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اس بچے کو جہنم سے بچا لیا۔''[2]

رسول اللہ ﷺ کے حسن معاملہ اور حسن سلوک سے معاشرے کے تمام لوگ مستفید ہوتے تھے۔ کمزور، ضعیف غرباء اور مساکین کو آپ کی خصوصی توجہ حاصل تھی۔ عربوں کے ظلم وستم کے شکار غلام بھی آپ کے حسن سلوک سے آزادی کی بے شمار سہولتوں سے مالا مال ہو جاتے۔ یتیم، بیوہ اور نادار لوگ بھی آپ کے حسن سلوک سے فیض یاب ہوئے۔ خواتین کو با عزت مقام و مرتبہ ملا۔ حتیٰ کہ جانور بھی آپ کے حسن سلوک کی وجہ سے اپنے مالکوں کے ظلم وستم سے نجات پا گئے۔ الغرض آپ کا حسن معاملہ اور حسن سلوک معاشرے سے ظلم وستم ختم کرنے اور عدل و انصاف کا بول بالا کرنے کے ساتھ ساتھ سب لوگوں کو محبت و الفت کا درس دے رہا تھا۔

[1] صحیح البخاری، 4358، نیز دیکھیے، فتح الباری 7/34. [2] صحیح البخاری، 1356

دینی مسائل ہوں یا معاشرتی، ہر شخص کو ہر مسئلے کا حل آپ کے اسوۂ حسنہ سے مل گیا۔

آپ نے معاشرے کو حسن معاملہ کے ذریعے سے امن و سکون کا گہوارہ بنا دیا۔ گھریلو زندگی کو امن اور خوشیوں کا گہوارہ کس طرح بنایا جا سکتا ہے؟ یہ سبق آپ ﷺ نے اپنے حسنِ کردار سے سکھایا۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ آپ اپنی امت کو گھریلو مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی کیا تعلیم دیتے ہیں۔

آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

خيركم خيركم لاهله وانا خيركم لاهلي

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور تم سب کی نسبت میں اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہوں۔''[1]

اگر ازواجِ مطہرات کے درمیان کوئی شکر رنجی پیدا ہوتی تو آپ اسے بڑے سلیقے سے حل فرما دیتے۔ ایک ایسی ہی مثال سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنی ایک بیوی کے ہاں تشریف فرما تھے، اس وقت ایک دوسری بیوی نے آپ کے لیے ایک پیالے میں کھانے کی کوئی چیز بھیجی۔ جس بیوی کے گھر میں آپ تشریف فرما تھے، اس نے خادم کے ہاتھ پر مارا تو پیالہ گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ نبی ﷺ نے پیالے کے ٹکڑے جمع کیے، پھر جو کھانا اس پیالے میں تھا، اسے بھی جمع کرنے لگے، پھر فرمایا: ''تمھاری ماں کو غیرت آ گئی ہے۔'' پھر خادم کو روک رکھا حتی کہ اس بیوی کے گھر سے پیالہ لایا گیا جس کے پاس آپ قیام پذیر تھے۔ اس کے بعد صحیح پیالہ اس بیوی کو بھیجا جس کا پیالہ توڑ دیا گیا تھا اور ٹوٹا ہوا پیالہ اس بیوی کے گھر رہنے دیا جس نے اسے توڑا تھا۔[2]

اس واقعے میں دیکھیں کہ جس زوجہ محترمہ کے گھر سے آیا ہوا پیالہ توڑ دیا گیا تھا، آپ نے کتنے وقار سے انھیں صحیح سالم پیالہ بھیجا اور انھیں دل شکنی سے محفوظ رکھا۔ اسی طرح جس زوجہ محترمہ نے ہاتھ مار کر پیالہ توڑ دیا تھا، انھیں کتنے مہذب طریقے سے سمجھا دیا کہ ان کا یہ طرزِ عمل غلط ہے۔ نہ برا بھلا کہا، نہ طعن و ملامت کی بلکہ بڑے سلیقے سے معاملہ سلجھا دیا۔

رحمتِ عالم ﷺ نے اپنے حسنِ معاملہ اور حسنِ سلوک سے گھریلو، خاندانی اور معاشرتی مسائل کا بڑا عمدہ حل امت کو سمجھایا ہے۔ ہر ہر موقع کے لیے آپ نے امت کو تعلیمات دی ہیں جن کا بنیادی سبق صلہ رحمی، ایثار و قربانی، عدل و انصاف، تعاون و ہمدردی ہے۔ آپ نے ہر قسم کے ظلم، زیادتی، ناانصافی، جھوٹ، بددیانتی، خیانت، لالچ، ہوس اور دھوکہ دہی کی ممانعت فرما کر معاشرے کو امن و سکون کا گہوارہ بنانے کی تعلیم دی۔

1 سنن ابن ماجه: 1977. 2 صحيح البخاري 5225

حسنِ معاشرت

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کی اصلاح کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں چھوڑا، آپ کے بہت سے ایسے فرامین ہیں جن پر عمل کر کے ہم اپنے معاملات بہتر بنا سکتے ہیں اور لوگوں سے اپنے تعلقات خوشگوار بنیادوں پر استوار کر سکتے ہیں۔ ان میں سے چند بیان کیے جاتے ہیں:

1 سیدنا جابر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اتقوا الظلم فإن الظلم ظلمات يوم القيامة واتقوا الشح فإن الشح أهلك من كان قبلكم حملهم على أن سفكوا دماءهم واستحلوا محارمهم

"ظلم کرنے سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے روز اندھیروں کا باعث ہوگا۔ اور بخل و حرص سے بچو کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو بخل نے ہلاک کر دیا تھا۔ بخل ہی کی وجہ سے انھوں نے اپنے لوگوں کے خون بہائے اور اپنی حرمت والی چیزوں کو اپنے لیے حلال کر لیا۔"[1]

2 نبی اکرم ﷺ نے باہمی معاملات میں نرمی، ہمدردی، رحمدلی اور ایثار و قربانی کا درس دیتے ہوئے ارشاد فرمایا

إن الله رفيق يحب الرفق ويعطي على الرفق ما لا يعطي على العنف وما لا يعطي على ما سواه

"یقیناً اللہ بہت نرمی فرمانے والا ہے، نرمی کو پسند کرتا ہے۔ وہ نرمی پر وہ کچھ عنایت فرماتا ہے جو ترشی اور سختی پر عطا نہیں کرتا اور جو نرمی کے سوا کسی چیز پر عطا نہیں کرتا۔"[2]

سیدہ عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ کچھ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: السام عليكم (تمھیں موت آ جائے۔) میں ان کی بات سمجھ گئی۔ میں نے انھیں جواب دیا کہ "تمھیں موت آئے اور تم پر اللہ کی لعنت برسے۔" رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ ؓ کو شدید غصے میں دیکھا تو فرمایا: مهلا يا عائشة إن الله يحب الرفق في الأمر كله "اے عائشہ! ٹھہرو! اللہ تعالیٰ تمام معاملات میں نرمی اور مہربانی پسند کرتا ہے۔"

سیدہ عائشہ ؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے سنا نہیں کہ انھوں نے کیا کہا ہے؟ آپ نے فرمایا: "میں نے وعليكم (اور تمھیں بھی آ جائے) کہہ کر جواب دے دیا تھا۔"[3]

3 لین دین اور تجارتی معاملات میں سچائی کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

البيعان بالخيار ما لم يتفرقا أو قال حتى يتفرقا فإن صدقا وبينا بورك لهما في

1 صحیح مسلم: 2578 2 صحیح مسلم: 2593 3 صحیح بخاری: 6024

[illegible]

’’خریدنے اور بیچنے والے دونوں کو اختیار ہے جب تک جدا نہ ہوں۔ یا یہ فرمایا یہاں تک کہ علیحدہ ہوں... اگر وہ سچ بولیں اور عیب ظاہر کر دیں تو انھیں ان کی اس تجارت میں برکت دی جائے گی اور اگر جھوٹ بولیں یا عیب چھپائیں تو بیع کی برکت ختم کر دی جائے گی۔‘‘[1]

4 تجارتی معاملات میں تیخ کلامی سے باز رہنے اور مقروض سے ہمدردی اور نرمی کرنے والوں کو شاندار دعا سے نوازا۔ ارشادِ گرامی ہے:

[illegible]

’’اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو بیچتے، خریدتے اور تقاضا کرتے وقت نرمی اور کشادہ دلی کا مظاہرہ کرے۔‘‘[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دروازے پر دو افراد کے جھگڑنے کی آواز سنی۔ وہ باآوازِ بلند لڑ جھگڑ رہے تھے۔ ایک شخص دوسرے سے کچھ رعایت مانگ رہا تھا۔ اور تقاضے میں کچھ نرمی کا طلب گار تھا۔ دوسرا شخص کہہ رہا تھا: اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ ان کی صلح کرانے کے لیے باہر تشریف لائے اور فرمایا:

[illegible]

’’اچھا کام نہ کرنے پر اللہ کی قسمیں کھانے والا کون ہے؟‘‘

اس صحابی نے عرض کی: میں ہی ہوں، اے اللہ کے رسول! اب میرا بھائی جو چاہے وہی لے لے (یعنی قرض میں کمی لے لے یا مہلت، میں دونوں باتوں کے لیے تیار ہوں)۔[3]

اس طرح آپ ﷺ نے دونوں صحابہ کو حسنِ معاملہ کی عملی تربیت دی۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

’’جس شخص نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اس کا کچھ قرض معاف کر دیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے اپنے عرش کا سایہ عطا کرے گا۔ اس روز اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔‘‘[4]

5 معاشرے میں طاقتور اور کمزور، مالدار اور غربا، خوشحال اور تنگ دست سبھی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کی

1 صحیح البخاري، 2079. 2 صحیح البخاري، 2076. 3 صحیح البخاري، 2705. 4 جامع الترمذي، 1306.

باہمی ضروریات و حاجات انھیں باہم ملائے رکھتی ہیں۔ آپ نے انھیں مل جل کر رہنے اور ایک دوسرے کی مدد و حمایت کا حکم دیا۔ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے اور دوسروں کے اچھے برتاؤ کا عمدہ طریقے سے جواب دینے کا سبق دیا۔ ارشادِ گرامی ہے:

[illegible]

''جو شخص اللہ کے نام سے پناہ مانگے، اسے امان دے دو۔ جو شخص اللہ کے نام سے سوال کرے، اسے عطا کر دو۔ جو تمھاری دعوت کرے، اس کی دعوت قبول کر لو۔ جو تمھارے ساتھ احسان کرے، اسے اچھا بدلہ دو۔ اگر اسے بدلے میں کچھ نہ دے سکو تو اس کے لیے اتنی دعائیں کرو کہ تمھیں یقین ہو جائے کہ تم نے اس کے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے۔''[1]

6 عزیز و اقارب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا، ان کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرنا اور ان کی جانب سے قطع رحمی کے باوجود رشتے داری کو ہر دم جوڑتے رہنا نہایت برکت اور اجر کا باعث ہے۔ آپ نے اس کی بڑی فضیلت بیان کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''جو چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں فراخی ہو اور اس کی عمر لمبی ہو تو وہ صلہ رحمی کرے۔''[2]

عفو و درگزر

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو نہایت نرم خو، رحم دل اور مہربان بنایا ہے۔ آپ طبعی شفقت و نرمی اور رحم دلی کے باعث سخت ترین مواقع پر بھی کمال عفو و درگزر کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ آپ کی اسی خوبی نے آپ کو پورے عرب کا ہر دلعزیز قائد اور محبوب ترین راہنما بنا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر ہونے والی اپنی اس نعمت کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ

''پھر (اے نبی!) آپ اللہ کی رحمت کے باعث ان کے لیے نرم ہو گئے۔ اگر آپ بدخلق سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ سب آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، پس آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے بخشش مانگیں۔''[3]

1 سنن أبي داود، 1672 2 صحيح البخاري، 5986 3 آل عمران 3:159.

دینِ اسلام کی دعوت و تبلیغ میں طرح طرح کی طبیعتوں اور تند مزاج لوگوں سے واسطہ پڑنا یقینی بات ہے۔ اسلامی تعلیمات سے بے خبر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے وقت ان کی طرف سے شدید جہالت، بدتمیزی اور بے ادبی کا مظاہرہ بارہا ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ایسے حالات میں خصوصی حکم دیا کہ آپ عفو و درگزر سے کام لیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ‎

''آپ (ان سے) درگزر کیجیے، نیک کام کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کیجیے۔''[1]

یہ حکمِ ربانی رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے دل و دماغ کے ایک ایک ریشے میں اتار لیا۔ زندگی بھر آپ نے ایسے زبردست صبر و ثبات اور عفو و درگزر سے کام لیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ آئیے! آپ کے عفو و درگزر کی چند جھلملاتی ہوئی جھلکیاں دیکھیے:

1 رسولِ اکرم ﷺ دعوتِ اسلام دینے کے لیے طائف گئے۔ آپ کے ہمراہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ نے طائف کے تین سرداروں کو دینِ حنیف کی دعوت دی تو انھوں نے بڑی بے ادبی کی۔ نہ صرف آپ کی دعوتِ حق قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ نہایت گستاخانہ کلمات بھی کہے۔ مزید برآں اپنے علاقے کے آوارہ لڑکوں کو آپ کے پیچھے بھیج دیا۔ انھوں نے آپ کو گالیاں دیں، پتھر مارے، برا بھلا کہا اور طائف سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ آپ ﷺ پتھروں کی بوچھاڑ سے اس قدر شدید زخمی ہوئے کہ آپ کے پائے مبارک خون سے رنگین ہو گئے۔ یہ وحشیانہ سلوک اس ارفع ہستی ﷺ سے کیا گیا جو پورے کرۂ ارض اور سارے عالمِ انسانیت کے لیے ابرِ رحمت تھی۔ ایک طرف دعوتِ دین کے ٹھکرائے جانے کا غم آپ کو دکھی کر رہا تھا، دوسری طرف

1 الأعراف 199:7

طائف کا جدید شہر



جسمانی زخموں سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ اس وقت آپ نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی تو اللہ تعالیٰ نے معاً اپنی نصرت وحمایت کے لیے فرشتے بھیج دیے۔

آپ ﷺ نے اس پر کیا طرزِ عمل اختیار کیا۔ آئیے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی روشنی میں پڑھتے ہیں:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: کیا آپ پر بھی اُحد کے دن سے زیادہ سخت دن بھی آیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمھاری قوم کی طرف سے سخت تکالیف کا سامنا کیا ہے اور ان کی جانب سے سخت تکلیف جو میں نے اٹھائی، وہ عقبہ کے دن اٹھائی جب میں نے ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے سامنے دینِ حنیف پیش کیا تو اس نے میری خواہش کے مطابق جواب نہ دیا۔ میں وہاں سے رنجیدہ خاطر ہو کر لوٹا۔ (مجھے ہوش نہیں تھا کہ کدھر جا رہا ہوں۔) جب قرنِ ثعالب پہنچا تو ذرا ہوش آیا۔ میں نے سر اوپر اٹھایا تو دیکھا کہ بادل کے ایک ٹکڑے نے مجھ پر سایہ کر دیا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس میں جبریل علیہ السلام موجود ہیں۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ جواب سن لیا ہے جو آپ کی قوم نے آپ کو دیا ہے اور اس نے آپ کے پاس پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے۔ آپ اسے کافروں کے متعلق جو چاہیں حکم دیں۔ پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی اور سلام کیا۔ پھر اس نے کہا: اے محمد! آپ جو چاہیں (میں تعمیلِ حکم کے لیے حاضر ہوں)۔ اگر آپ چاہیں تو مکہ کے دونوں جانب جو پہاڑ ہیں، ان کے درمیان انھیں کچل دوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''(نہیں) بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اللہ وحدہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔''[1]

اس طرح آپ نے ان گستاخ اور بے ادب لوگوں کے لیے بھی نیک خواہشات کا اظہار کر کے انھیں معاف کر دیا۔

1 صحیح البخاری، 3231.

وادی محرم نزد قرن المنازل (قرن ثعالب)



2 رسول اللہ ﷺ کے عفو و درگزر کے بارے میں ام المومنین عائشہ صدیقہ ؓ بیان کرتی ہیں:

ما ضرب رسول الله ﷺ شيئا قط بيده ولا امرأة ولا خادما إلا أن يجاهد في سبيل الله، وما نيل منه شيء قط فينتقم من صاحبه إلا أن ينتهك شيء من محارم الله فينتقم لله عز وجل

''اللہ کے رسول ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، کبھی کسی عورت اور نہ ہی کسی خادم کو پیٹا، سوائے اس کے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں کسی کو مارا ہو۔ اور اگر کسی نے آپ کو تکلیف پہنچائی ہو تو آپ اس سے بدلہ نہ لیتے سوائے اس کے کہ کوئی شخص کسی حرام کام کا مرتکب ہوتا تو آپ اللہ تعالیٰ کے لیے اس سے انتقام لیتے۔''[1]

3 رسول اللہ ﷺ غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر ایک روز دوپہر کے وقت ایک درخت کے نیچے آرام کرنے کے لیے لیٹے تھے۔ صحابہ کرام بھی وادی کے مختلف گوشوں میں درختوں کے نیچے آرام کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کی تلوار اسی درخت سے لٹک رہی تھی جس کے نیچے آپ ﷺ آرام فرما رہے تھے۔ مسلمانوں کو آرام کرتے دیکھ کر ایک مشرک نے موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی تلوار تھام لی اور اسے لہراتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو دھمکیاں دینے لگا کہ آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ اس کی گستاخانہ آواز سن کر آپ بیدار ہوئے تو وہ مشرک آپ ہی کی تلوار سونتے کھڑا تھا۔ آپ نہایت سکون اور اطمینان سے بیٹھ گئے اور اس گستاخ کے سوال کے جواب میں فرمایا: ''مجھے میرا اللہ تم سے بچائے گا۔'' اتنا سننا تھا کہ اس پر شدید رعب طاری ہوگیا۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور وہ دبک کر آپ کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو بلایا اور انھیں مشرک کی کارستانی سنائی۔ صحابہ کرام کو بڑا غصہ آیا اور وہ لگے اس کی درگت بنانے۔ مگر آپ نے نہ صرف انھیں منع کر دیا بلکہ مہربانی فرماتے ہوئے اسے معاف کر دیا۔[2]

4 عفو و درگزر کے پیکر میدانِ احد میں دشمنانِ اسلام کے ساتھ برسرِ پیکار تھے۔ آپ اپنے دستِ مبارک سے کسی کو تکلیف دینا گوارا نہ کرتے تھے۔ البتہ معرکہ حق و باطل ہوتا تو آپ بھی بحکمِ الٰہی تلوار اٹھا لیتے تھے۔ معرکہ احد میں عتبہ بن ابی وقاص نامی ایک بدبخت نے آپ کو تاک کر پتھر مارا۔ پتھر لگنے سے آپ کے دندان مبارک شہید ہوگئے۔ آپ کے سر مبارک میں بھی زخم آیا اور خون بہنے لگا۔ سیدہ فاطمہ ؓ تشریف لائیں۔ انھوں نے والد محترم کے چہرۂ مبارک کو خون سے رنگین دیکھا تو سخت رنجیدہ ہوئیں۔ سیدنا علی ؓ بھاگ کر ڈھال میں پانی

[1] صحیح مسلم: 2328 [2] صحیح البخاری: 4135، 4136

لے آئے۔ سیدہ فاطمہ ؓ نے زخموں کو پانی سے صاف کیا مگر خون بڑھتا ہی گیا۔ بالآخر انھوں نے ایک چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخموں میں بھر دی جس سے خون نکلنا بند ہو گیا۔ اس موقع پر آپ بھی سخت کبیدہ خاطر ہوئے۔ آپ کی زبانِ صداقت ترجمان سے سخت کلمات نکل گئے۔ ارشاد فرمایا:

اشتد غضب الله على من قتله نبي، واشتد غضب الله على من دمى وجه رسول الله

''اللہ تعالیٰ کا انتہائی غضب اس شخص پر نازل ہوتا ہے جسے (اللہ کے) نبی نے قتل کیا ہو اور اللہ کا قہر اس شخص پر بھی نازل ہوا جس نے رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور کو خون آلود کیا۔''[1]

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

لو وقع منه شيء على الأرض لنزل عليكم العذاب من السماء

''اگر اس خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر گر جاتا تو آسمان سے تم پر عذاب نازل ہو جاتا۔''

لیکن پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد آپ کی رحمت و شفقت آپ کے غصے پر غالب آگئی۔ آپ نے درگزر کرتے ہوئے فرمایا: «اللهم اغفر لقومي فإنهم لا يعلمون» ''اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے۔ یقیناً وہ (میرے مقام و مرتبے کو) نہیں جانتے۔''[2]



تورات ملفوف نسخہ (اللفیفہ، scroll)

5 سیدنا عمرو بن عاص ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نرم دلی، نرم مزاجی اور عفو و درگزر کی یہ خوبیاں تورات میں بھی بیان ہوئی ہیں:

وحرزا للأميين، أنت عبدي ورسولي، سميتك المتوكل، ليس بفظ ولا غليظ ولا سخاب في الأسواق، ولا يدفع بالسيئة السيئة، ولكن يعفو ويغفر، ولن يقبضه الله حتى يقيم به الملة العوجاء بأن يقولوا: لا إله إلا الله، ويفتح بها أعينا عميا، وآذانا صما، وقلوبا غلفا

''(اللہ نے آپ کو ڈرانے والا) اور امیین کی نگہبانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تو میرا بندہ اور میرا رسول

1 صحيح البخاري 4076. 2 فتح الباري 466/7، صحيح البخاري 4075

ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے۔ نہ تو بدخلق ہے اور نہ سنگ دل۔ نہ تو بازاروں میں شور و شغب کرنے والا ہے، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتا ہے بلکہ درگزر اور مہربانی فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس وقت تک ہرگز موت سے دوچار نہیں کرے گا جب تک کہ اس کے ذریعے سے ایک کج رو (ٹیڑھی) قوم کو سیدھا نہ کر دے بایں طور کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہنے لگیں اور اس کے ذریعے سے اندھے بینا ہو جائیں اور بہرے کان سننے لگیں اور بند دل کھول دیے جائیں۔"[1]



غزوۂ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ زہریلا گوشت کھانے والے صحابی کا شجرہ

رحمت عالم ﷺ کی زندگی عفو و درگزر کے واقعات سے مزین ہے۔ آپ نے اپنے جانی دشمنوں کو بھی کمال مہربانی سے معاف کر دیا جبکہ انھوں نے آپ کی جان لینے کی بھرپور کوشش بھی کی تھی، جب وہ ناکام ہو گئے تو آپ نے ان بدبختوں پر غلبہ پانے کے باوجود ان کی جاں بخشی کر دی۔ خیبر کی یہودی عورت نے دعوت کے بہانے زہر دے کر آپ کو قتل کرنے کی مذموم کوشش کی۔ آپ گوشت کا نوالہ نگل ہی نہ سکے۔ گوشت کے نوالے نے آپ کو خبردار کر دیا کہ وہ زہر آلود ہے۔ اس زہریلے گوشت کے کھانے سے سیدنا بشر بن براء بن معرور انصاری رضی اللہ عنہ بعد میں شہادت پا گئے۔ اس گوشت کے اثرات کی بابت آپ نے زندگی کے آخری لمحات میں فرمایا:

"ما زلت أجد من الأكلة التي أكلت بخيبر فهذا أوان قطعت أبهري"

"میں اس لقمے کی وجہ سے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا، ہمیشہ تکلیف میں رہا ہوں، اور اب یہ وقت آ گیا ہے کہ اس نے میری شاہ رگ کاٹ دی ہے۔"[2]

1 صحیح البخاری، 2125۔ اس حوالے سے تورات کا اقتباس پڑھنے کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 390/2-391۔ 2 سنن أبی داود، 4512

اس خبیث یہودی عورت کو اسلام دشمنی میں حد سے بڑھ جانے کے باوجود آپ نے معاف فرما دیا۔ البتہ جب سیدنا بشر بن براء رضی اللہ عنہ نے اسی زہریلے گوشت کی وجہ سے شہادت پائی تو آپ نے اس یہودی عورت کو قصاص میں قتل کرا دیا۔[1]

6 اہل مکہ نے اپنی طاقت، گھمنڈ اور قریش کی سرداری کے نشے میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رکھے تھے۔ ابوجہل اور ابولہب جیسے لوگوں نے خود رسالت مآب ﷺ کی ذات گرامی کے خلاف ہر مذموم حربہ آزمایا تھا۔ مسلمان جب تک مکہ میں رہے، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ کمزور اور نادار مسلمانوں کی زندگی اجیرن بنا دی گئی۔ مالدار مسلمانوں کے مال لوٹ لیے گئے اور انھیں تہی دامن کر کے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ اپنے وطن سے دوری، عزیز و اقارب کی جدائی، مال و متاع کے چھن جانے کا غم انھیں کئی سال تک دکھی کرتا رہا۔ ان کے جسم زخموں سے پاک ہو گئے مگر روح میں لگے چرکے انھیں ہر دم زخمی پرندوں کی طرح تڑپاتے رہتے تھے۔ بالآخر اسلام کے غلبے اور قوت کا دن آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ 10 ہزار کا لشکر جرار لے کر مکہ میں پوری شان و شوکت سے داخل ہو رہے تھے اور کسی دشمن کو سامنے آنے کی جرأت نہ تھی۔ جی ہاں یہ وہی مکہ ہے جہاں سے کچھ سال پیشتر مسلمانوں کو لاچار و مجبور سمجھ کر نکال دیا گیا تھا، آج مسلمان اپنے اوپر ہونے والے ہر ظلم کا بدلہ چکا دینے کے لیے تیار تھے۔ ہر زخم کا حساب لینے کا وقت آ گیا تھا۔ ہر مظلوم اپنے شیر دل بھائیوں کے ساتھ ظالموں کو تہ تیغ کرنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ سیدنا سعد بن عبادہ جیسے زیرک لیڈر بھی اپنے مظلوم بھائیوں کا بدلہ لینے کے لیے بے تاب ہو کر کہہ رہے تھے: اَلْيَوْمَ يَوْمُ الْمَلْحَمَة ''آج بڑی جنگ لڑی جائے گی، آج قتل عام کا دن ہے۔''

مسجد سیدنا سعد بن عبادہ (مدینہ)



تبھی مظلوم اپنی تلواریں تیز کیے بیٹھے تھے لیکن رحمت عالم کی شان ہی نرالی تھی، آپ ﷺ اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ آج برسوں پرانے دشمن گردنیں جھکائے

1 [illegible] صحیح مسلم: 3/450

کھڑے تھے، وہ اپنی قسمت کے فیصلے کے منتظر تھے۔ انھیں نہتے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے اپنے ہولناک مظالم ایک ایک کر کے یاد آ رہے تھے۔ ان کا ہر ہر ظلم گردن مار دینے کے لیے کافی تھا۔ ان کے جرائم بے شمار تھے اور فتح مکہ ان کا بدلہ چکا دینے کے لیے کافی تھی۔ آج مسلمان غالب اور مکہ کے سفاک ظالم مغلوب تھے۔ آج قوت و طاقت کا محور گھوم کر مسلمانوں کے ہاتھ آ چکا تھا۔ اس عالم میں اچانک رسول اللہ ﷺ کی صدائے دلنواز گونجی، آپ دیرینہ دشمنوں، ظالموں اور منکروں کو مخاطب کر کے پوچھ رہے تھے: ''آج تم مجھ سے کس سلوک کے خواہش مند ہو؟'' سب نے یک زبان رحم کی اپیل کی۔ آپ ﷺ نے عفو و درگزر اور مروت و مہربانی کا وہ نمونہ پیش کیا جس کی تاریخ عالم میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپ ﷺ کے خون کے پیاسے دشمنوں کے دل لرز رہے تھے، نگاہیں جھکی ہوئی تھیں اور ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ یکایک انھوں نے سنا کہ رحمتِ مجسم ﷺ انھیں بخشش و امن کا پروانہ دے رہے اور فرما رہے ہیں:

اذهبوا فأنتم الطلقاء

''جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

آپ نے فرمایا: ''میں تمھیں وہی الفاظ کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہے تھے:

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ

''آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمھاری مغفرت کرے اور وہ ارحم الراحمین ہے۔''[1]

یہ ارشادات سن کر آپ ﷺ کے بدترین دشمن سناٹے میں آ گئے اور آپ ﷺ کے احترام میں ان کے سر ہی نہیں دل بھی جھک گئے۔ وہی ناآشنائے انسانیت لوگ جو پہلے آپ ﷺ کی صدائے دعوت سننے کے بھی روادار نہ تھے، کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے، اب ایسے فدائے حق بن گئے کہ ایک ایک کر حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے۔ بخششِ عام اور رحمتِ دوام کا یہی سبق تھا جو آپ ﷺ نے اپنے مبارک عمل سے پوری امت کو سکھایا اور ہمیشہ کے لیے قلوب کو مسخر کرنے کا سب سے بڑا گر بتایا۔

7 سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح و شام یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اللّٰهم إني أسألك العفو والعافية في الدنيا والآخرة، اللّٰهم إني أسألك العفو والعافية في ديني ودنياي وأهلي ومالي، اللّٰهم استر عوراتي وآمن روعاتي، اللّٰهم احفظني من

1 السنن الكبرى للبيهقي: 18739، صحيح البخاري: 4280.

[illegible]

''اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں معافی اور ہر طرح کے آرام و راحت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے اپنے دین و دنیا اور اپنے اہل و مال میں معافی اور عافیت و سلامتی کا طلب گار ہوں۔ اے اللہ! میرے عیب چھپا دے اور مجھے اندیشوں اور گھبراہٹوں سے امن عنایت فرما۔ یا اللہ! میرے آگے، میرے پیچھے، میرے دائیں، میرے بائیں اور میرے اوپر سے میری حفاظت فرما۔ اور میں تیری عظمت کے ذریعے سے اس بات کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں اپنے نیچے کی طرف سے ہلاک کر دیا جاؤں۔''[1]

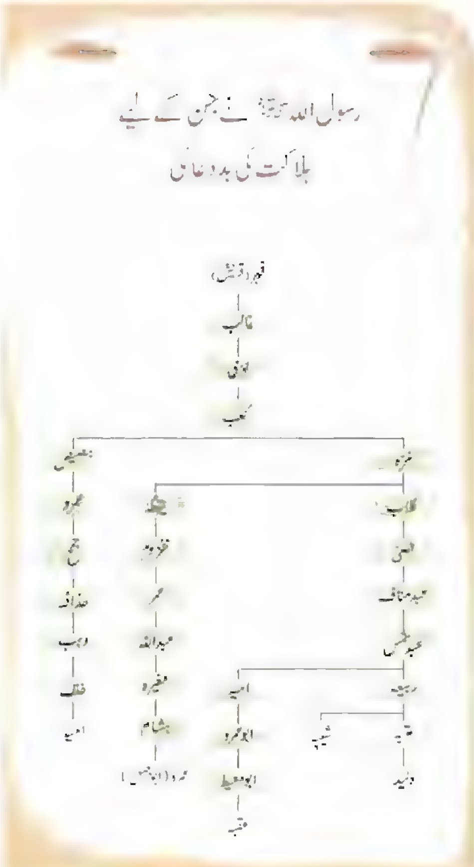
صبر و تحمل

رسول اللہ ﷺ کی عالی صفات میں سے ایک نمایاں صفت صبر و تحمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی نشر و اشاعت اور تبلیغ کے سلسلے میں صبر و ثبات کی ضرورت قدم بقدم رہتی ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے صبر از حد ضروری ہے۔ دشمنوں پر کامیابی اور نصرت الٰہی کے حصول کے لیے صبر شرط لازم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی صبر و تحمل، ناقابل تسخیر ایمان و یقین اور عزم و ثبات کی آئینہ دار ہے۔ آپ نے تبلیغ دین میں جس صبر، حوصلے اور ولولے سے کام لیا، وہ امت کے لیے بڑا شاندار اسوہ ہے۔ آئیے! سیرت نبوی میں صبر و تحمل کی تجلیاں دیکھیے۔

1 رسول اللہ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں ابوجہل، امیہ، ابولہب جیسے دشمنوں نے بے شمار تکالیف پہنچائیں لیکن آپ نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ آپ کی برداشت اور حوصلے کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیابی عطا فرمائی۔ کفار قریش کی اذیتیں روحانی اور جسمانی دونوں طرح کی ہوتی تھیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل اور اس کے ساتھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ آپس میں کہنے لگے: تم میں سے کون ہے جو فلاں قبیلے کی اونٹنی کی بچہ دانی لے آئے جسے وہ سجدے کی حالت میں محمد (ﷺ) کی پشت پر رکھ دے؟ چنانچہ ان میں سے ایک سب سے زیادہ بدبخت اٹھا اور بچہ دانی اٹھا لایا، پھر دیکھتا رہا۔ جب نبی ﷺ سجدے میں گئے تو اس نے اسے آپ کے دونوں شانوں کے درمیان پشت پر رکھ دیا۔ میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا لیکن بے بس تھا، کچھ کر نہ سکتا تھا۔ کاش! مجھے تحفظ حاصل ہوتا۔ پھر وہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو کر ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ سجدے ہی میں پڑے رہے، اپنا سر نہیں اٹھایا تا آنکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ کی پشت پر سے اسے اٹھا کر پھینک دیا۔

[1] سنن ابن ماجہ: 3871، سنن أبي داود: 5074



تب آپ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور تین مرتبہ یوں بددعا کی: ''یا اللہ! قریش سے بدلہ لے۔'' رسول اللہ ﷺ کا یوں بددعا کرنا ان پر بڑا گراں گزرا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس شہر میں دعا قبول ہوتی ہے۔ پھر آپ نے نام بنام فرمایا: ''یا اللہ! ابوجہل سے انتقام لے۔ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو ہلاک کر دے۔'' آپ نے ساتویں شخص کا بھی نام لیا لیکن میں وہ نام بھول گیا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نے ان لوگوں کو دیکھا جن کا نام رسول اللہ ﷺ نے لیا تھا، وہ بدر کے کنویں میں مرے پڑے تھے۔[1]

2 رسول اللہ ﷺ کی زندگی سادگی، قناعت اور زہد و تقوے کا مجموعہ تھی۔ آپ کے پاس جس قدر مال پہنچتا، آپ ضرورت مند احباب میں تقسیم فرما دیتے۔ اس کے باوجود بعض اوقات معترضین ناروا شکوہ کر دیتے اور آپ کو سخت اذیت پہنچتی مگر آپ صبر کرتے اور سابقہ اولوالعزم رسولوں کی مصائب بھری زندگیوں کو یاد کر کے خود کو تسلی دے لیتے۔ غزوۂ حنین میں مسلمانوں کو کثیر اموال حاصل ہوئے۔ آپ نے ہزاروں اونٹ، بکریاں، غلام اور سونا چاندی مسلمانوں میں تقسیم کیا۔ آپ نے نومسلموں کی تالیفِ قلبی کے لیے انھیں دیگر لوگوں سے زیادہ مال عطا کیا۔ اس پر ایک انصاری کی زبان سے یہ جملہ پھسل گیا:

''اس تقسیم سے اللہ کی رضا مقصود نہیں (بلکہ اپنی ذاتی پسند و ناپسند کو مدنظر رکھا گیا ہے)۔''

یہ کلمات سن کر آپ کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا۔ آپ نے کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی۔ صرف اتنا فرمایا: رحم الله موسى قد أوذي بأكثر من هذا فصبر ''اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، انھیں اس سے بھی زیادہ تکلیف دی گئی لیکن انھوں نے صبر سے کام لیا۔''[2]

1 صحیح البخاری، 240. 2 صحیح البخاری، 4335.

اس موقع پر ذوالخویصرہ تمیمی نے انتہائی بے ادبی سے کہا: اے محمد! عدل کیجیے۔ رسول اللہ ﷺ کو غصہ آ گیا۔ آپ نے فرمایا: "وَيْلَكَ، وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ" "تیری بربادی ہو۔ اگر میں نے عدل نہیں کیا تو پھر کون عدل کرے گا۔" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضور! اجازت دیجیے میں اس گستاخ کی گردن اتار دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

دَعْهُ فَإِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ يُنْظَرُ فِي قُذَذِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ ثُمَّ يُنْظَرُ فِي نَصْلِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ ثُمَّ يُنْظَرُ فِي رِصَافِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ ثُمَّ يُنْظَرُ فِي نَضِيِّهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ قَدْ سَبَقَ الْفَرْثَ وَالدَّمَ آيَتُهُمْ رَجُلٌ إِحْدَى يَدَيْهِ أَوْ قَالَ ثَدْيَيْهِ مِثْلُ ثَدْيِ الْمَرْأَةِ أَوْ قَالَ مِثْلُ الْبَضْعَةِ تَدَرْدَرُ يَخْرُجُونَ عَلَى حِينِ فُرْقَةٍ مِنَ النَّاسِ

"نہیں، اسے چھوڑ دو۔ اس کے کچھ ایسے ساتھی ہوں گے کہ تم ان کی نماز، روزے کے مقابلے میں اپنی نماز اور روزے کو حقیر خیال کرو گے لیکن وہ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کو زخمی کر کے نکل جاتا ہے۔ تیر کے پر کو دیکھا جائے تو اس پر کوئی نشان نہیں ہوتا۔ اس کے پھل کو دیکھا جائے تو وہاں بھی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اس کے پیکان کو دیکھا جائے تو وہاں خون کا دھبا نہیں ہوتا۔ اس کی لکڑی کو دیکھا جائے تو وہاں بھی کوئی نشان نہیں ہوتا، حالانکہ وہ شکار کی غلاظت اور خون سے گزر کر گیا ہے۔ ان کی نشانی ایک آدمی ہوگا جس کا ایک ہاتھ یا چھاتی عورت کی چھاتی کی طرح یا گوشت کے ٹکڑے کی طرح حرکت کرتا ہوگا۔ یہ لوگ مسلمانوں میں پھوٹ کے وقت پیدا ہوں گے۔"[1]

3 رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ مشرکین مکہ اور منافقین مدینہ کی اذیتوں کے صدموں سے بھری ہوئی ہے مگر آپ نے ہر موقع پر صبر و ثبات کا دامن تھامے رکھا اور ان تکالیف کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ منافقین آپ کو دکھ پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ منافقین نے آپ کی محبوب ترین زوجہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو آپ کی زندگی میں بھونچال آ گیا۔ تقریباً ایک ماہ تک وحی الٰہی بھی نہ آئی۔ یہ سانحہ واقعۂ افک کے نام سے مشہور ہے۔[2] منافقین کے شر عام مسلمانوں کے جگر بھی چھلنی کر رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے اہل خانہ نے مصیبتوں کے ان پہاڑوں کو بڑے صبر و ثبات کے ساتھ برداشت کیا۔

1 صحیح البخاری: 6933 ؛ 2 صحیح البخاری: 4141، واقعۂ افک کی مکمل تفصیل سیرت انسائیکلوپیڈیا 7/201-234 میں موجود ہے۔

4 نبی اکرم ﷺ کی ذاتی زندگی مسلمانوں کے لیے تمام معاملات میں اسوۂ حسنہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین بیٹے عطا فرمائے۔ تینوں بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات آپ کے بازوؤں میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ بھی رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''اے ابن عوف! یہ تو رحمت (الٰہی) کے باعث ہے۔'' پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر پر اپنے پختہ ایمان کا اظہار اس طرح کیا:

إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ، وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا، وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ

''آنکھ اشکبار اور دل غمزدہ ہے لیکن ہم زبان سے وہی کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے یقیناً غمگین ہیں۔''[1]

5 رسول اللہ ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ مدینہ کے سردار مخلص مسلمان بن جائیں تاکہ دعوت دین آسانی سے پھیل سکے۔ اس مقصد کے لیے آپ ان کی مجلسوں میں حاضر ہوتے اور انھیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کراتے۔ مگر آپ کو بعض منافقین کی بدتمیزی اور جہالت کا سامنا کرنا پڑتا جسے آپ صبر و حوصلے سے برداشت کرتے۔ آپ عفو و درگزر سے کام لے کر انھیں معاف فرما دیتے۔ ایک ایسا ہی واقعہ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے:

نبی ﷺ ایک گدھے پر سوار ہوئے جس پر پالان رکھا ہوا تھا اور نیچے فدک کی بنی ہوئی ایک مخملی چادر بچھی ہوئی تھی۔ آپ نے اپنے پیچھے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بٹھایا تھا۔ آپ بنو حارث بن خزرج میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ یہ غزوۂ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے۔ آپ ایک ایسی مجلس کے پاس سے گزرے جس میں مسلمان، بت پرست مشرک اور یہودی سب ہی شریک تھے۔ ان میں عبداللہ بن ابی ابن سلول بھی تھا۔ اس مجلس میں سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ جب مجلس پر سواری کا گرد و غبار پڑا تو عبداللہ بن ابی نے چادر سے اپنی ناک ڈھانپ لی اور کہنے لگا: ہمارے اوپر غبار نہ اڑاؤ۔ نبی ﷺ نے اہل مجلس کو سلام کیا اور وہاں رک گئے۔ آپ نے سواری سے اتر کر انھیں اللہ کے دین کی دعوت دی اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔ عبداللہ بن ابی کہنے لگا: اے آدمی! اس سے اچھی کوئی دوسری چیز نہیں ہے جو آپ کہتے ہیں۔ اگر یہ حق ہے تو

[1] صحیح البخاری: 1303

ہماری مجالس میں آ کر ہماری اذیت کا باعث نہ بنو، اپنے گھر چلے جاؤ، جو کوئی ہم میں سے تمھارے پاس آئے، اسے اپنی باتیں سنا دیا کرو۔ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ ہماری مجالس میں ضرور تشریف لایا کریں کیونکہ ہم اسے پسند کرتے ہیں۔ پھر مسلمانوں، مشرکوں اور یہودیوں میں اس بات پر تو تو، میں میں ہونے لگی۔ قریب تھا کہ وہ آپس میں لڑ پڑیں۔ نبی ﷺ انھیں مسلسل خاموش کراتے رہے۔ جب وہ چپ ہو گئے تو آپ ﷺ اپنی سواری پر بیٹھ کر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا: ''اے سعد! کیا تم نے سنا ہے آج ابوحباب نے کیا بات کی ہے؟ اس نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔'' آپ کا اشارہ عبداللہ بن ابی کی طرف تھا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اسے معاف کر دیں اور اس سے درگزر فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کو دیا ہے، وہ حق ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس بستی کے لوگ اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ اس شخص کی تاج پوشی کریں اور اس کے سر پر سرداری کی پگڑی باندھیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس منصوبے کو اس حق کی وجہ سے ختم کر دیا جو اس نے آپ کو عطا فرمایا ہے تو یہ بھڑک اٹھا ہے، اسی وجہ سے اس نے یہ کردار ادا کیا ہے جس کا آپ نے مشاہدہ کیا ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔[1]

6 رسول اللہ ﷺ کو روحانی اور جسمانی تکالیف پہنچائی گئیں۔ یہ تکالیف آپ کے مقام و مرتبے کے لحاظ سے بڑی شدید تھیں۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! سب سے زیادہ آزمائشیں کن لوگوں پر آتی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل، يبتلى الرجل على حسب دينه، فإن كان في دينه صلبا اشتد بلاؤه، وإن كان في دينه رقة ابتلي على قدر دينه، فما يبرح البلاء بالعبد حتى يتركه يمشي على الأرض وما عليه خطيئة»

''نبیوں پر (سب سے سخت آزمائش آتی ہے)، پھر جو ان کے بعد سب سے افضل ہیں، پھر جو ان کے بعد سب سے افضل ہیں۔ بندے پر اس کے دین کے مطابق آزمائش آتی ہے۔ اگر وہ اپنے دین (اور ایمان) میں مضبوط ہو تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے۔ اگر اس کا ایمان نرم ہو تو اس کے ایمان کے مطابق آزمائش آتی ہے۔ بندے پر آزمائش اور مصیبت آتی رہتی ہے حتی کہ اسے ایسا کر کے چھوڑتی ہے کہ وہ زمین پر چل پھر رہا ہوتا ہے اور اس کے ذمے کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔''[2]

[1] صحيح البخاري، 6254. [2] جامع الترمذي، 2398.

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کو بخار تھا۔ میں نے ہاتھ لگا کر دیکھا تو عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کو بڑا شدید بخار ہے۔ آپ نے فرمایا:

أَجَلْ، إِنِّي أُوعَكُ كَمَا يُوعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ

''ہاں، مجھے اتنا تیز بخار ہوتا ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو ہوتا ہے۔''

میں نے عرض کی: کیا یہ دہرا بخار (اور تکلیف) اس لیے ہے کہ آپ کو اجر وثواب بھی دہرا ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا:

أَجَلْ، ذَلِكَ كَذَلِكَ، مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى، شَوْكَةٌ فَمَا فَوْقَهَا، إِلَّا كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا سَيِّئَاتِهِ، كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا

''ہاں یہی بات ہے۔ مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے، وہ کانٹا ہو یا اس سے کم، اس کے باعث اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو ایسے ختم کر دیتا ہے جیسے درخت اپنے پتے گرا دیتا ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی زندگی مومنوں کے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ آپ کے صبر وثبات سے ہمیں بھی سبق ملتا ہے کہ زندگی میں آنے والی تکالیف اور آزمائشوں پر صبر کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور انھیں بے حساب اجر وثواب سے نوازتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾

''اور ہم تمھیں کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں، جانوں اور پھلوں میں کمی کر کے ضرور آزمائیں گے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے۔ وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے رب کی طرف سے بخشش اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔''[2]

نیز فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

''صرف صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا اجر بے حساب دیا جائے گا۔''[3]

[1] صحیح البخاري: 5648. [2] البقرۃ 2: 155-157. [3] الزمر 10:39

امت کو صبر و تحمل کی تلقین

رسول اکرم ﷺ نے امت کو صبر و حوصلے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

1 «ما يصيب المسلم من نصب ولا وصب ولا هم ولا حزن ولا أذى ولا غم حتى الشوكة يشاكها إلا كفر الله بها من خطاياه»

''مسلمان کو جو بھی پریشانی، بیماری، رنج و ملال، تکلیف اور غم پہنچتا ہے یہاں تک کہ اسے کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔''[1]

2 «لا يموت لمسلم ثلاثة من الولد فيلج النار إلا تحلة القسم» قال أبو عبد الله: ﴿وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا﴾

''جب کسی مسلمان کے تین بچے فوت ہو جائیں، وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ صرف قسم کو پورا کرنے کے لیے دوزخ پر وارد ہوگا۔'' ابو عبداللہ (امام بخاری) نے فرمایا: اس سے مراد اللہ کا یہ فرمان ہے: ''اور تم میں سے ہر شخص اس (جہنم) پر وارد ہونے والا ہے۔''[2]

3 «ما يكون عندي من خير لا أدخره عنكم، وإنه من يستعفف يعفه الله، ومن يتصبر يصبره الله، ومن يستغن يغنه الله، ولن تعطوا عطاء خيرا وأوسع من الصبر»

''جو اچھی چیز میرے پاس ہے، وہ میں تم سے چھپا کر نہیں رکھتا، لیکن بات یہ ہے کہ جو تم میں سے بچتا رہے گا، اللہ اس کو بچائے گا۔ جو صبر کرنا چاہے، اللہ اسے صبر دے گا اور جو کوئی غنا چاہتا ہے، اللہ اسے مستغنی کر دے گا۔ اور تمھیں صبر سے بہتر اور وسیع تر کوئی چیز نہیں ملی۔''[3]

4 سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ما من مسلم تصيبه مصيبة فيقول ما أمره الله: إنا لله وإنا إليه راجعون، اللهم أجرني في مصيبتي وأخلف لي خيرا منها، إلا أخلف الله له خيرا منها»

''جس مسلمان کو کوئی تکلیف یا مصیبت پہنچتی ہے اور وہ وہی دعا پڑھتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے پڑھنے کا حکم دیا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس (چھن جانے والی نعمت) سے بہتر نعمت عطا کر دیتا ہے۔ وہ دعا یہ ہے:

1 صحیح البخاري: 5641، 5642. 2 صحیح البخاري: 1251. 3 صحیح البخاري: 6470.

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، اللّٰهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا ''بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہم اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! مجھے میری مصیبت میں اجر و ثواب عطا فرما اور اس کا نعم البدل عطا فرما۔''[1]

عدل و انصاف

عدل و انصاف ایک عظیم خوبی ہے جو مظلوم کی قوی امید، اس کی داد رسی کا مضبوط سہارا، صالح لوگوں کا وتیرہ اور مومنوں کی کامیابی و کامرانی کا ذریعہ ہے۔ سید الانبیاء والمرسلین محمد ﷺ اس خوبی سے خوب بہرہ مند تھے۔ آپ نے اپنی جان، اہل خانہ، خاندان، برادری، قرابت دار اور دور والے، دوست اور دشمن سب کے ساتھ عدل و انصاف کی اعلیٰ ترین مثالیں قائم کیں جس سے مدنی معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بن گیا۔ معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے، ظالم کے ہاتھ روکنے اور مظلوم کی بروقت دادرسی کے لیے عدل و انصاف کی اہمیت مسلم ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ کے لیے (حق پر) قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو، یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو، بے شک تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اس سے خوب آگاہ ہے۔''[2]

اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی ہے، اس لیے یہ تمام مشکلات حل کرنے کا عادلانہ نظام بھی پیش کرتا ہے۔ سید الانبیاء رحمت عالم ﷺ نے عدل و انصاف کے تقاضے کس طرح پورے کیے اور معاشرے میں روا ظلم کے سامنے کس طرح بند باندھا؟ اس کی چند مثالیں دیکھیے:

1. سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مخزومی عورت نے چوری کر لی۔ سرداران قریش پریشان ہوگئے کہ اگر اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو بڑی رسوائی ہوگی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ سے سزا معاف کرنے کی بات کون کرے؟ بالآخر فیصلہ ہوا کہ آپ کے محبوب اور لاڈلے خادم اسامہ رضی اللہ عنہ سے سفارش کرائی جائے۔ کیونکہ ایسی جرأت کوئی اور نہیں کر پائے گا۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے بات کی تو رسول اللہ ﷺ سخت ناراض ہوئے۔ آپ نے امت کو تنبیہ

1 صحیح مسلم 918 2 المائدہ 5:8

کرتے ہوئے فرمایا:

«أتشفع في حد من حدود الله؟» ثم قام فاختطب، ثم قال: «إنما أهلك الذين قبلكم أنهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف تركوه، وإذا سرق فيهم الضعيف أقاموا عليه الحد، وايم الله لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها»

''(اے اسامہ!) کیا تم اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟'' پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں کو اس امر نے تباہ کیا کہ جب ان میں سے کوئی دولت مند اور معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور اور غریب آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر (میری لخت جگر) فاطمہ بنت محمد (ﷺ) بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔''[1]



2 رسول اللہ ﷺ معاشرے میں ہر طرح کے عدل و انصاف کے داعی تھے۔ آپ مظلوموں کی داد رسی اور ان کے ساتھ تعاون میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے تھے۔ پھر بھلا آپ اپنی ذاتِ گرامی کو عدل و انصاف کے لیے کیوں پیش نہ فرماتے۔

علامہ ابن اسحاق اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر والے دن مجاہدین کی صفیں درست کر رہے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا جس کے اشارے سے آپ صف بندی کر رہے تھے۔ سیدنا سواد بن غزیہ ؓ صف سے کچھ آگے کھڑے تھے، آپ نے تیر آگے کر کے انھیں پیچھے ہونے کو کہا۔ ان کے پیٹ میں تیر چبھا تو انھوں نے فوراً عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق دے کر اور عدل و انصاف کا داعی بنا کر معبوث کیا ہے، آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔ لہٰذا مجھے بدلہ دیجیے۔ آپ نے فوراً اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا: ''لو بدلہ لے لو۔''

1 صحیح البخاري: 3475

سیدنا سواد رضی اللہ عنہ فوراً آپ سے چمٹ گئے اور آپ کے بطن مبارک کو بوسہ دینے لگے۔ آپ نے پوچھا:

مَا حَمَلَكَ عَلَى هَذَا يَا سَوَادُ؟

''اے سواد! تم نے ایسے کیوں کیا؟''

سیدنا سواد رضی اللہ عنہ نے محبت سے سرشار ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جنگ کا میدان گرم ہے، بس دل میں یہ تمنا جاگ اٹھی کہ اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوتے آخری بار آپ کے جسد مبارک کو چھونے کے لیے آپ ﷺ سے لپٹ جاؤں۔ بس یہی آرزو پوری کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر انھیں دعا دی۔[1]

3 غزوۂ حنین کے موقع پر ایک بے وقوف شخص نے آپ کی حکمت بھری تقسیم پر اعتراض کیا تو آپ نے وضاحت فرما دی کہ میں ان نومسلموں کو اسلام کے قریب کرنے اور پکا کرنے کے لیے زیادہ مال دے رہا ہوں۔ اس شخص نے بدتمیزی اور جہالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: اے محمد! اللہ سے ڈریے (عدل کیجیے)۔ آپ نے فرمایا:

مَنْ يُطِعِ اللَّهَ إِذَا عَصَيْتُ؟ أَيَأْمَنُنِي اللَّهُ عَلَى أَهْلِ الْأَرْضِ فَلَا تَأْمَنُونِي

''اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے لگوں تو اور کون اس کی فرمانبرداری کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے تو مجھے اہل زمین پر امین بنایا ہے لیکن تم مجھے امین نہیں سمجھ رہے۔''[2]

4 رسول اللہ ﷺ نے خانگی زندگی میں عدل و انصاف کر کے دکھایا تاکہ امت بھی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ عادلانہ زندگی گزارے۔ جس خاندان میں عدل و انصاف ہوگا، وہ خاندان محبت و الفت کا گہوارہ ہوگا۔ اگر خاندان میں ظلم کا راج ہو تو وہ خاندان ٹوٹ جاتا ہے۔ آپ کا اسوۂ مبارکہ یہ تھا کہ آپ سب ازواج مطہرات کو یکساں نان و نفقہ عطا فرماتے تھے۔ سب کو یکساں وقت دیتے تھے۔ سب کی دلجوئی فرماتے اور سب کی ضروریات زندگی احسن طریقے سے پوری فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي

''تمھارا بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہو، اور میں تم سب سے بڑھ کر اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہوں۔''[3]

یہ آپ کا عدل و انصاف ہی تھا کہ آپ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے تمام ازواج مطہرات کو باری کے مطابق حق زوجیت

1 السيرة لابن هشام: 2/626، السلسلة الأحاديث الصحيحة: 2835. 2 صحيح البخاري: 3344. 3 سنن ابن ماجه: 1977.

کیا کرتے۔ جب کسی سفر پر روانہ ہونے کا پروگرام بناتے تو قرعہ اندازی کرتے۔ جس زوجہ محترمہ کا نام نکل آتا، آپ اسے ساتھ لے جاتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے۔ جس کے نام قرعہ نکلتا، اسے اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے۔ آپ ﷺ نے اپنی ہر بیوی کے لیے ایک دن اور ایک رات کی باری مقرر کر رکھی تھی لیکن سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی۔ اس سے وہ رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتی تھیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی خانگی زندگی کے واقعات ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

5 آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے جانے والے مقدمات کے فیصلے بے لاگ عدل و انصاف پر مبنی ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے یہودی بھی اپنے مقدمے آپ ﷺ ہی کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ بعض اوقات مسلمان اور یہودی باہم جھگڑ رہے ہوتے تو آپ دونوں میں پورے انصاف سے فیصلہ فرما دیتے۔ آپ کے فیصلوں پر غیر مسلم بھی پوری طرح مطمئن ہوتے تھے۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينِ صَبْرٍ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ هُوَ فِيهَا فَاجِرٌ لَقِيَ اللَّهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ»

''جس نے کسی مسلمان کا مال ہڑپ کرنے کے لیے جھوٹی قسم اٹھائی تو وہ اللہ سے اس حالت میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔''

سیدنا اشعث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

فِيَّ وَاللَّهِ كَانَ ذَلِكَ، كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ مِنَ الْيَهُودِ أَرْضٌ فَجَحَدَنِي فَقَدَّمْتُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَلَكَ بَيِّنَةٌ؟» قُلْتُ: لَا، فَقَالَ لِلْيَهُودِيِّ: «احْلِفْ» قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِذًا يَحْلِفَ وَيَذْهَبَ بِمَالِي، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا...﴾

''اللہ کی قسم! یہ حدیث میرے متعلق وارد ہوئی ہے۔ ہوا یوں کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان زمین کا تنازع تھا۔ اس نے مجھے زمین دینے سے انکار کر دیا تو میں اسے نبی ﷺ کے پاس لے گیا۔ رسول اللہ ﷺ

[1] صحیح البخاری: 2688

نے مجھ سے دریافت فرمایا: ”تیرے پاس کوئی دلیل (گواہ) ہے؟“ میں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے یہودی سے کہا: ”تم قسم اٹھاؤ۔“ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ تو قسم اٹھا کر میرا مال لے اڑے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسم کو معمولی قیمت کے عوض بیچ ڈالتے ہیں......“[1]

6 والدین اولاد سے خدمت واکرام چاہتے ہیں تو والدین کو بھی عدل کرنا چاہیے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اولاد کے مابین محبت وشفقت، عطیہ اور ہبہ میں برابری رکھنے کا حکم دیا ہے۔ کسی ایک بچے کو نوازنا اور باقی کو محروم کرنا ظلم ہے۔ اس کے نتائج بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ اولاد میں دشمنی اور نفرت پھیلتی ہے۔ اولاد والدین کی نافرمان ہوجاتی ہے، اس لیے آپ نے اولاد کے مابین عدل کرنے کا حکم دیا ہے۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی پیدائش پر ان کے والد نے انھیں ایک باغ عطیہ دیا۔ ان کی والدہ سیدہ عمرہ بنت رواحہ نے گزارش کی کہ میں اپنے بیٹے کا یہ عطیہ اس شرط پر قبول کروں گی کہ رسول اللہ ﷺ اس پر گواہ بن جائیں۔ جب سیدنا بشیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی تو آپ نے پوچھا: [illegible] ”کیا تم نے اپنے سارے بچوں کو ایسے ہی عطیے دیے ہیں؟“ انھوں نے عرض کی: نہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ”اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔“ لہٰذا یہ عطیہ واپس کر دیا گیا۔[2]

دوسری روایت میں آپ ﷺ نے اسے ظلم قرار دیا اور فرمایا: [illegible] ”میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔“[3]

رسول اللہ ﷺ نے امت کو عدل وانصاف کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

”یقینا انصاف کرنے والے (قیامت کے روز) رحمان کی دائیں جانب نورانی منبروں پر رونق افروز ہوں گے اور رحمان عزوجل کے دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں۔ وہ لوگ جو اپنے فیصلوں، اہل وعیال اور ماتحتوں کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔“[4]

”عدل کرنے والے حکمران قیامت کے دن عرش الٰہی کے سائے سے فیض یاب ہوں گے جب اس کے سائے کے

1 صحیح البخاري: 2416، 2 صحیح البخاري: 2587، 3 صحیح البخاري: 2650، 4 صحیح مسلم: 1827.

علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا۔"[1]

رحمت و شفقت

اللہ رحمان و رحیم ہے۔ اس کی رحمت و مہربانی سے کائنات کا ذرہ ذرہ مستفید ہو رہا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے بھی رحمت الٰہی سے بہت بڑا نصیب پایا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت ہی سے آپ امت کے لیے سراپا رحمت و شفقت بنے۔ آپ امت کے لیے صبر و حوصلہ، حلم و برداشت اور رحمت و شفقت کے وصف میں اسوۂ حسنہ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾

"اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو تمام جہانوں پر رحمت کرنے کے لیے ہی بھیجا ہے۔"[2]

آپ کی رحمت و شفقت اور امت کے لیے مہربانی اور ہمدردی کو اللہ رب العزت نے بڑی اہمیت دی ہے اور آپ ﷺ کے اس وصف خاص کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾

"(لوگو!) یقیناً تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آیا ہے، اس پر تمھارا تکلیف میں مبتلا ہونا گراں (گزرتا) ہے، وہ تمھارے لیے (بھلائی کا) حریص ہے، مومنوں پر نہایت شفیق، بہت رحم کرنے والا ہے۔"[3]

رسول اللہ ﷺ کی رحمت و مہربانی سے معاشرے کے تمام طبقات یکساں طور پر بہرہ مند ہوتے تھے۔ بزرگ، خواتین، بچے، جانور اور جمادات بھی آپ کی رحمت سے فیض یاب ہوئے۔ آیئے رسول اللہ ﷺ کی مہربانی اور شفقت کے چند نمونے دیکھیے:

1 رسول اللہ ﷺ کی دعوتی اور تبلیغی کوششوں کے دوران بے شمار ایسے مواقع آئے جب دشمنان اسلام نے آپ کو سخت تکالیف دیں۔ آپ کے ابتدائی ساتھیوں کو طرح طرح کے مصائب اور اذیتوں میں مبتلا کیا۔ ان کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر جب صحابہ آپ سے شکایت کرتے اور مشرکوں کے خلاف بددعا کرنے کی التجا کرتے تو آپ جواباً فرماتے:

«إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا، وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً»

"مجھے لعنت کرنے والا نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔"[4]

1 دیکھیے: صحیح البخاری: 1423۔ 2 الانبیاء 21:107۔ 3 التوبۃ 9:128۔ 4 صحیح مسلم: 2599

آپ ﷺ نے مزید فرمایا

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ

''اے لوگو! میں سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''[1]

2 اسلام نے معاشرے میں بزرگوں کی قدر و قیمت اور مقام و مرتبے کو عظیم تر بنا دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے بزرگوں کی خدمت، احترام اور ان سے حسن سلوک کی تربیت دیتے ہوئے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا

''جو شخص ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت و احترام نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔''[2]

والدین کے ساتھ حسن سلوک کو واجب قرار دیا گیا۔ ان کے احترام میں ادنیٰ سی کمی بھی رحمت عالم ﷺ کو گوارا نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۝

''اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین سے اچھا سلوک کرو۔ اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں تیرے ہاں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو تو ان سے اف تک نہ کہہ اور انھیں مت جھڑک، اور ان سے نرم (لہجے میں ادب و احترام سے) بات کر۔ اور ان کے لیے رحم دلی سے عاجزی کے ساتھ اپنا بازو (پہلو) جھکائے رکھ اور کہہ: اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسے انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔''[3]

یہ آپ ﷺ کی رحمت و شفقت ہی ہے کہ آپ نے اولاد کے لیے والدین کے حقوق کو سب پر مقدم کیا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تیری ماں۔'' اس نے کہا: ان کے بعد کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تیری ماں۔'' اس نے تیسری بار عرض کی: پھر کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تیری ماں۔'' اس نے کہا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: ''پھر تمھارا باپ ہے۔''[4]

1 سلسلة الأحاديث الصحيحة: 490۔ 2 جامع الترمذي: 1919۔ 3 بنی اسرائیل 17: 23، 24۔ 4 صحیح البخاری: 5971

آپ ﷺ نے والدہ کو جنت کے حصول کا اہم ترین ذریعہ قرار دیا۔ جبکہ والد کو جنت کا اعلیٰ ترین دروازہ قرار دے کر اولاد کے لیے واضح کر دیا کہ ان دو ہستیوں کی خدمت کیے بغیر تم جنت میں نہیں پہنچ سکتے۔ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَإِنْ شِئْتَ فَأَضِعْ ذَلِكَ الْبَابَ أَوِ احْفَظْهُ

''والد جنت کا سب سے اعلیٰ دروازہ ہے۔ اگر چاہو تو اس کو گرا دو یا اس کی حفاظت کر لو۔''[1]

3 مدنی معاشرے میں نبی اکرم ﷺ کی رحمت و مہربانی تمام طبقات کے لیے عام تھی۔ کمزور طبقات خصوصاً غلام، بچے اور خواتین آپ کی رحمت سے خاص طور پر مستفید ہوئے۔ غلاموں کی آزادی کے لیے طرح طرح کے قانون قاعدے اور ضابطے بنے۔ آپ نے مختلف جرائم کے کفارے میں غلاموں کو آزاد کرانے کی ترغیب دی۔ انھیں آزاد کرنے پر جنت کی بشارت دی اور غلاموں پر ظلم و ستم کی سختی سے ممانعت فرمائی۔ ارشاد نبوی ہے:

مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُسْلِمَةً أَعْتَقَ اللَّهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ حَتَّى فَرْجَهُ بِفَرْجِهِ

''جس نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ غلام کے ایک ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو جہنم سے آزاد کر دے گا حتیٰ کہ اس (غلام) کی شرمگاہ کے عوض اس (آزاد کرنے والے) کی شرمگاہ بھی دوزخ سے آزاد ہو جائے گی۔''[2]

آپ نے غلاموں اور خادموں کے ساتھ خصوصی شفقت و مرحمت کا حکم دیا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے خادم کو کتنی بار معاف کروں؟ آپ نے فرمایا:

كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً

''ہر روز ستر بار معاف کر دیا کرو۔''

عرب معاشرے میں خواتین انتہائی ظلم اور ذلت کا شکار تھیں۔ ان کی حیثیت غلاموں سے بھی بدتر تھی۔ آپ نے انھیں بلند ترین مقام عطا فرمایا۔ بحیثیت ماں، بیٹی، بہن، خالہ اور پھوپھی وغیرہ انھیں عزت و اکرام کی سب سے اونچی مسند پر بٹھایا۔ ان کی دیکھ بھال خدمت اور احترام پر زور دیا۔ ان کی کفالت پر جنت کی بشارت دی اور انھیں وراثت میں حصہ دار بنا کر ان کے حقوق کو تاقیامت محفوظ کر دیا۔

4 بچوں کے ساتھ آپ کی محبت، شفقت اور لاڈ پیار بے مثال تھا۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

[1] جامع الترمذي: 1900، سنن ابن ماجه: 3663 [2] صحيح البخاري: 6715

نے فرمایا:

إِنِّي لَأَقُومُ فِي الصَّلَاةِ أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ

''میں نماز شروع کرتا ہوں تو اسے طول دینا چاہتا ہوں، پھر میں (کسی) بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز کو مختصر کر دیتا ہوں۔ اس کو ناپسند کرتے ہوئے کہ اس (بچے) کی ماں کو تکلیف میں مبتلا کروں۔''[1]

بچوں کے ساتھ اظہار شفقت کے لیے ان کا منہ چومنا بھی سرور کائنات ﷺ کا اسوہ ہے۔ آپ سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا منہ چوما کرتے تھے۔ ایک بار آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا بوسہ لیا۔ اس وقت آپ کی خدمت میں اقرع بن حابس تمیمی بیٹھا ہوا تھا۔ اسے بڑی حیرت ہوئی۔ وہ کہنے لگا: میرے دس بیٹے ہیں لیکن میں نے کبھی کسی کا منہ نہیں چوما۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا اور فرمایا:

مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ

''جو رحم نہیں کرتا، (اللہ کی طرف سے) اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔''[2]

صحیح مسلم کی روایت میں آپ کے الفاظ یہ ہیں:

أَوَأَمْلِكُ إِنْ كَانَ اللّٰهُ نَزَعَ مِنْكُمُ الرَّحْمَةَ

''اگر اللہ تم سے رحمت چھین لے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔''

دوسری روایت میں ہے:

أَنْ نُزِعَتْ مِنْكَ الرَّحْمَةُ

''اگر تمھارے دل سے رحمت چھین لی جائے تو میں تمھارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔''[3]

گویا بچوں سے شفقت و رحمت سے پیش نہ آنے والا شخص اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔

رسول اللہ ﷺ بچوں کے ساتھ دل لگی کی باتیں کرتے تھے۔ انھیں بڑے پیار سے بلاتے اور کھیل کود میں ان کی حوصلہ افزائی کرتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف لایا کرتے تھے۔ ان دنوں میرا چھوٹا بھائی عمیر ایک چڑیا سے کھیلا کرتا تھا۔ ایک دن وہ چڑیا مر گئی، عمیر کو بڑا غم ہوا۔ آپ نے اس کی

[1] صحیح البخاری، 707. [2] صحیح البخاری، 5997. [3] صحیح مسلم، 2317.

دلجوئی کرتے ہوئے اور اظہار محبت کے لیے فرمایا:

يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟

''اے ابو عمیر! تمھاری چڑیا کو کیا ہوا؟''[1]

بچوں کے ساتھ شفقت ومحبت اور پیار کی بے شمار مثالیں سیرت طیبہ میں موجود ہیں۔

5 جانوروں سے بھی آپ ﷺ بڑی رحم دلی کا برتاؤ فرماتے تھے۔ جانور آپ کی خدمت میں خود حاضر ہو کر اپنے اوپر ہونے والے مظالم کی شکایات کیا کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص جانوروں کو بلاوجہ تنگ کرتا تو آپ اسے برا محسوس کرتے اور فوراً تنبیہ فرماتے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس دوران ہمیں ایک خوبصورت چڑیا اور اس کے بچے نظر آئے۔ ہم نے اس کے بچے پکڑ لیے۔ چڑیا بچوں کی رہائی کے لیے بے چین ہوگئی اور ہمارے سروں پر منڈلانے لگی۔ اس کی دردانگیز آواز سن کر آپ متوجہ ہوئے اور فرمایا:

مَنْ فَجَعَ هَذِهِ بِوَلَدِهَا؟ رُدُّوا وَلَدَهَا إِلَيْهَا

''اس چڑیا کو اور اس کے بچوں کو کس نے پریشان کیا ہے؟ اسے اس کے بچے لوٹا دو۔''

اسی دوران آپ نے دیکھا کہ ہم نے چیونٹیوں کا بل جلا کر اسے راکھ بنا دیا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ یہ غلطی ہم سے ہوگئی۔ آپ نے فرمایا:

إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ

''آگ کا عذاب دینا کسی شخص کے لیے جائز نہیں۔ یہ صرف آگ کا رب ہی دے سکتا ہے۔''[2]

آپ نے امت کو بھی رحم دلی سکھائی۔ اپنے ماتحتوں، جانوروں، اولاد اور تمام لوگوں کے ساتھ شفقت ومہربانی سے پیش آنے کا حکم دیا۔ آپ نے ظلم وستم سے رکنے کی تاکید اور رحمت کرنے کی ترغیب دی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک شخص جا رہا تھا، اس کو سخت پیاس لگی، وہ ایک کنویں میں اترا اور پانی پیا۔ جب وہ باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے ہانپ رہا ہے اور گیلی مٹی چاٹ رہا ہے۔ اس شخص نے (دل میں) کہا کہ اسے بھی اسی طرح پیاس لگ رہی ہے جس طرح مجھے لگ رہی تھی۔ (وہ پھر کنویں میں اترا اور) اس نے اپنا موزہ پانی سے بھرا، اسے منہ میں لےکر اوپر چڑھا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ

[1] صحيح البخاري، 6129 [2] سنن أبي داود، 2675.

نے اس کی قدردانی کرتے ہوئے اس کو معاف کر دیا۔" صحابہ کرام نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا ہمیں چوپایوں کی خدمت کرنے میں بھی اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: "ہر وہ جگر جو زندہ ہے، اس کی خدمت میں اجر ہے۔"[1]

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک ایسی عورت کو عذاب میں مبتلا کر دیا گیا جس نے ایک بلی کو تڑپا تڑپا کر مار دیا تھا۔ اسے کھانے کو کچھ نہ دیا، نہ اسے کھلا چھوڑا کہ وہ کیڑے مکوڑے ہی کھا لیتی۔ جب بلی بھوکی پیاسی مر گئی تو وہ عورت اس بے رحمی کی وجہ سے جہنم رسید ہوگئی۔[2]

آپ جانوروں کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیتے۔ اگر کسی جانور کو ذبح کرنا مقصود ہوتا تو اس مقصد کے لیے بھی اسے بہترین طریقے سے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ چھری کو تیز کرنے کی تاکید کی تاکہ جانور کو زیادہ اذیت نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

إن الله كتب الإحسان على كل شيء، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، وليحد أحدكم شفرته، فليرح ذبيحته

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے۔ لہٰذا جب تم قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو اور جب جانور ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔ اپنی چھری کو تیز کرو اور جانور کو آرام پہنچاؤ۔"[3]

لہٰذا رحمت عالم کی امت کو بھی رحیم ہونا چاہیے۔ انھیں معاشرے کے تمام طبقات کے ساتھ رحمت و مہربانی سے پیش آنا چاہیے۔ ان کے معاملات، عبادات اور عادات و اطوار میں شفقت اور محبت کی روشنی نظر آنی چاہیے۔

عاجزی و انکسار

رسول اللہ ﷺ کی زندگی عجز و انکسار اور تواضع کا مرقع تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی یگانہ عظمت اور قدر و منزلت عطا فرمائی جو کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔ آپ کی عالی شان اور ارفع مقام کے آگے ہر مرتبہ اور مقام ہیچ ہے۔ اس اعلیٰ مرتبے کے باوجود آپ عجز و انکسار کے پیکر تھے۔ آپ ﷺ کے معاملات میں تکبر و غرور کا شائبہ تک نہ تھا۔ آپ مومنوں کے ساتھ ایک بھائی کی حیثیت سے پیش آتے۔ کفار کے ساتھ بھی عاجزی اور انکسار کے ساتھ معاملات طے کرتے۔ آپ کی مجلس میں باہر سے آنے والا شخص آپ میں کوئی امتیاز نہ دیکھتا۔ آپ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور تواضع سے سرشار بندے تھے۔ کسی قسم کا امتیاز و برتری آپ کی طبیعت کا حصہ نہ تھی۔ سیدنا ابوہریرہ اور ابوذر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان بلا امتیاز بیٹھ جاتے تھے حتی کہ مسافر شخص پہچان نہیں

1 صحیح البخاری: 2363. 2 دیکھیے: صحیح البخاری: 2365. 3 صحیح مسلم: 1955.

پاتا تھا۔ وہ آکر پوچھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کون ہیں؟ ہمارے بتانے پر اسے معلوم ہوتا کہ حاضرین میں سے رسول اللہ ﷺ کون ہیں۔ ہم نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ کیا ہم آپ کے لیے خصوصی نشست تیار کر دیں تاکہ مسافروں اور مہمانوں کو پوچھنا نہ پڑے۔ چنانچہ آپ کی اجازت سے ہم نے آپ کے لیے مٹی کا چبوترہ سا بنا دیا۔ آپ اس پر تشریف فرما ہو جاتے اور ہم آپ کے اردگرد بیٹھ جاتے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی ذاتی، انفرادی، گھریلو اور خانگی زندگی میں تواضع کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ آئیے چند مثالیں دیکھیے:

1 اگر کوئی شخص آپ کی تعریف و توصیف میں مبالغہ آرائی کرتا تو آپ فوراً ٹوک دیتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: اے محمد! اے ہمارے سردار! اے سردار کے لخت جگر! اے ہمارے بہترین اور بہترین شخص کے چشم و چراغ! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

''اے لوگو! اللہ سے ڈرو، تمھیں شیطان گمراہ نہ کر دے۔ میں محمد بن عبداللہ، اللہ کا بندہ اور رسول ہوں۔ اللہ کی قسم! مجھے یہ بات پسند نہیں کہ تم مجھے اس مقام سے بڑھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے۔''[2]

2 رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ بڑا قریبی تعلق رکھتے تھے۔ ان کی خبر گیری کرتے، ان کی خوشی اور غمی میں شریک ہوتے، ان کی مدد فرماتے اور ان کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرتے۔ آپ سفر کے دوران اپنے ساتھیوں کا خاص خیال رکھتے۔ اگر کسی کی سواری بیمار ہو جاتی تو اس کو متبادل سواری مہیا فرماتے۔ آپ ﷺ کے ان معاملات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک مہربان معلم، رحم دل قائد، مشفق ساتھی اور نہایت محبت کرنے والے مربی تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کثرتِ عبادت کی وجہ سے بڑے مشہور تھے۔ ان کی نئی نویلی دلہن کو بھی شکوہ تھا کہ وہ رات بھر تہجد پڑھتے اور دن کو نفلی روزہ رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ بہ نفس نفیس سیدنا عبداللہ بن عمرو کے گھر ان کی اصلاح کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں میزبان اور مہمانِ گرامی کے درمیان کیا گفتگو ہوئی؟ آئیے صحیح بخاری کی روایت میں پڑھتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میرے روزوں کا تذکرہ ہوا تو

---

1 سنن أبي داود: 4698؛ 2 مسند أحمد: 12551

آپ ﷺ میرے ہاں تشریف لائے۔ میں نے آپ ﷺ کے لیے چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، رکھ دیا۔ آپ زمین پر بیٹھ گئے اور تکیہ میرے اور آپ کے درمیان پڑا رہا۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تمھیں ہر مہینے میں تین روزے کافی نہیں؟'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول!...... آپ نے فرمایا: ''پانچ روزے۔'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول!... آپ نے فرمایا: ''سات روزے۔'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول!... آپ نے فرمایا: ''نو روزے۔'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول!... آپ نے فرمایا: ''گیارہ روزے؟'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول!... پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت داود علیہ السلام کے روزوں سے بڑھ کر کوئی روزہ افضل نہیں۔ وہ نصف سال کے روزے رکھتے تھے۔ تم ایک دن کا روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو۔''[1]

3 آپ ﷺ اپنے ایک ایک صحابی کا [illegible] قریب سے خیال رکھتے تھے [illegible] آپ نا [illegible] اور [illegible] کرتے تھے۔ آپ کے ساتھ ایک [illegible] تھے [illegible] آپ نے [illegible] ''[illegible]''

صحابہ نے عرض کیا: [illegible] فلاں [illegible] آپ نے پوچھا: ''[illegible]'' [illegible] آپ نے [illegible] پوچھا: ''[illegible]'' [illegible] آپ نے فرمایا: [illegible] [illegible] تھے [illegible]

[illegible]

''[illegible] اے اللہ! [illegible] اس سے راضی ہو جا۔''

پھر آپ نے انھیں اپنے بازوؤں میں اٹھایا۔ ان کی قبر کھودی گئی، پھر انھیں دفن کیا گیا۔[2]

4 ہمارے رسول اعظم ﷺ اپنی قوم کی قیادت کرنے کو [illegible] نہیں سمجھتے تھے بلکہ آپ ﷺ اپنے ہر ایک شخص سے اپنی امت کو پیار [illegible] فرماتے تھے۔ آپ قیامت کے دن بھی اپنی امت کا [illegible] [illegible]

[1] [illegible] 1159 [illegible]

تھوڑا سا پانی تھا جبکہ پورا لشکر پیاسا تھا۔ آپ ﷺ نے اس برتن سے پانی انڈیلا اور مجھے پکڑا کر فرمایا کہ تم پلاتے جاؤ۔ انھوں (ابوقتادہ رضی اللہ عنہ) نے ایک ایک مجاہد کو خوب جی بھر کے پانی پلایا۔ آخر میں سیدنا ابوقتادہ اور امام الانبیاء ﷺ رہ گئے تو آپ نے فرمایا: ''ابوقتادہ! تم پیو۔'' انھوں نے عرض کی: آپ پی لیں۔ آپ نے فرمایا:

(ساقي القوم آخرهم شربا) ''قوم کو پلانے والا سب سے آخر میں پیے گا۔''

لہٰذا سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے پہلے پیا اور قوم کے محبوب رہنمائے اعظم ﷺ نے سب سے آخر میں پیا۔[1]

5 آپ ﷺ کی گھریلو زندگی بھی سادگی، تواضع اور عاجزی کا بے مثال نمونہ تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں اپنے گھر والوں کی خدمت اور تعاون میں مشغول رہتے۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ مسجد تشریف لے جاتے۔[2]

آپ اپنے جوتے خود مرمت کر لیتے اور اپنے ہی دست مبارک سے کپڑوں کو پیوند بھی لگا لیتے۔[3]

6 آپ ﷺ کی زندگی مکمل عجز و انکسار کی آئینہ دار تھی۔ آپ دنیوی مال و متاع اور ساز و سامان کی قطعی پروا نہ کرتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے گھر حاضر ہوا تو آپ کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی پر آرام فرما تھے۔ تکیہ بھی کھجور کے پتوں سے بنا ہوا تھا۔ آپ کے پاؤں کی طرف چمڑے کا ایک ٹکڑا رکھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے جسم مبارک پر چٹائی کے نشان پڑے ہوئے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر میں رو پڑا۔ آپ نے فرمایا: (ما يبكيك) ''عمر! کیوں رو رہے ہو؟'' میں نے عرض کی: کسریٰ و قیصر دنیا جہاں کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہوتے ہوئے بھی اتنے شدید حالات میں زندگی بسر فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

(أما ترضى أن تكون لهم الدنيا ولنا الآخرة؟)

''کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ یہ نعمتیں اُن لوگوں کے لیے دنیا میں ہوں اور ہم آخرت میں ان سے لطف اندوز ہوں؟''[4]

7 کھانے پینے میں بھی آپ ﷺ کی تواضع مثالی تھی۔ آپ اللہ کی ہر حلال نعمت خوشی خوشی کھا پی لیتے تھے اور رب ذوالجلال کا شکر ادا کرتے تھے۔ اگر طبعاً کوئی چیز پسند نہ ہوتی تو نہ کھاتے مگر عیب جوئی نہ کرتے۔ آپ معمولی سے معمولی دعوت بھی قبول کرتے اور اپنے صحابہ کی دل جوئی فرماتے۔ کبھی کوئی غریب، کمزور اور ادنیٰ مسلمان

[1] صحيح مسلم: 681، [2] صحيح البخاري: 676، [3] مسند أحمد: 24747، [4] صحيح البخاري: 4913.

بھی آپ کی دعوت کرتا تو آپ اس کی دعوت کو قبول فرما لیتے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

[illegible]

"اگر مجھے دستی یا پائے کے گوشت کی دعوت دی جائے تو میں ضرور جاؤں گا۔ اور اگر مجھے دستی کا گوشت یا کھر ہدیہ بھیجا جائے تو میں ضرور قبول کروں گا۔"[1]

آپ ﷺ عام انسانوں کی طرح رہتے سہتے اور تکلفات کے روادار نہ تھے۔ جو چیز بھی سامنے آ جاتی تناول فرما لیتے۔ [illegible] شان، کج کلاہی اور رعب و ہیبت والے [illegible] آپ کی شان نہ تھے۔ بقول سیدہ عائشہ ؓ آپ ﷺ فرماتے تھے:

[illegible]

"میں غلام کی طرح کھانا کھاتا ہوں اور غلام کی طرح (آلتی پالتی مار کر) بیٹھتا ہوں۔"[2]

آپ ﷺ نے امت کو تواضع کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

"جو شخص معاف کرے، اللہ اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے اور جو شخص اللہ کی خاطر تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اسے بلند کر دیتا ہے۔"[3]

[illegible]

[illegible]

"اللہ نے مجھے [illegible] تواضع اختیار کرو [illegible]"[4]

شرم و حیا

حیا [illegible] بہت عظیم خوبی ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

نے حیا کو ایمان کا لازمی جزو قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلْإِيمَانُ بِضْعٌ وَّسِتُّونَ شُعْبَةً، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيمَانِ

''ایمان کی ساٹھ سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔''[1]

حیا خیر و برکت کا عظیم الشان ذریعہ ہے۔ دنیا و آخرت میں حیا کی بے شمار حسنات و برکات ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ ''حیا ایمان کا حصہ ہے۔''[2]

دوسری روایت میں ہے: اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ ''حیا صرف خیر و برکت لاتی ہے۔''[3]

رسول اللہ ﷺ شرم و حیا کے پیکر تھے۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَشَدَّ حَيَاءً مِّنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا

''نبی ﷺ پردہ نشین دوشیزہ سے بھی زیادہ شرمیلے اور حیا دار تھے۔''[4]

آیئے رسول اللہ ﷺ کی شانِ حیا کی چند جھلکیاں دیکھیے:

1 رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی سیر کرائی۔ اپنی ملاقات کا شرف بخشا اور اس ملاقات میں 50 نمازوں کا تحفہ عطا کیا۔ آپ یہ تحفہ لے کر واپس آئے تو راستے میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے پوچھا کہ آپ کو امت کے لیے کیا تحفہ ملا ہے؟ آپ نے بتایا کہ 50 نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مشورہ دیا کہ آپ واپس تشریف لے جائیں اور یہ تعداد کم کرالیں۔ آپ کی امت اتنی نمازیں نہیں پڑھ سکے گی۔ آپ واپس بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے تخفیف کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے مہربانی کرتے ہوئے آدھی نمازیں معاف کر دیں۔ دوبارہ موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے مزید تخفیف کرانے کا مشورہ دیا۔ آپ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے مشورے پر بار بار نمازوں میں تخفیف کے لیے دربارِ الٰہی میں حاضر ہوتے رہے۔ جب آخر میں پانچ نمازیں رہ گئیں اور موسیٰ علیہ السلام نے مزید کم کرانے کا مشورہ دیا تو آپ ﷺ نے یہ کہتے ہوئے معذرت کر لی:

اِسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَّبِّي

''(اب) مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے۔''[5]

[1] صحيح البخاري: 9، [2] صحيح البخاري: 24، [3] صحيح مسلم: 37، [4] صحيح البخاري: 3562، [5] صحيح البخاري: 349

2 امت کو دینی مسائل بتانا آپ کا فرض منصبی تھا لیکن آپ کی شرم و حیا ہر معاملے میں ہمیشہ شامل حال رہی۔ مسلمان خواتین اپنے احوال و مسائل کے سلسلے میں رہنمائی کی خواستگار ہوتیں تو آپ ان کی راہنمائی فرماتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک انصاری عورت آئی، اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں غسل حیض کیسے کروں؟ آپ نے فرمایا:

[illegible]

''کستوری لگا ہوا روئی کا ایک ٹکڑا لو اور اس سے پاکی حاصل کرو۔''

یہ ارشاد عالی اس خاتون کی سمجھ میں نہ آیا تو اس نے دوبارہ پوچھا۔ آپ نے شرم و حیا کے دائرے میں رہتے ہوئے دوبارہ جواب مرحمت فرمایا۔ جب تیسری بار بتانے کے باوجود یہ مسئلہ اس کی سمجھ میں نہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیا کی وجہ سے منہ موڑ لیا۔

بالآخر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس خاتون کو اپنی طرف کھینچا اور مسئلہ سمجھایا۔[1]

3 سیدنا انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کی تقریب کی روداد سناتے ہیں۔ اس میں آپ کی شرم و حیا اور صحابۂ کرام کے ساتھ رواداری، محبت اور حسن سلوک کی اعلیٰ مثال موجود ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے دولھا بنے تو مجھے (میری والدہ) ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: اس وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تحفہ بھیجیں تو بہت اچھی بات ہے۔ میں نے کہا: ٹھیک ہے، ضرور بھیجیں۔ چنانچہ انھوں نے ایک ہنڈیا میں کھجور، گھی اور پنیر ملا کر حلوہ بنایا اور مجھے دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روانہ کیا۔ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے فرمایا: ''اسے رکھ دو۔'' پھر حکم دیا: ''فلاں فلاں لوگوں کو میرے پاس بلا لاؤ..... آپ نے ان کا نام لیا اور (مزید فرمایا کہ) جو بھی آدمی راستے میں ملے، اسے میری طرف سے دعوت دے دو۔'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جو حکم دیا تھا، میں نے اس کی تعمیل کی۔ جب میں واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گھر لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اپنے دونوں مبارک ہاتھ اس حلوے پر رکھ دیے اور جو اللہ کو منظور تھا، وہ اپنی زبان مبارک سے پڑھا۔ اس کے بعد دس دس آدمیوں کو کھانے کے لیے بلانا شروع کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے تھے: ''اللہ کا نام لے کر ہر آدمی اپنے آگے سے کھائے۔'' چنانچہ سب لوگ کھا کر گھر سے باہر چلے گئے، البتہ تین آدمی بدستور گھر میں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور مجھے ان کے نہ جانے سے

[1] صحیح البخاري: 315.

اور مجھے ان کے نہ جانے سے رنج ہونے لگا۔ آخر کار نبی ﷺ اپنی بیویوں کے حجروں کی طرف چل دیے، میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے گیا اور (آپ ﷺ سے) کہا: لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے ہیں۔ اس وقت آپ واپس تشریف لائے اور گھر میں داخل ہوئے اور پردہ لٹکا دیا۔ میں ابھی حجرے ہی میں تھا کہ میں نے آپ ﷺ کو (سورۂ احزاب کی) یہ آیات پڑھتے ہوئے سنا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ...

''اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر جب کھانے کے لیے اندر آنے کی اجازت دی جائے، وہاں بیٹھ کر کھانا پکنے کا انتظار نہ کرو، البتہ جب تمھیں بلایا جائے تو اندر جاؤ، اور کھانے سے فارغ ہوتے ہی واپس چلے آؤ، باتوں میں لگ کر وہاں بیٹھے نہ رہو، یہ بات نبی کو تکلیف دیتی ہے اور وہ تم سے شرم کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا۔''[1]

4 آپ کی شرم و حیا کا عالم یہ تھا کہ آپ کسی شخص کو تنبیہ فرماتے تو سب کے سامنے نہ فرماتے بلکہ اسے علیحدگی میں سمجھاتے۔ اور اگر بھری محفل میں تنبیہ کرنا مقصود ہوتا تو پھر ایسے کلمات ارشاد فرماتے جن سے کوئی مخصوص شخص نشانہ نہ بنتا بلکہ سب کو تنبیہ کرنے کے انداز میں بات کی جاتی۔ اس سے مخصوص شخص کی اصلاح بھی ہو جاتی، اس کی عزت بھی محفوظ رہتی اور بقیہ لوگ بھی خبردار ہو جاتے، اس طرح متعلقہ شخص کو سب کے سامنے شرمسار نہیں ہونا پڑتا تھا۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب آپ کو کسی شخص کی شکایت پہنچتی تو آپ یہ نہ فرماتے: ''فلاں شخص کو کیا ہوا ہے کہ وہ ایسے ایسے کام کرتا ہے۔'' بلکہ یوں فرماتے: ''کچھ لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ ایسی حرکتیں کر رہے ہیں۔''[2]

مثلاً ایک شخص نماز میں آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا تو آپ نے اسے ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی:

«مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي صَلَاتِهِمْ» فَاشْتَدَّ قَوْلُهُ فِي ذٰلِكَ حَتّٰى قَالَ: «لَيَنْتَهُنَّ عَنْ ذٰلِكَ أَوْ لَتُخْطَفَنَّ أَبْصَارُهُمْ»

''لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ نماز میں نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں؟'' پھر آپ نے اس کے متعلق بڑی سختی

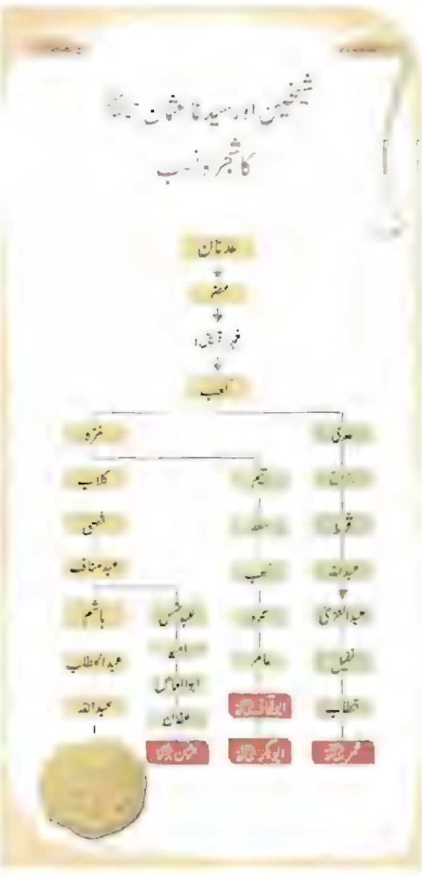
1 صحیح البخاري: 4791. 2 سنن أبي داود: 4788

سے فرمایا: ''لوگوں کو اس سے باز آنا چاہیے ورنہ ان کی بینائی کو اچک لیا جائے گا۔''[1]

5 رسول اللہ ﷺ شرم و حیا کی وجہ سے قضائے حاجت کے لیے آبادی سے دور تشریف لے جاتے تھے۔ درختوں کے جھنڈ یا کسی چیز کی آڑ میں بیٹھتے تھے۔ اپنا ستر کسی کے سامنے نہیں کھولتے تھے۔

6 آپ ﷺ صحابہ کرام کی حیا کا بھی خصوصی خیال رکھتے تھے۔ سیدہ عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں آرام کر رہے تھے جبکہ آپ کی رانوں سے کپڑا ہٹا ہوا تھا۔ اتنے میں سیدنا ابوبکر ؓ نے حاضری کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت دی تو وہ اندر آ گئے اور کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد چلے گئے۔ آپ اس دوران اسی حالت میں لیٹے رہے۔ پھر سیدنا عمر ؓ نے اجازت مانگی تو انھیں بھی اجازت دے دی گئی جبکہ آپ حسب سابق آرام کر رہے تھے۔ پھر سیدنا عثمان ؓ آئے۔ انھوں نے بھی اندر آنے کی اجازت مانگی۔ رسول اللہ ﷺ سیدنا عثمان ؓ کی آمد پر اٹھ بیٹھے اور کپڑے درست کر لیے۔

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سیدنا ابوبکر اور عمر ؓ کی آمد پر اہتمام نہ کرنے اور سیدنا عثمان ؓ کی آمد پر خصوصی اہتمام کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا:



''کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔''[2]

رسول اللہ ﷺ شرم و حیا کے بے مثال پیکر تھے۔ حیا آپ کے اخلاقِ کریمہ کا لازمی حصہ تھی، اس لیے امت پر بھی لازم ہے کہ شرم و حیا کو اختیار کرے اور اپنی زندگی کے تمام معاملات میں اسے لازمی جزو بنائے۔

جود و سخا

جود و سخا ایمان کی پختگی، اسلام کے حسن و خوبی اور اللہ تعالیٰ پر قوی ایمان کی دلیل ہے۔ جود و سخا سے اللہ کے بندے قریب ہوتے اور دشمن دوست بنتے ہیں۔ تا قیامت ذکرِ خیر ہی کا مقدر

[1] صحیح البخاری: 750. [2] صحیح مسلم: 2401.

بنتا ہے۔ جو بندہ اللہ کی مخلوق کے لیے ایثار و قربانی کرتا ہے اور اپنے ہاتھ کشادہ کرتا ہے، وہ اللہ کے قریب ہو جاتا ہے اور اللہ کا محبوب بندہ بن جاتا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

إِنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، كَرِيمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ، جَوَادٌ يُحِبُّ الْجُودَ، يُحِبُّ مَعَالِيَ الْأَخْلَاقِ وَيَكْرَهُ سَفْسَافَهَا

''بلاشبہ اللہ نہایت مہربان ہے، مہربانی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ سخی ہے، سخاوت کو محبوب رکھتا ہے۔ اللہ اعلیٰ اخلاق کو پسند کرتا ہے اور برے اخلاق کو ناپسند کرتا ہے۔''[1]

جود و سخا مومنوں کی عالی شان صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَوٰةَ وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ

''وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور وہ نماز کو (اس کے آداب کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے، وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''[2]

امام الانبیاء، رحمتِ عالم ﷺ جود و سخا میں بھی تمام جہانوں کے سردار ہیں۔ جود و سخا میں آپ کا کوئی مقابل نہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی بخشش و عطا اور جود و سخا کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ، وَأَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ، وَكَانَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ، فَلَرَسُولُ اللهِ ﷺ أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ

''نبی ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان المبارک میں تو آپ بہت زیادہ سخاوت کرتے تھے جب آپ سے جبریل علیہ السلام ملاقات کرتے تھے۔ وہ رمضان میں ہر رات آپ سے ملاقات کرتے اور آپ کے ساتھ قرآن کریم کا دور کرتے تھے۔ بے شک رسول اللہ ﷺ خیر و بھلائی کے ہر معاملے میں تیز چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے۔''[3]

آپ کے خادمِ خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ آپ کی سخاوت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

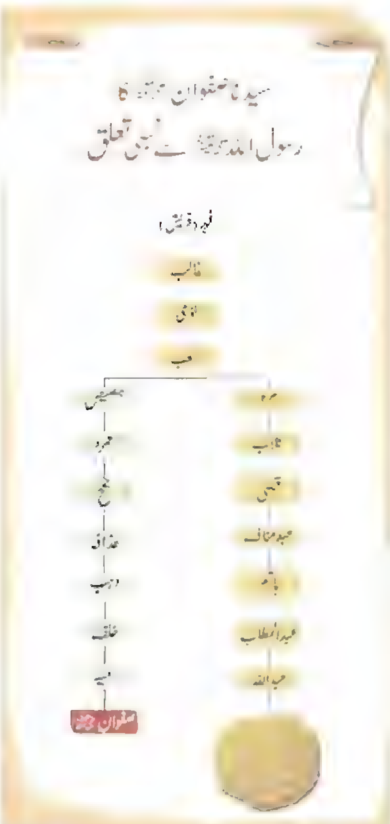
كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ، وَأَشْجَعَ النَّاسِ، وَأَجْوَدَ النَّاسِ

''نبی ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت، سب لوگوں سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ فیاض تھے۔''[4]

[1] صحیح الجامع: 1799، [2] البقرۃ 2:3، [3] صحیح البخاری: 3554، [4] صحیح البخاری: 2820.

رسول اللہ ﷺ کی جود و سخا کی کوئی حد نہ تھی بلکہ آپ ﷺ بخشش و مرحمت کے بحر بیکراں تھے۔ آیئے آپ کی سخاوت کی شان ملاحظہ فرمائیے:

1 آپ کی خدمت میں دست سوال پھیلانے والوں نے کبھی "نہیں" نہ سنا۔ بلکہ آپ کے پاس جو کچھ ہوتا، آپ سوالی کی جھولی میں ڈال دیتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ کو کسی چیز کی اشد ضرورت تھی مگر سوال ہونے پر آپ نے وہ چیز ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر سوالی کو عطا کر دی۔ آپ کی اسی خوبی کو سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "رسول اللہ ﷺ سے اسلام کے نام پر جو کچھ طلب کیا جاتا، آپ عطا فرما دیتے۔ ایک شخص نے سوال کیا تو آپ نے دو پہاڑوں کے درمیان چرنے والی تمام بکریاں اسے عنایت فرما دیں۔ وہ خوشی خوشی اپنی قوم کے پاس گیا اور کہنے لگا: "اے میری قوم! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد (ﷺ) ایسی عطا و بخشش فرماتے ہیں کہ انھیں فقر و فاقے کا خدشہ تک نہیں ہوتا۔"[1]



آپ کی لامحدود سخاوت کا حال بتاتے ہوئے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

مَا سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ: لَا

"رسول اللہ ﷺ سے جو بھی مانگا جاتا، آپ نے جواب میں کبھی "نہیں" کا لفظ نہیں کہا۔"[2]

آپ کی اس خوبی سے بے شمار لوگ اسلام کی طرف کھنچے چلے آئے اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ ابتدا میں کوئی شخص صرف مال و دولت کے لیے اسلام قبول کرتا تھا مگر آپ اسے اس قدر عطا کرتے کہ وہ اسلام کا سچا اور مخلص سپاہی بن جاتا تھا۔[3]

صفوان بن امیہ اسلام دشمنوں میں ایک بہت بڑا نام تھا۔ انھیں بھی رسول اللہ ﷺ کی جود و سخا نے مسخر کیا اور وہ آپ کی سخاوت پر قربان ہو گئے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں: "اللہ کی قسم! اللہ کے رسول مجھے سب لوگوں سے بڑھ کر ناپسندیدہ تھے، پھر آپ نے مجھے اتنا مال عطا کیا کہ آپ ﷺ میری

1 صحیح مسلم، 2312. 2 صحیح مسلم، 2311. 3 دیکھیے: صحیح مسلم، 2312

محبوب ترین ہستی بن گئے۔"[1]

2 آپ ﷺ کے پاس جتنا مال بھی آتا، وہ مال فے ہوتا یا مال غنیمت، آپ ﷺ مسلمانوں، مستحق افراد اور ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیتے۔ اگر کسی کو نہ ملتا تو اس کے ساتھ آئندہ مال آنے تک وعدہ کر لیتے۔ آپ ﷺ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے بھی وعدہ فرمایا تھا جو آپ کی رحلت کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پورا کیا۔ آیئے ان کی روداد صحیح بخاری کی حدیث کی روشنی میں پڑھتے ہیں:

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا: اگر بحرین کا خراج آیا تو میں تجھے اس طرح (دونوں لپ بھر کر) دوں گا لیکن بحرین کا خراج آنے سے پہلے ہی نبی ﷺ وفات پا گئے۔ جب بحرین کا خراج آیا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منادی کرائی کہ نبی ﷺ نے جس سے کوئی وعدہ کیا ہو یا اس کا آپ پر قرض ہو تو وہ ہمارے پاس آئے۔ چنانچہ میں آپ کے پاس گیا اور عرض کیا: نبی ﷺ نے مجھ سے اتنا اتنا دینے کا وعدہ کیا تھا تو انھوں نے مجھے لپ بھر (درہم) دیے۔ میں نے انھیں گنا تو پانچ سو تھے۔ انھوں نے فرمایا: اس سے دوگنا (مزید) لے لو۔[2]

3 سخاوت آپ کو ورثے میں بھی ملی تھی، آپ کے دادا ہاشم کا لقب ہاشم (روٹی توڑ کر کھلانے والا) اسی لیے پڑا تھا کہ وہ قحط سالی میں لوگوں کو خوب خوب کھلاتے تھے۔ دعوت اسلام کے آغاز سے آپ کی یہ خوبی خوب پروان چڑھی۔ آپ ﷺ اپنا مال غرباء اور مساکین کے لیے بے دریغ خرچ فرماتے تھے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

كلا أبشر فوالله لا يخزيك الله أبدا، فوالله إنك لتصل الرحم وتصدق الحديث وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقري الضيف وتعين على نوائب الحق.

[1] صحيح مسلم: 2313. [2] صحيح البخاري: 2296.



قدیم بحرین کے دارالحکومت ہجر (الہفوف) کا نخلستان

''آپ کو خوشخبری ہو۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ اللہ کی قسم! آپ تو صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں، کمزور و ناتواں کا بوجھ خود اٹھا لیتے ہیں، محروم لوگوں کو اشیائے ضرورت مہیا کرتے ہیں، مہمان کی ضیافت کرتے ہیں اور حق کے راستے میں پیش آنے والی مصیبتوں پر لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔''[1]

آپ نے غزوۂ حنین کے موقع پر حاصل ہونے والا کثیر مالِ غنیمت نومسلموں اور مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ تقسیم ہونے والے مال میں 40000 بکریاں، 24000 اونٹ، 6000 غلام اور کئی من سونا چاندی شامل تھا۔

جب آپ یہ کثیر مالِ غنیمت تقسیم کر چکے تو بدوؤں نے آپ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ حتی کہ آپ کی چادر کانٹے دار جھاڑی میں اٹک گئی۔ اس وقت آپ نے اپنی جود و سخا کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

أعطوني ردائي، لو كان لي عدد هذه العضاه نعما لقسمته بينكم ثم لا تجدوني بخيلا ولا كذوبا ولا جبانا

''میری چادر تو مجھے واپس کر دو۔ اگر میرے پاس اس (درخت) کے کانٹوں کے برابر بھی اونٹ ہوتے تو میں وہ سب کے سب تم میں تقسیم کر دیتا۔ مجھے تم کسی وقت بھی بخیل، جھوٹا اور بزدل نہیں پاؤ گے۔''[2]

4 رسول اللہ ﷺ کو ذخیرہ اندوزی کا کبھی بھولے سے بھی خیال نہیں آیا۔ آپ ﷺ کے پاس جو کچھ ہوتا، وہ لوگوں کی فلاح کے لیے بے دریغ خرچ فرما دیتے تھے۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ کی نظر احد پہاڑ پر پڑی تو آپ نے فرمایا:

ما أحب أنه تحول لي ذهبا يمكث عندي منه دينار فوق ثلاث إلا دينارا أرصده لدين

''میں نہیں چاہتا کہ یہ پہاڑ میرے لیے سونے کا بن جائے تو تین دن کے بعد اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس باقی رہے مگر وہ دینار جسے میں نے ادائے قرض کے لیے رکھا ہو۔''[3]

5 سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے لیے اپنے ہاتھوں سے ایک چادر بن کر لائی۔ عرض کرنے لگی: حضور! میں یہ چادر آپ کو پہنانا چاہتی ہوں۔ ان دنوں آپ کو ضرورت بھی تھی، لہٰذا آپ نے وہ چادر قبول فرمائی۔ آپ وہ چادر پہن کر گھر سے باہر تشریف لائے تو ایک صحابی کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! یہ کتنی خوبصورت چادر ہے، یہ تو آپ مجھے دے دیں۔ آپ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے لے لو۔'' جب آپ مجلس سے اٹھ

[1] صحيح البخاري: 4953، [2] صحيح البخاري: 2821، [3] صحيح البخاري: 2388

گئے تو صحابہ کرام نے اس صحابی کو ڈانٹا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ چادر کیوں مانگی جبکہ تمھیں پتا ہے کہ آپ کو اس کی سخت ضرورت تھی اور آپ سوال کرنے پر کبھی انکار بھی نہیں کرتے۔ صحابی نے اپنا عذر یہ پیش کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے وہ چادر پہن لی ہے تو میرے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوئی کہ یہ بابرکت چادر میرا کفن بنے، اس لیے میں نے آپ سے مانگ لی۔ پھر واقعی وہ چادر اس صحابی کے کفن کے لیے استعمال ہوئی۔[1]

اللہ تعالیٰ سخی شخص کو پسند کرتا ہے۔ اور شیطان بخل، کنجوسی اور لالچ کو محبوب رکھتا ہے، اسی لیے مومنوں کو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور خرچ کرنے والوں کو زبردست انعامات دینے کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

"ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں، اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں نکلیں، ہر بالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ جس کے لیے چاہے (اجر) بڑھا دیتا ہے اور اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے۔ جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد احسان نہیں جتاتے اور نہ دکھ دیتے ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے، نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"[2]

اللہ کی راہ میں عمدہ مال خرچ کرنا چاہیے۔ ردی اور ناقص مال کی سخاوت درست نہیں۔ شیطان فقر و فاقے کا ڈراوا دیتا ہے اور انسانوں کو ردی اور بے کار چیزیں اللہ کی راہ میں دینے پر ابھارتا ہے۔ لہٰذا مومنوں کو شیطانی چال سے بچنا چاہیے۔ ارشاد ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۝ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو اور ان میں سے بھی جو ہم

1 صحیح البخاری: 6036 2 البقرۃ 2: 261، 262

نے تمھارے لیے زمین میں سے نکالی ہیں اور (اللہ کی راہ میں) ردی اور خراب چیز خرچ کرنے کا مت ارادہ کرو جبکہ تم (خود) تو وہ (چیز) لینا بھی پسند نہیں کرتے الا یہ کہ اس کی بابت تم آنکھیں بند کرلو، اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بے پروا، نہایت قابل تعریف ہے۔ شیطان تمھیں تنگدستی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے امت کو جود وسخا کی تعلیم دی ہے۔ آپ نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

''جو شخص حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ حلال و پاکیزہ ہی کو قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس صدقے کو اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے، پھر اسے دینے والے کی خاطر بڑھاتا ہے، جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے کے بچے کو پال کر بڑھاتا ہے حتی کہ وہ کھجور جتنا صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔''[2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جب لوگ صبح کرتے ہیں تو دو فرشتے اترتے ہیں، ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطا کر۔ اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! کنجوس کو تباہی و بربادی سے دوچار کر۔''[3]

آپ ﷺ نے امت کو بخل اور لالچ سے بچنے اور جود وسخا کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

''اے ابن آدم! اگر تم اضافی مال خرچ کر دو تو یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے۔ اور اگر تم اسے سنبھال کر

[1] البقرۃ 2:267، 268۔ [2] صحیح البخاري: 1410۔ [3] صحیح البخاري: 1442۔

(خرچ کرکے) رکھو تو وہ تمھارے لیے بہت برا ہے۔ اور تمھیں حسب ضرورت رکھنے پر کوئی ملامت نہیں۔ جن کی کفالت تمھاری ذمہ داری ہے، ان پر خرچ کرنے سے ابتدا کرو، عطا کرنے والا ہاتھ (بخشش) لینے والے ہاتھ سے بہت بہتر ہے۔"[1]

اللہ تعالیٰ ہمیں بخل و کنجوسی سے محفوظ فرمائے اور اپنے نبی ﷺ کی خوئے سخاوت کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

صدق وصفا

سچائی ایمان کی اساس ہے۔ اہل ایمان اور منافقین کے مابین سچائی ہی کا فرق و امتیاز ہے۔ اہل حق و صداقت دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران اور اہل کذب ناکام و نامراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔"[2]

سچ بولنے والا راہِ راست پر چلتا ہوا جنت میں پہنچ جاتا ہے اور جھوٹا جہنم کی راہوں پر دوڑتا چلا جاتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

[illegible]

"سچائی، نیکی کا راستہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک وہ صدیق کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ جھوٹ برائی کا راستہ دکھاتا ہے اور برائی دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔ آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے حتی کہ وہ اللہ کے ہاں کذاب (بہت جھوٹا) لکھا جاتا ہے۔"[3]

رسول اللہ ﷺ صدق وصفا کے سب سے اونچے درجے پر فائز تھے۔ آپ ختم نبوت کا تاج پہننے سے پہلے بھی صادق و امین کے القاب سے مشہور و معروف تھے۔ آپ کی یہ خوبی آپ ﷺ کا سب سے بڑا امتیازی وصف تھی۔ بدترین دشمن بھی آپ کی سچائی اور امانت داری کا اقرار و اعتراف کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے مخالف دشمنوں نے آپ کو جادوگر کہا، مجنون کہا، لیکن وہ آپ ﷺ کو اخلاقی لحاظ سے جھوٹا کہنے کی کبھی ہمت نہ کر سکے۔ آیئے آپ کی

[1] صحیح مسلم: 1036، [2] التوبہ: 119، [3] صحیح البخاری: 6094

ایمانداری کے اقرار و اعتراف سے جھکے ہوئے تھے۔

ہرقل کے دربار میں ابوسفیان سے چند سوال پوچھے گئے جن کا مقصد رسالت مآب ﷺ کی نبوت کی سچائی پرکھنا تھا۔ ان سوالوں میں سے ایک سوال یہ بھی تھا: کیا نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے محمد (ﷺ) پر تم لوگ جھوٹ بولنے کی تہمت لگاتے تھے؟ (کیا اس نے تم سے کبھی جھوٹ بولا تھا؟) ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں، انھوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اس پر ہرقل نے کہا: میں سمجھ گیا ہوں کہ جس شخص نے عام لوگوں سے کبھی غلط بیانی نہ کی ہو، وہ اللہ کے بارے میں کیسے جھوٹ بولے گا؟[1]

3 آپ کی زندگی سراپا سچائی تھی۔ آپ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ دل لگی بھی کر لیتے تھے، مگر آپ مبنی برحق مزاح کرتے تھے۔ ہنسی مزاح میں بھی جھوٹ کا شائبہ تک نہ ہوتا تھا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: حضور! مجھے سواری کے لیے ایک اونٹ عطا کیجیے۔ آپ نے فرمایا: ‏«إنا حاملوك على ولد الناقة» ‏"ہم تمھیں اونٹنی کے بچے پر سوار کریں گے۔" وہ شخص کہنے لگا: میں اونٹ کے بچے کو کیا کروں گا؟ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «وهل تلد الإبل إلا النوق» "اونٹ کو اونٹنی ہی جنم دیتی ہے (اونٹ، اونٹنی ہی کا بچہ ہوتا ہے)۔"[2]

4 رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سچ کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا۔ آپ سچ بولتے اور سچ بولنا ہی پسند کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے: «أحب الحديث إلي أصدقه» "مجھے سچی بات نہایت محبوب ہے۔"[3]

آپ نے صحابہ کرام کی راہنمائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: «قد علمتم أني أتقاكم لله وأصدقكم وأبركم» "تمھیں بخوبی علم ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سب سے بڑھ کر سچا اور نیکوکار ہوں۔"[4]

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو بھی سچ بولنے کی ترغیب دی۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

«اضمنوا لي ستا من أنفسكم أضمن لكم الجنة: اصدقوا إذا حدثتم، وأوفوا إذا وعدتم، وأدوا إذا اؤتمنتم، واحفظوا فروجكم، وغضوا أبصاركم، وكفوا أيديكم»

"تم مجھے اپنے بارے میں چھ طرح کی ضمانت دے دو، میں تمھیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں: 1 جب بات کرو تو سچ بولو۔ 2 وعدہ کرو تو وعدہ پورا کرو۔ 3 جب امانت تمھارے حوالے کی جائے تو اسے (پوری

1 صحیح البخاري: 7۔ 2 سنن أبي داود: 4998۔ 3 صحیح البخاري: 2307۔ 4 صحیح البخاري: 7367

طرح) واپس کرو۔ 4 اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو۔ 5 اپنی نگاہیں نیچی رکھو۔ 6 اور اپنے ہاتھوں کو (ظلم کرنے سے) روکے رکھو۔"[1]

رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ بولنے، خیانت کرنے اور وعدہ خلافی کرنے کو منافق کی صفات قرار دیا ہے، اس لیے مومن کو ان عیوب سے بچنا چاہیے اور اپنے نبی رحمت ﷺ کی عالی صفات کو اپنانا چاہیے۔

ایفائے عہد

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کریمہ میں ایفائے عہد و پیمان کی درخشاں خوبی بہت نمایاں تھی۔ یہ وہ خوبی ہے جو تمام انبیاء میں تھی۔ ہرقل کے دربار میں جب ابوسفیان سے رسول اللہ ﷺ کی خوبیوں اور اعلیٰ تعلیمات کا سوال ہوا تو ابوسفیان نے بتایا کہ محمد (ﷺ) نماز پڑھنے، سچ بولنے، پاکدامنی اختیار کرنے اور وعدوں کی پاسداری کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ سن کر ہرقل کہنے لگا: "یہ ایک (سچے) نبی کی صفت ہیں۔"[2]

عہد و پیمان کی پاسداری اعلیٰ انسانی خوبی ہے۔ اس خوبی کے ساتھ سچائی اور عدل و انصاف کا وصف موجود ہو تو معاشرے میں باہمی اعتماد اور محبت کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔ معاشرے کے افراد بہت سے معاملات میں ایک دوسرے کے ضرورت مند ہوتے ہیں۔ باہمی ضروریات کی تکمیل اور وعدے کی پاسداری کی جائے تو باہمی تعلقات مضبوط اور گہرے ہو جاتے ہیں اور اگر بددیانتی، خیانت اور جھوٹ کا دور دورہ ہو تو باہمی اعتماد متزلزل ہو جاتا ہے اور معاشرے کے افراد اپنی ضروریات کی تکمیل میں بے شمار مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں۔

مومنوں کو سچ بولنے، وعدوں کی پاسداری اور دوسروں کے احترام کا درس دیا گیا ہے۔ مومنوں کی نشانی ہی یہ ہے کہ وہ وعدوں کی پاسداری کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ﴾ "اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"[3]

نیز فرمایا: ﴿الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ﴾ "وہ جو اللہ کا عہد پورا کرتے ہیں اور پختہ وعدہ نہیں توڑتے۔"[4]

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے: ﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾ "اور تم عہد پورا کرو، بے شک عہد کی بابت سوال کیا جائے گا۔"[5]

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں وعدوں کی پاسداری اور معاہدوں کی حفاظت کی شاندار مثالیں ملتی ہیں جن

1 مسند احمد: 22757. 2 صحیح بخاری: 7. 3 المومنون 8:23. 4 الرعد 20:13. 5 بنی اسرائیل 34:17.

سے امت کو اتفاق سے عہد و پیمان کا سبق ملتا ہے۔ آئیے آپ کی سیرت طیبہ سے چند مثالیں پڑھتے ہیں۔

1 صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکوں کے نمائندے سہیل بن عمرو اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان صلح نامہ لکھا جا رہا تھا کہ اچانک سہیل کا مسلمان بیٹا ابو جندل بیڑیوں میں جکڑا ہوا آ گیا۔ سہیل نے اس پر بڑے مظالم ڈھائے تھے اور وہ بمشکل بچ کر مسلمانوں تک پہنچ پایا تھا۔ زخموں سے بری طرح نڈھال تھا، اس لیے آتے ہی مسلمانوں کے سامنے گر گیا۔ مسلمانوں کو اس پر بڑا ترس آیا۔ سہیل نے اپنے قیدی بیٹے کو حدیبیہ میں دیکھا تو چلا اٹھا: اے محمد! معاہدے کی پہلی شرط پوری کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ لہٰذا اس کو ہمارے حوالے کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ابھی معاہدہ مکمل نہیں ہوا۔ لہٰذا ہم اسے تمھارے حوالے کرنے کے پابند نہیں ہیں۔'' سہیل اکڑ کر بولا: اللہ کی قسم! پھر ہم کوئی معاہدہ نہیں کریں گے۔ آپ نے فرمایا: ''تو چلو اس کو میرے لیے خاص کر دو۔'' اس نے انکار کر دیا۔ ابو جندل نے یہ منظر دیکھا تو جان گیا کہ اب اسے واپس کر دیا جائے گا۔ اس نے مسلمانوں کو پکارا: کیا میں مشرکوں کے حوالے کر دیا جاؤں گا، حالانکہ میں مسلمان ہوں۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ مجھے کتنی اذیتیں دی گئی ہیں؟ [1]

مسلمانوں کو اس کی واپسی انتہائی ناگوار گزری۔ رسول اللہ ﷺ نے معاہدے کی پاسداری کے لیے اور مشرکوں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ابو جندل کو واپس کیا تو انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

''اے ابو جندل! صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اور تمھارے کمزور ساتھیوں کے لیے آزادی کی راہ کھولے گا۔ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا ہے۔ صلح کی شرط پر ہم نے انھیں عہد دیا ہے اور انھوں نے ہمیں عہد دے دیا ہے۔ لہٰذا ہم اس معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔'' [2]

1 صحیح البخاری: 2731. 2 مسند احمد: 18910.

مقام حدیبیہ جہاں کفار سے صلح ہوئی



2 صلح حدیبیہ کے معاہدے کے مطابق مسلمان اگلے سال عمرہ ادا کرنے کے لیے گئے۔ شرائط کے مطابق مسلمانوں کی تلواریں نیاموں میں تھیں۔ حسب معاہدہ جب تین دن پورے ہو گئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس مشرکین کے سردار آئے اور کہا کہ معاہدے کے مطابق تمھاری مدت مکمل ہو گئی۔ لہٰذا آپ اپنے رسول سے واپس جانے کی بات کریں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو اطلاع دی تو آپ اپنے صحابہ کو لے کر مدینہ منورہ واپس آ گئے۔[1] اس طرح آپ نے مشرکین سے ہونے والے معاہدے کی مکمل پاسداری کی۔

3 آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو عہد و پیمان کی پاسداری کا عملی درس دیا۔ اس کی ایک شاندار مثال ملاحظہ کیجیے: سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے، وہ شرکت سے محرومی کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں جنگ بدر میں اس لیے شریک نہ ہو سکا کہ میں اور ابو حسیل سفر میں تھے کہ اچانک ہمیں مشرکوں نے گرفتار کر لیا۔ قریشی کافر ہم سے کہنے لگے کہ تم یقیناً محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ دینے کے لیے گھروں سے نکلے ہو۔ ہم نے کہا کہ نہیں ایسا نہیں ہے، ہم اپنی ایک ضرورت کے لیے مدینہ جا رہے ہیں۔ انھوں نے ہم سے پختہ وعدہ لے لیا کہ ہم مدینہ ہی جائیں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر جہاد میں حصہ نہیں لیں گے۔ پھر جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ کو سارا واقعہ بتایا۔ آپ نے فرمایا:


مسجد العریش (بدر)

صرفا، نفي لهم بعهدهم، نستعين الله عليهم"

"تم دونوں واپس چلے جاؤ۔ ہم ان سے کیا ہوا عہد پورا کریں گے اور ان کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد و حمایت مانگیں گے۔"[2]

4 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معاملات میں عہد کی پوری پاسداری کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدو سے عجوہ کھجوروں کے عوض اونٹ خریدے۔ آپ اونٹ لے کر گھر واپس آئے تاکہ بدو کو اس کی کھجوریں ادا کر سکیں۔ آپ گھر تشریف لائے اور معذرت کرتے ہوئے فرمایا: "اے اللہ کے بندے!

1 صحیح البخاری: 4251. 2 صحیح مسلم: 1787.

ہم نے تیرے اونٹ ایک وسق عجوہ کے بدلے خریدے تھے لیکن گھر میں عجوہ موجود نہیں۔ (لہٰذا تو اپنے اونٹ واپس لے جا)۔'' وہ بدو چلانے لگا: ہائے میرے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ لوگوں نے اسے سمجھایا کہ تیرا ستیاناس! کیا اللہ کے رسول تیرے ساتھ دھوکہ کریں گے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''اسے چھوڑ دو کیونکہ صاحب حق کو باتیں کرنے کا اختیار ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ معذرت کرتے ہوئے فرمایا: ''ہمیں یقین تھا کہ عجوہ کھجوریں گھر پر موجود ہیں مگر اتفاق سے وہ ختم ہو گئیں۔'' لیکن وہ بدو بدستور چیختا چلاتا رہا۔ لوگوں نے اسے ڈانٹا مگر وہ چپ نہ ہوا۔ بالآخر رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو سیدہ خولہ بنت حکیم کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اگر تمھارے پاس عجوہ کھجوریں ہوں تو ہمیں ادھار دے دو۔ ہم تمھیں عنقریب ادا کر دیں گے۔ سیدہ خولہ ؓ نے وہ کھجوریں حاضر خدمت کر دیں اور آپ نے اس بدو کو ادا کر دیں۔ بدو وہ کھجوریں لے کر واپس جانے لگا تو اس نے آپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: اللہ آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے پوری عمدگی سے ادائیگی کر دی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''قیامت کے روز اللہ کے نزدیک بہترین بندے وہ ہوں گے جو عمدہ طریقے سے (وعدہ) وفا کرتے ہیں۔''[1]

5 وعدہ خلافی، عہد کی پاسداری نہ کرنا، خیانت اور دھوکہ دہی کو رسول اللہ ﷺ نے منافق کی علامات قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

[illegible]

''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔''[2]

آپ نے غداروں کو عبرت ناک انجام سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

''قیامت کے دن ہر غدار کے لیے ایک جھنڈا ہوگا۔'' راویوں میں سے ایک کا بیان ہے: ''وہ جھنڈا نصب کیا جائے گا۔'' اور دوسرے کا بیان ہے: ''وہ جھنڈا قیامت کے دن دکھایا جائے گا جس سے دغا بازی

1 مسند احمد: 26312. 2 صحیح البخاری: 33.

شناخت ہوگی۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے وعدہ خلافی کرنے والوں، بدعہدوں اور بے وفاؤں کو بے دین قرار دیا اور ارشاد فرمایا:

لا إيمان لمن لا أمانة له ولا دين لمن لا عهد له

''جو امانت دار نہیں اس کا ایمان نہیں اور جو عہد کی پاسداری نہیں کرتا اس کا دین نہیں ہے۔''[2]

یادِ الٰہی میں نبی ﷺ کے آنسو

اللہ تعالیٰ کی یاد، اس کی نعمتوں کے شوق، اس کے عذاب کے ڈر اور جہنم کی ہولناکیوں سے لرزتے ہوئے آنکھوں میں آنسو آجائیں تو یہ گناہوں کی بخشش اور رحمت الٰہی کے حصول کا سبب بن جاتے ہیں۔ یہ آنسو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت قیمتی ہیں۔ قابل تعریف ہیں وہ آنکھیں جن سے ایسے آنسو بہتے ہیں۔ اگر تصنع، ریاکاری، دکھلاوے یا دھوکہ دہی کے لیے آنکھوں سے آنسو بہائے جائیں تو یہ قابل مذمت ہوتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نہایت مشفق اور گداز دل تھے۔ آپ کی حیات مبارکہ میں بے شمار مواقع ایسے آئے کہ آپ ﷺ کی مبارک آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ کبھی خوف الٰہی نے رلایا تو کبھی رحمت الٰہی کے شوق نے تڑپایا۔ کبھی دشمنوں کی اذیت نے دل دکھایا تو کبھی امت کے غم نے آنکھیں اشکبار کر دیں۔ لیکن آپ کو ہر وقت پر اللہ کی رضا اور خوشنودی ہی مطلوب رہی۔ آپ ﷺ کی تحمل مزاجی، بردباری اور زبردست حوصلہ مندی کے باوجود آپ کی حیات مبارکہ میں جاں نثاران اسلام نے متعدد بار آپ کے رخسار مبارک آنسوؤں سے بھیگتے دیکھے۔ دل کی گہرائیوں سے امنڈنے والے جذبات جب آپ کی مبارک آنکھوں کو بھگو دیتے تو جاں نثاران رحمت عالم کی آنکھیں بھی چھلک پڑتیں۔ کبھی محفل عام کو رلایا تو کبھی راتوں کی تنہائی میں اپنے رب کے حضور نذرانے پیش کیے۔ آئیے ان خوبصورت مواقع میں سے چند ایک کا مطالعہ کرتے ہیں:

1 قرآن مجید کو پڑھنا اور سننا آپ ﷺ کا محبوب مشغلہ تھا۔ قرآن کی پرتاثیر تلاوت براہ راست دل پر اثر کرتی اور آپ کے رخسار آنسوؤں سے بھیگ جاتے تھے۔ قیامت کے ہولناک مناظر اور شدید مواقع کو یاد کرتے ہی آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے عبداللہ! مجھے قرآن سناؤ۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا میں آپ کو قرآن سناؤں، حالانکہ آپ پر تو قرآن نازل کیا گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں (تم مجھے قرآن سناؤ)۔'' میں نے

[1] صحیح بخاری: 3187. [2] مسند احمد: 12383.

سورۂ نساء پڑھنا شروع کی حتیٰ کہ میں اس آیت پر پہنچا

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا

"پھر اس وقت کیا کیفیت ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو (اے رسول!) ان لوگوں پر گواہ لائیں گے۔"[1]

اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: "بس کرو، اب یہ کافی ہے۔" میں نے آپ کی طرف غور سے دیکھا تو آپ کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔[2]

2 رات کی تنہائی، قرآن مجید کی لذت اور اپنے رب کے سامنے التجائیں کرنے کا لطف لیتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے سیل رواں جاری ہو جاتا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ کے سینے سے ایسی آواز آ رہی تھی جیسے ہنڈیا ابلنے کی آواز ہوتی ہے۔[3]

اپنی امت کا درد اور تمام مسلمانوں کی نجات کی فکر آپ کو ہر دم لاحق رہتی تھی۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھا جو ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعا پر مشتمل تھا:

رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

"اے میرے رب! بے شک انھوں (بتوں) نے بہت سے لوگ گمراہ کیے ہیں، پھر جو میری اتباع کرے تو یقیناً وہ میرا ہے، اور جو میری نافرمانی کرے تو بلاشبہ تو غفور (اور) رحیم ہے۔"[4]

پھر عیسیٰ علیہ السلام کو یاد کیا، وہ بھی اپنی امت کے لیے گریہ وزاری کرتے پائے گئے

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

"اگر تو انھیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو انھیں بخش دے تو بے شک تو ہی نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے۔"[5]

چنانچہ آپ نے اپنے دست مبارک اٹھائے اور روتے ہوئے عرض کی: "اللّٰهُمَّ أُمَّتِي أُمَّتِي" "اے اللہ! میری امت کو معاف کر دے، میری امت کو بخش دے۔"

اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا کہ جاؤ اور محمد (ﷺ) سے پوچھو کہ آپ کو کس چیز نے رلا دیا ہے؟ حالانکہ تیرا

1 النسآء 4:41 2 صحیح البخاری 5050 3 سنن النسائی 1214 4 ابراهیم 14:36 5 المآئدة 5:118

رب خوب جانتا ہے۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رونے کا سبب پوچھا۔ آپ نے اپنے دکھی ہونے کی وجہ بتائی۔ جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو کر رپورٹ دی، حالانکہ وہ خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو دوبارہ بھیجا اور فرمایا: ”جاؤ محمد (ﷺ) سے کہہ دو کہ ہم آپ کی امت کے بارے میں آپ کو خوش کر دیں گے اور آپ کو دکھی نہیں ہونے دیں گے۔“[1]

3 رسول اللہ ﷺ نہایت رحمدل اور نرم مزاج تھے۔ آپ کا بچپن والد کی شفقت سے محرومی میں گزرا۔ پھر محبت و رحمت کرنے والی والدہ اور دادا کی جدائی کا دکھ بھی جھیلنا پڑا۔ بعثت کے بعد والدہ محترمہ کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ والدہ محترمہ کی یاد اور محبت میں دل اور روح تڑپ گئی اور آنکھوں سے اشک رواں کی جھڑی لگ گئی۔ صحابہ کرام بھی خوب روئے، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

”میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی بخشش کی دعا کرنے کی اجازت مانگی تو اس نے مجھے اجازت نہیں دی۔ پھر میں نے اس کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت مل گئی۔ تم بھی قبرستان جایا کرو کیونکہ قبروں کی زیارت تمھیں موت کی یاد دلاتی ہے۔“[2]

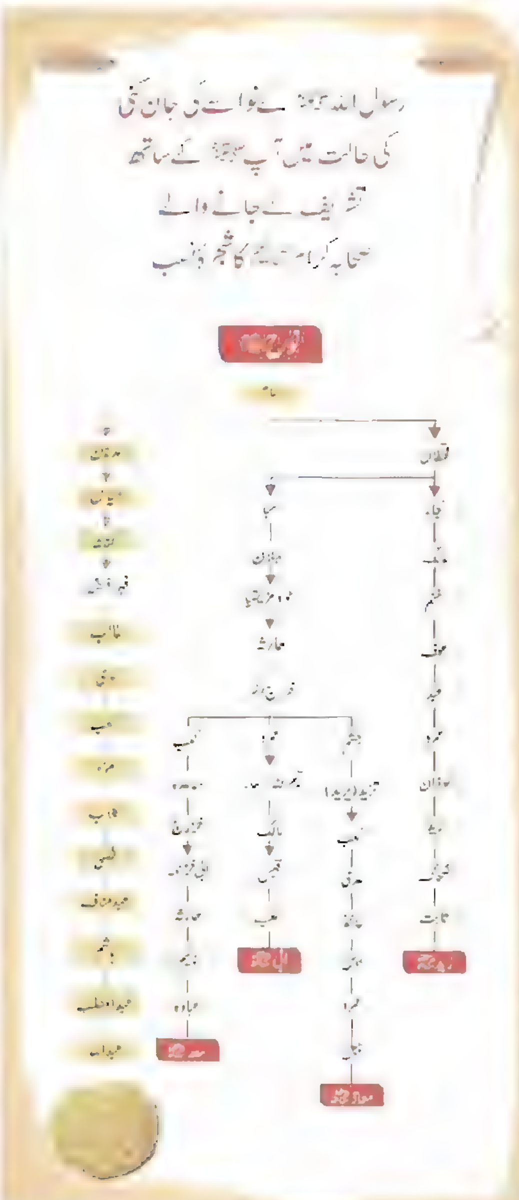
4 اولاد کی محبت فطری ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی لطافت طبع، رقت قلبی اور رحمت و شفقت کی وجہ سے بچوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جتنے بلند ترین مناصب سے نوازا، اتنی ہی آپ ﷺ کی آزمائشیں بھی شدید تھیں۔ آپ کے تمام صاحبزادے بچپن ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپ کی نہایت محبت کرنے والی زوجہ محترمہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی لخت جگر سیدہ ام کلثوم، رقیہ اور زینب بھی آپ کی زندگی ہی میں وفات پا گئیں۔ ان مواقع پر آپ کی آنکھوں سے سیل رواں جاری ہونا فطری بات تھی۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے لخت جگر سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ان دردانگیز الفاظ میں بیان کرتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابوسیف لوہار رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے جو سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کا رضاعی باپ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابراہیم رضی اللہ عنہ کو اپنے مبارک ہاتھوں میں لے کر بوسہ دیا اور ان کے اوپر اپنا منہ رکھا۔ اس کے بعد ہم دوبارہ ابوسیف کے ہاں گئے تو ابراہیم رضی اللہ عنہ حالت نزع میں تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

1 [illegible]، 202. 2 صحیح مسلم، 976.

نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ بھی روتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابن عوف! یہ تو ایک رحمت ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے روتے ہوئے فرمایا: ''آنکھ اشکبار اور دل غمزدہ ہے لیکن ہم تو زبان سے وہی کہتا ہے جس سے ہمارا مالک راضی ہو۔ اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے یقیناً غمگین ہیں۔''[1]

5 رسول اللہ ﷺ کی محبت و رحمت آنکھوں سے چھلکی تو ناظرین بھی اپنے آنسو نہ روک پائے۔ آپ ﷺ کے نواسے کی وفات حسرت آیات پر کیا منظر تھا؟ آیئے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت پڑھتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کی ایک صاحبزادی نے آپ کو پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا فوت ہو رہا ہے، آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں۔ آپ نے سلام کہتے ہوئے جوابی پیغام بھیجا اور فرمایا: ''(اللہ تعالیٰ ہی کا سارا مال ہے۔) جو اللہ نے لے لیا، وہ اسی کا تھا اور جو اس نے عطا کیا، وہ بھی اسی کا ہے۔ اس کے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے، اس لیے اسے چاہیے کہ صبر کرے اور ثواب کی طلب گار رہے۔'' صاحبزادی نے پھر پیغام بھیجا اور آپ کو قسم دی کہ ضرور تشریف لائیں۔ چنانچہ آپ کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور مزید چند افراد بھی تھے۔ بچے کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا، اس کا سانس اکھڑا ہوا تھا۔ راوی نے کہا: میرا گمان ہے کہ اس نے کہا: گویا وہ مشکیزہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی دونوں آنکھیں (یہ منظر دیکھ کر) آنسو برسانے لگیں تو



1 صحیح البخاری، 1303.

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ رونا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”یہ رحمت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ رحم کرنے والے بندوں ہی پر رحم کرتا ہے۔“[1]



آپ ﷺ کی چہیتی بیٹی ام کلثوم جب قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں تو آپ ان کی قبر پر پہنچے اور آبدیدہ ہو گئے۔[2]

6 رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کی خبر گیری کرتے تھے۔ بیماروں کی تیمارداری کے لیے بھی تشریف لے جاتے۔ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو آپ ﷺ سیدنا سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمان بن عوف اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کی عیادت کے لیے گئے۔ جب آپ ان کے گھر پہنچے تو ان کے اہل خانہ کو ان کے گرد جمع دیکھا۔ آپ نے یہ منظر دیکھ کر پوچھا: ”کیا وہ فوت ہو گئے ہیں؟“ عرض کی گئی: نہیں، اے اللہ کے رسول۔ آپ ان کی تکلیف دہ حالت دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ہر آنکھ اشکبار ہو گئی۔ اس پر آپ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا:

«أَلَا تَسْمَعُونَ؟ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ، وَلٰكِنْ يُعَذِّبُ بِهٰذَا أَوْ يَرْحَمُ، وَإِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ»

”کیا تم سنتے نہیں ہو؟ اللہ تعالیٰ آنکھ کے رونے اور دل کے غمزدہ ہونے سے عذاب نہیں دیتا بلکہ اس (آپ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) کی وجہ سے عذاب دیتا یا رحم کرتا ہے۔ بے شک میت کو اس کے عزیزوں کے چلا کر بے قراری کرنے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔“[3]

نرم دل انسان کی آنکھوں سے خوفِ الٰہی کے باعث آنسو نکل آنا بڑی سعادت مندی کی دلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ

1 صحیح البخاري، 1284. 2 دیکھیے: صحیح البخاري، 1285. 3 صحیح البخاري، 1304.

نے ایسے خوش نصیب کے لیے عظیم خوشخبری سنائی۔ فرمایا:

"سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دے گا جس روز اس کے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا: (ان میں سے) ساتواں وہ شخص ہے جو خلوت میں اللہ کو یاد کرے تو اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو ٹپک پڑیں۔"[1]

خوشی و غمی، رنج و راحت اور غیظ و غضب کے مراحل

رحمت عالم ﷺ کے چہرہ مبارک پر ہمیشہ مسکراہٹ سجی رہتی تھی۔ آپ کی حسین مسکراہٹ غیروں کو اپنا اور دشمنوں کو دوست بنا دیتی تھی۔ سیدنا عبداللہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔[2]

آپ کی حسین مسکراہٹ سے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مالا مال ہوئے، ان میں ایک سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں، نبی ﷺ نے مجھ سے کوئی حجاب نہیں رکھا اور آپ ﷺ نے ہمیشہ مسکراتے چہرے ہی سے مجھے دیکھا۔[3]

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ بیٹھتے، ان کی باتیں سنتے، ان کی عمدہ شاعری سے خوش ہوتے اور ان کے ماضی کی داستانیں سن کر لطف اٹھاتے۔ صحابہ کھلکھلا کر ہنستے تو آپ بھی نہایت متوازن مسکراہٹ کے ساتھ ان کا ساتھ دیتے۔ آپ ﷺ کو ذاتی طور پر کسی سے رنج پہنچتا تو درگزر کرتے۔ کوئی تکلیف دیتا تو اسے معاف کر دیتے۔ آپ کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے۔ ذاتی تکلیف کا بدلہ لینا آپ کی سرشت ہی میں نہیں تھا۔ البتہ احکام ربانی کی نافرمانی ہوتی اور حدود اللہ کی پامالی کا ارتکاب کیا جاتا تو آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے اور شرعی حدود کے نفاذ کا پختہ اہتمام فرماتے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

ما ضرب رسول الله ﷺ شيئا قط بيده ولا امرأة ولا خادما إلا أن يجاهد في سبيل الله، وما نيل منه شيء قط فينتقم من صاحبه إلا أن ينتهك شيء من محارم الله فينتقم لله عز وجل.

"رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے کبھی کسی عورت یا خادم وغیرہ کو نہیں مارا، البتہ اللہ کی راہ میں

[1] صحیح البخاري 1423، [2] جامع الترمذي 3641، [3] صحیح البخاري 3035

جہاد کرتے ہوئے تلوار چلائی۔ آپ کو کوئی تکلیف پہنچاتا تو آپ اس شخص سے انتقام نہیں لیتے تھے لیکن اگر اللہ کی حرام کردہ اشیاء کا ارتکاب کیا جاتا تو آپ اللہ عزوجل کے لیے انتقام لیتے تھے۔"[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما خير رسول الله ﷺ بين أمرين قط إلا أخذ أيسرهما ما لم يكن إثما، فإن كان إثما كان أبعد الناس منه، وما انتقم رسول الله ﷺ لنفسه في شيء قط إلا أن تنتهك حرمة الله فينتقم بها لله

"رسول اللہ ﷺ کو دو کاموں میں اختیار دیا جاتا تو آپ ان دونوں میں سے آسان کام اختیار کرتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہوتا۔ اگر اس میں گناہ کا کوئی پہلو ہوتا تو آپ سب لوگوں سے بڑھ کر اس سے دور رہتے تھے۔ مزید برآں رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات بابرکات کے لیے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا، البتہ اگر اللہ کی حرمت کو پامال کیا جاتا تو محض اللہ کی رضا کے لیے اس کا انتقام لیتے تھے۔"[2]

آئیے اللہ کے دین کی حفاظت، شرعی حدود کے نفاذ اور اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کے مرتکبین پر آپ ﷺ کے غیظ وغضب کی چند مثالیں پڑھتے ہیں۔

1 شرعی حدود کا نفاذ معاشرے میں امن وسکون کا ضامن ہے۔ امیر اور غریب، اعلیٰ اور ادنیٰ، طاقتور اور کمزور کے امتیاز کے بغیر عدل وانصاف کیا جائے تو جرائم ختم ہو جاتے ہیں اور انسانوں کی جان، مال اور عزت محفوظ ہو جاتی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ شرعی حدود کے مرتکب افراد کو فوری سزا دیتے تھے۔ اس سلسلے میں کسی کی مطلق رعایت نہیں کی جاتی تھی۔ ایسے معاملات میں سفارش کرنے یا انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے میں کسی رکاوٹ کو ہرگز برداشت نہ کیا جاتا تھا۔ صحیح بخاری میں حدود کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ کے غضب ناک ہونے کی مثال ملتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی تو قریش اس کے معاملے میں بہت پریشان ہوئے۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سفارشی گفتگو کون کرے؟ طے پایا کہ صرف اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ہی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہیں۔ وہی اس بارے میں آپ ﷺ سے بات کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں، چنانچہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق آپ سے سفارش کی تو رسول اللہ ﷺ

[1] صحیح مسلم، 2328 [2] صحیح بخاری، 6126

نے بڑی سختی سے فرمایا: ''(اے اسامہ!) کیا تم اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے متعلق سفارش کرتے ہو؟'' پھر آپ نے کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا اور فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں کو اس امر نے تباہ کیا کہ جب ان میں سے کوئی دولت مند اور معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور اور غریب آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر (میری لخت جگر) فاطمہ بنت محمد (ﷺ) بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔''[1]

2 جاندار چیزوں کی تصویر کشی شریعت میں منع ہے۔ آپ نے مصوروں کے لیے شدید عذاب کی وعید سنائی ہے۔ تصویر سازی کسی بھی صورت میں ہو، وہ آپ کو ہرگز گوارا نہیں تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے۔ میں نے ایک پردے کے ساتھ گھر کے سامان کو ڈھانپ رکھا تھا۔ اس پردے پر تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ اندر تشریف لائے تو شدید غضبناک ہوئے، غصے سے پردے کو اتار پھینکا اور پھر انتباہ کرتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

''اے عائشہ! قیامت کے روز سب سے سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ کی تخلیق کے مشابہ تخلیق کی کوشش کرتے ہیں۔''[2]

چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پردے سے تکیے بنا لیے (جن کے اوپر بیٹھا جاتا ہے)۔[3]

3 رسول اللہ ﷺ امت کے لیے بے حد رحم دل تھے۔ امت کو کسی مشقت و تکلیف کا سامنا کرنا پڑے، یہ آپ کو ہرگز گوارا نہ تھا۔ اگر کوئی شخص امت کے لیے مشکلات پیدا کرتا تو آپ شدید ناراض ہوتے۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کرتے، پھر اپنے محلے کی مسجد میں اپنے قبیلے کے لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ وہ قرآن کی تلاوت بڑے مزے اور سکون سے کرتے تھے۔ مگر دن بھر محنت مشقت کرنے والے نمازیوں کے لیے طویل قراءت سننا خاصا دشوار تھا۔ ایک صحابی نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی طویل قراءت کی شکایت کر دی۔ سیدنا ابومسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نصیحت کرتے ہوئے کبھی اس قدر شدید غصے میں نہیں دیکھا جتنا اس موقع پر دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

1 صحيح البخاري 3475، 2 صحيح مسلم 2107، 3 صحيح البخاري 5954

جس نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی! یہ جملہ ایک انصاری مرد نے سن لیا، چنانچہ وہ کھڑا ہوا اور یہودی کے منہ پر طمانچہ دے مارا اور کہا کہ تو یہ بات کہتا ہے: قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی! حالانکہ نبی ﷺ ہم میں موجود ہیں؟ وہ یہودی آپ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: اے ابوالقاسم! مجھے امان اور عہد مل چکا ہے۔ اس کے باوجود فلاں شخص کا کیا حال ہے کہ اس نے میرے منہ پر طمانچہ مارا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تم نے اس کے منہ پر کیوں طمانچہ مارا؟'' راوی نے بیان کیا کہ نبی ﷺ یہ سن کر غصے سے بھر گئے حتیٰ کہ آپ کے چہرۂ انور پر اس کے اثرات دیکھے گئے۔ پھر آپ نے فرمایا: ''اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے انبیائے کرام علیہم السلام کے درمیان ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو۔ واقعہ یہ ہے کہ جب صور میں پھونکا جائے گا اور تمام زمین و آسمان والے بے ہوش ہو جائیں گے مگر جسے اللہ چاہے (وہ بے ہوش نہ ہوگا) پھر اس میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو میں سب سے پہلے اٹھایا جاؤں گا، میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوں گے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کو طور کے دن کی بے ہوشی کا عوض ملا ہے یا ان کو مجھ سے پہلے اٹھا دیا گیا۔''[1]

6 عبادت تقرب ربانی اور رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے لیکن عبادت میں تشدد اور خود کو تکلیف میں ڈال کر عبادت کرنا رسول اللہ ﷺ کو پسند نہ تھا۔ آپ ﷺ سب کو ان کی طاقت کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیتے تھے۔ جن صحابہ نے طاقت سے بڑھ کر عبادات میں رغبت و شوق دکھایا، آپ ان سے سخت ناراض ہوئے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین آدمی نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں کی طرف آئے تاکہ وہ نبی ﷺ کی عبادت کے متعلق معلومات حاصل کریں۔ جب انھیں (اس کی) خبر دی گئی تو انھوں نے اپنی عبادت کو بہت

[1] صحیح بخاری: 3414

کوہ طور (سینا)



کم خیال کیا، کہنے لگے کہ ہمارا نبی ﷺ کی عبادت سے کیا مقابلہ! اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا: میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھتا رہوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا اور افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے علیحدگی اختیار کرلوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ ان حضرات کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے پوچھا: ”کیا تم نے یہ باتیں کہی ہیں؟ خبردار! اللہ کی قسم! میں تمھاری نسبت اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ پرہیز گار ہوں لیکن میں روزے رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اس کے علاوہ عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں ہے۔“[1]

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا: آپ روزے کس طرح رکھتے ہیں؟ اس کا یہ سوال سن کر آپ سخت ناراض ہوئے (کیونکہ آپ کی طاقت کا موازنہ امت کے ساتھ کرنا ممکن نہیں۔ اور آپ عبادات میں جس طرح کڑی محنت کرتے تھے، وہ امت کے لیے ناممکن تھی، اس لیے یہ سوال کرنا ہی عبث تھا)۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے چہرۂ مبارک پر غصہ دیکھا تو فوراً عرض کیا: ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ ہم اللہ کے غضب اور اس کے رسول کی ناراضی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ بالآخر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا غصہ ختم کیا تو آپ نے امت کے لیے بہترین روزوں کی کیفیت بیان کی کہ مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو، یوم عرفہ کا روزہ رکھو جو ایک سال گزشتہ اور ایک سال موجودہ کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے۔ اور یوم عاشوراء کا روزہ رکھا کرو۔۔۔۔۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کبھی امت کو کوئی کام کرنے کا حکم دیتے تو وہ عرض کرتے: ہم آپ جیسے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ہر قسم کی کمی و کوتاہی معاف کر رکھی ہے۔ صحابہ کے ان کلمات پر آپ ﷺ شدید ناراض ہوتے، آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا، پھر آپ فرماتے:

إن أتقاكم وأعلمكم بالله أنا۔

”تم سب سے بڑا متقی اور اللہ کی معرفت رکھنے والا میں ہوں۔“[3]

7 صفائی نصف ایمان ہے۔ اسلام صفائی اور پاکیزگی کو پسند کرتا اور اس کا حکم دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے گھر، یعنی مساجد کا معاملہ ہو تو صفائی اور بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک دفعہ

1 صحيح البخاري: 5063، 2 صحيح مسلم: 1162، 3 صحيح البخاري: 20.

قبلے کی جانب تھوک پڑا دیکھا تو آپ ﷺ کو یہ بات اس قدر ناگوار گزری کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر غصے کے آثار نمایاں ہو گئے۔ آپ ﷺ نے بنفسِ نفیس (خود) کھڑے ہو کر اپنے دستِ مبارک سے تھوک صاف کیا اور فرمایا: ''تم میں سے جب کوئی اپنی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو گویا وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے اور اس کا رب اس کے اور قبلے کے درمیان ہوتا ہے، لہٰذا تم میں سے کوئی (بحالتِ نماز) اپنے قبلے کی طرف نہ تھوکے بلکہ بائیں جانب یا اپنے قدم کے نیچے تھوکے۔'' پھر آپ ﷺ نے عملاً نمونہ دکھاتے ہوئے اپنی چادر کے گوشے میں تھوکا، اسے الٹ پلٹ کیا اور فرمایا: ''وہ اس طرح بھی کر سکتا ہے۔''[1]

8 امتِ محمدیہ کے مردوں کے لیے ریشمی لباس اور سونے کے زیورات پہننا منع ہے۔ آپ ﷺ نے ابتدا میں سونے کی انگوٹھی بنوائی تو صحابہ نے بھی بنوالیں۔ پھر آپ نے سونے کی انگوٹھی خود بھی اتار دی اور صحابۂ کرام کو بھی منع کر دیا۔ صحابہ نے آپ کی اتباع میں فوراً انگوٹھیاں اتار پھینکیں۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے اتفاق سے ایک صحابی کو سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ بہت ناراض ہوئے۔ آپ نے وہ انگوٹھی اتاری اور پھینک دی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''کیا تم میں سے کوئی شخص جہنم کے انگارے کو اپنے ہاتھ میں پکڑ لیتا ہے۔''

اس صحابی کو رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد کہا گیا: اپنی انگوٹھی اٹھا لو تاکہ اس سے کسی اور طرح فائدہ اٹھاؤ۔ انھوں نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! جس انگوٹھی کو رسول اللہ ﷺ نے پھینکا ہو، میں اسے نہیں اٹھاؤں گا۔[2]

9 مسلمان کی قدر و قیمت کیا ہے، اس کی جان، مال اور عزت کتنی قیمتی ہے؟ اس کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی یہ روایت پڑھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حرقہ کی طرف روانہ کیا۔ ہم نے اس قوم پر صبح کے وقت حملہ کر کے انھیں شکست فاش دی۔ اس دوران میں، میں نے اور ایک انصاری نے کفار کے ایک شخص کو جا لیا۔ جب ہم نے اس پر غلبہ پا لیا تو وہ لا الٰہ الا اللہ کہنے لگا۔ انصاری تو فوراً رک گیا، لیکن میں نے اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ جب ہم مدینہ طیبہ واپس آئے تو نبی ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی۔ آپ نے فرمایا: ''اے اسامہ! تو نے اسے لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کے بعد قتل کر دیا؟'' میں نے عرض کی: اس نے تو قتل ہونے سے بچنے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ ﷺ میری وضاحت کے باوجود اپنی بات کو بار

[1] صحيح البخاري: 405، [2] صحيح مسلم: 2090.

بار دہراتے رہے یہاں تک کہ میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی، کاش! میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوتا۔[1]

10 ضرورت کے وقت شرعی مسئلہ پوچھنا جائز ہے مگر لایعنی سوالات کرنا یا جو امور ابھی ظہور میں نہ آئے ہوں ان کے بارے میں سوالات کرنا آپ ﷺ کو سخت ناپسند تھا۔ اگر ایسا موقع آ جاتا تو آپ سخت ناراض ہوتے تھے۔

سیدنا زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے گری ہوئی چیز کے متعلق دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے بندھن یا برتن اور تھیلی کی پہچان رکھ اور ایک سال تک لوگوں سے پوچھتا رہ، پھر اس سے فائدہ اٹھا۔ اس دوران میں اگر اس کا مالک آ جائے تو وہ چیز اس کے حوالے کر دے۔'' پھر اس شخص نے پوچھا کہ گمشدہ اونٹ کا کیا حکم ہے؟ یہ سن کر آپ کو اس قدر طیش آیا کہ آپ ﷺ کے رخسار مبارک سرخ ہو گئے، یا آپ کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا (راوی کو شک ہے۔) اور آپ نے فرمایا: ''تجھے اونٹ سے کیا غرض ہے؟ اس کی مشک اور اس کا موزہ اس کے ساتھ ہے، جب پانی پر پہنچے گا، پانی پی لے گا اور درخت سے چر لے گا، اسے چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کا مالک اسے ڈھونڈ لے۔'' پھر اس شخص نے کہا: اچھا، گمشدہ بکری کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ تمھاری یا تمھارے بھائی (مالک) کی یا بھیڑیے کی ہے۔''[2]

اسی جیسا ایک اور واقعہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے چند ایسی باتیں پوچھی گئیں جو آپ کے مزاج کے خلاف تھیں۔ جب اس قسم کے سوالات کی آپ کے سامنے تکرار کی گئی تو آپ کو غصہ آ گیا، پھر حاضرین سے فرمایا: ''اچھا جو چاہو مجھ سے پوچھو۔'' اس پر ایک شخص نے عرض کیا: میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تیرا باپ حذافہ ہے۔'' پھر دوسرے شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تیرا باپ سالم ہے جو شیبہ کا غلام ہے۔'' اس دوران سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے چہرۂ مبارک پر آثارِ غضب دیکھے تو فوراً بولے: اے اللہ کے رسول! ہم اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں۔[3]

لمحاتِ مسرت، تبسم اور مزاح

مسکراہٹ وہ خوبی ہے جو مخاطب کی روح میں اتر جاتی ہے۔ اگر مسکراہٹ میں مخاطب کے لیے محبت و خلوص کی چاشنی بھی شامل ہو تو اس کا اثر چندگنا ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کو اپنی دلکش مسکراہٹ سے نوازتے تھے۔ آپ ان کی خوشی اور غمی میں شرکت کرتے تھے۔ ان کی مجلسوں میں بیٹھتے، جب وہ قہقہے لگاتے تو آپ بھی دلنشین مسکراہٹ کے ساتھ ان کا ساتھ دیتے۔ سیدنا سماک بن حرب فرماتے ہیں: میں نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

1 صحیح البخاری 4269، 2 صحیح البخاری 91، 3 صحیح البخاری 92

کیا آپ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں شرکت کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: جی ہاں، میں بکثرت آپ کی مجلس میں بیٹھتا تھا۔ آپ نماز فجر کے بعد اپنی جگہ بیٹھے رہتے حتی کہ سورج نکل آتا۔ سورج طلوع ہونے کے بعد آپ اپنی جگہ سے اٹھتے تھے۔ آپ کی مجلس میں صحابۂ کرام باہم بات چیت کرتے اور جاہلیت کے دور کی باتیں یاد کرکے خوب ہنستے تھے اور آپ (ان کی باتیں سن کر) مسکرا دیتے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مسلمان بھائی کو دیکھ کر مسکرانا صدقہ ہے۔“[2] آپ کا مسکراہٹ کو صدقہ قرار دینا مسکراہٹ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے کافی ہے۔ اگر امت کے لیے یہ صدقہ ہے تو پھر تاجدار مدینہ کا چہرۂ انور بھلا اس دلنواز خوبی سے کیسے خالی رہ سکتا ہے؟ آئیے آپ کی حسین مسکراہٹ اور مبنی بر صداقت مزاح کی چند مثالیں پڑھتے ہیں:

1 رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کو گزشتہ امتوں کے واقعات سنا کر وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ جنت و جہنم کے واقعات بتا کر جنت کا شوق بڑھاتے اور جہنم سے ڈرایا کرتے تھے۔ کبھی ایسے واقعات بھی بیان ہوتے جن سے صحابۂ کرام اور رسول اللہ ﷺ خوب لطف اندوز ہوتے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی ﷺ کے پاس ایک دیہاتی آدمی بیٹھا تھا اور آپ یہ بیان فرما رہے تھے: ”اہل جنت میں سے ایک شخص اپنے رب سے کاشتکاری کی اجازت طلب کرے گا تو اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا: کیا تو موجودہ حالت پر خوش نہیں ہے؟ وہ کہے گا: کیوں نہیں (خوش ہوں) لیکن مجھے کھیتی باڑی کا شوق ہے۔ آپ نے فرمایا: وہ بیج کاشت کرے گا تو پل جھپکنے میں وہ اُگ آئے گا، فوراً سیدھا ہو جائے گا اور کاٹنے کے قابل ہو جائے گا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پہاڑ کی طرح انبار لگ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم کے بیٹے! یہ لے لے، تجھے کوئی چیز سیر نہیں کر سکتی۔“ یہ سن کر دیہاتی باشندہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! وہ شخص قریشی یا انصاری ہوگا کیونکہ یہی لوگ کھیتی باڑی کرنے والے ہیں، ہم تو کھیتی باڑی والے لوگ نہیں۔ یہ سن کر نبی ﷺ ہنس پڑے۔[3]

2 سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں آخری جنتی کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہوگا۔ وہ گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا جہنم سے نکلے گا تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے فرمائے گا: جاؤ میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ وہ جنت میں داخل ہوگا تو اسے ایسا لگے گا جیسے جنت بھر چکی ہے، کوئی جگہ خالی نہیں۔ وہ واپس آئے گا اور عرض کرے گا: الٰہی! جنت بھر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ

1 صحیح مسلم: 670، 2 جامع الترمذی: 1956، 3 صحیح البخاری: 2348

اس سے فرمائے گا: جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ (جنت اتنی تنگ دامن نہیں)۔ وہ دوبارہ جائے گا اور خیال کرے گا کہ کوئی جگہ اس کے لیے خالی نہیں۔ وہ واپس آ کر پھر عرض کرے گا: اے میرے اللہ! جنت بھر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ، تمھیں دنیا سے دس گنا بڑی جاگیر عطا کی گئی ہے۔ تو وہ حیرت و تعجب سے کہے گا: اے شہنشاہ! تو میرے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔'' اس پر رسول اللہ ﷺ اس حد تک مسکرائے کہ آپ کی مبارک داڑھیں نظر آنے لگیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ جنت کا سب سے ادنیٰ وارث ہوگا۔''[1]

انسان بہت کمزور ہے۔ ذرا سی آزمائش پر پریشان اور تھوڑی سی تکلیف پر دکھی ہو جاتا ہے۔ انسان کی اسی حالت کا مظہر یہ واقعہ ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک دفعہ اہل مدینہ کو قحط سالی نے آ لیا۔ آپ ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! گھوڑے اور بکریاں ہلاک ہو گئیں۔ آپ اللہ سے بارش کی دعا کریں۔ آپ نے فوراً دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان بالکل صاف شفاف تھا۔ اچانک ہوا چلی، بادل آئے، پھر وہ گھنے ہو گئے۔ اس کے بعد آسمان نے اپنا منہ کھول دیا، چنانچہ ہم پانی میں بھیگتے ہوئے باہر نکلے اور بمشکل اپنے گھروں تک پہنچے۔ دوسرے جمعہ تک بارش ہوئی۔ پھر وہی شخص یا کوئی دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! اب تو مکانات گرنے لگے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ بارش روک لے۔ آپ نے مسکراتے ہوئے دعا فرمائی: ''اے اللہ! یہ بارش ہمارے اردگرد ہو، ہم پر نہ ہو۔'' انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر جو میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ اس وقت بادل چھٹ کر مدینے کے اردگرد یوں ایستادہ ہو گئے جیسے مدینہ ایک تاج ہے۔[2]

4 غزوۂ طائف کے موقع پر بھی ایسی ہی حالت پیش آئی۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ طائف میں تھے تو آپ نے فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو کل ہم واپس چلے جائیں گے۔'' کچھ صحابۂ کرام نے کہا: جب تک ہم طائف کو فتح نہ کر لیں، واپس نہیں جائیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہی بات ہے تو صبح لڑائی کرو۔'' چنانچہ دوسرے دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جنگ کرنے گئے، گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس میں بکثرت صحابۂ کرام زخمی ہوئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان شاء اللہ کل ہم واپس چلے جائیں گے۔'' آپ ﷺ کے اس فیصلے پر تمام صحابۂ کرام خاموش رہے۔ آپ ان کی خاموشی پر ہنس پڑے۔[3]

1 صحیح مسلم: 186۔ 2 صحیح البخاری: 3582۔ 3 صحیح البخاری: 6086

5 آپ ﷺ صحابۂ کرام سے بہت محبت و شفقت کا سلوک فرماتے اور بے اختیار مسکراتے۔ آپ کی حسین مسکراہٹ صحابۂ کرام کے دلوں کو عقیدت و الفت کے جذبات سے لبریز کر دیتی تھی۔ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو اس وقت آپ کھجوریں نوش فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''صہیب! آجاؤ، تم بھی کھالو۔'' لہٰذا میں بھی کھانے لگا۔ نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ میری آنکھ دکھ رہی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''صہیب! تم آشوبِ چشم میں مبتلا ہو اور پھر بھی کھجوریں کھا رہے ہو؟'' میں نے عرض کی: جو آنکھ صحیح ہے، میں اس طرف سے کھجور چبا رہا ہوں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ خوب مسکرائے۔[1]

6 سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کی ننھی منی خوبصورت بچی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے اسے نہایت شفقت سے پیار کیا اور فرمایا: [illegible] ''کیا یہ تم ہو؟ تم تو بہت بڑی ہوگئی ہو۔ تم بڑی نہ ہو۔'' بچی یہ سن کر روتی ہوئی والدہ کے پاس پہنچ گئی کہ اسے رسول اللہ ﷺ نے بددعا دی ہے، اب اس کی عمر نہیں بڑھے گی اور وہ بڑی نہیں ہوگی۔ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی پریشان ہوگئیں اور جلدی سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ عرض کی: حضور! آپ نے میری لڑکی کو بددعا کیوں دی؟ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''کون سی بددعا؟'' انھوں نے بتایا کہ آپ نے اسے بددعا دی ہے کہ وہ بڑی نہ ہو۔

یہ سن کر آپ ﷺ بہت ہنسے۔ پھر آپ ﷺ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ''اے ام سلیم! کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں نے اپنے رب کے ساتھ کیا شرط لگائی ہے؟ میں نے یہ شرط لگا رکھی ہے:

[illegible]

''بلاشبہ میں ایک بشر ہوں۔ انسانوں کی طرح خوش اور ناراض ہوتا ہوں۔ لہٰذا اپنی امت کے جس فرد کو میں بددعا دے دوں اور وہ اس کا مستحق نہ ہو تو اس بددعا کو قیامت کے روز اس شخص کے لیے گناہوں کی معافی، قربت کے حصول اور اپنی بخشش کا ذریعہ بنا دے۔''[2]

7 رسول اللہ ﷺ اپنے صحابۂ کرام سے دل لگی بھی کر لیتے تھے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہمارے ساتھ دل لگی اور ہنسی مزاح بھی کر لیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

[1] سنن ابن ماجہ: 3443، [2] صحیح مسلم: 2603



إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا "میں سوائے حق کے کچھ نہیں کہتا۔"[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی: مجھے سواری کے لیے ایک اونٹ عطا کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: إِنَّا حَامِلُوكَ عَلَى وَلَدِ نَاقَةٍ "ہم تو تمھیں اونٹنی کے بچے پر سوار کریں گے۔"

وہ شخص کہنے لگا: میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟ آپ نے فرمایا: وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلَ إِلَّا النُّوقُ "ہر اونٹ اونٹنی ہی کا بچہ ہوتا ہے۔"[2]

8 صحابہ کرام کی خوشی آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کی درخشندگی میں اضافے کا باعث بنتی تھی۔

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ محض سستی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شرکت سے محروم رہ گئے۔ رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے تو منافقین کو ان کے جھوٹے بہانوں کے حوالے کر کے ان سے اعراض فرمایا لیکن مخلص مومنوں کو سزا دی۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کی توبہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ 50 دن تک انھوں نے بڑی سخت سزا جھیلی۔ ان کا معاشرتی بائیکاٹ کیا گیا۔ اپنے ہی لوگ بیگانے اور اپنی سرزمین اجنبی ہوگئی۔ اپنا شہر مدینہ جیل بن گیا۔ بالآخر 50 دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انھیں خوشخبری دینے کے لیے بھاگے۔ اس موقع پر آپ کا چہرہ مبارک بھی خوشی سے کھل اٹھا۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کو سلام کیا تو آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے دمک رہا تھا۔ آپ کو جب بھی کوئی خوشی ملتی تو آپ کا چہرہ انور چودھویں کے چاند کی طرح چمکنے لگتا تھا۔[3]

انداز کلام اور خاموشی

زبان نبوت جب بھی حرکت میں آتی تو حق ہی کا ظہور ہوتا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾

[1] جامع الترمذی: 1990۔ [2] سنن ابی داود: 5000۔ [3] صحیح البخاری: 3556۔

’’اور وہ (اپنی) خواہش سے نہیں بولتا۔ وہ وحی ہی تو ہے جو (اس کی طرف) بھیجی جاتی ہے۔‘‘ [1]

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ آپ کے ارشادات گرامی لکھا کرتے تھے۔ ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ آپ ﷺ کبھی غصے میں بھی ہوتے ہیں، کبھی طبیعت خوشگوار ہوتی ہے، لہٰذا کبھی کچھ نہ لکھا کرو، احتیاط کیا کرو۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوت میں ساتھیوں کے خدشات پہنچائے تو ارشاد ہوا:

اُكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ

’’لکھو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری زبان سے صرف حق ہی نکلتا ہے۔‘‘ [2]

اس طرح آپ کی زبان مبارک صرف سچائی کی ترجمان تھی۔ جب آپ خاموشی اختیار کرتے تو وہ ذکرِ الٰہی اور تدبر و تفکر کے باعث ہوتی۔ آپ پرتکلف گفتگو کے عادی نہ تھے۔ سادہ، بامقصد، سچی اور دل کی گہرائی میں اتر جانے والی گفتگو آپ کا ممتاز وصف تھی۔ فصیح و بلیغ عرب قوم سے تعلق رکھنے والے رسول مکرم ﷺ خود سب سے زیادہ فصاحت و بلاغت والے تھے، مختصر اور حکمت و دانائی سے لبریز کلام آپ ﷺ کی نمایاں خوبی تھی۔ آپ ﷺ اکثر خاموش رہتے، اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کی کائنات اور مخلوق میں غور و فکر کرتے ہوئے وقت گزارتے۔ جب بولتے تو نہایت نپی تلی گفتگو فرماتے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كَانَ طَوِيلَ الصَّمْتِ ’’آپ اکثر طویل خاموشی اختیار فرماتے تھے۔‘‘ [3]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے دلکش اسلوبِ کلام کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی گفتگو میں بڑا ٹھہراؤ ہوتا تھا۔ سیدہ مزید فرماتی ہیں: آپ کی گفتگو اس قدر واضح ہوتی تھی کہ ہر سننے والا آسانی سے سمجھ لیتا تھا۔ [4]

نہایت تیز کلام کرنا، الفاظ کو چبا چبا کر ادا کرنا اور نہایت تکلف سے گفتگو کرنا آپ کو پسند نہ تھا۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ تمھاری طرح تیزی اور طراری سے گفتگو نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرتے، حاضرینِ مجلس آپ ﷺ کے ارشادات یاد کر لیتے تھے۔ [5]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے دس سال آپ ﷺ کی خدمت کی سعادت حاصل کی، وہ آپ کے طریقۂ تکلم کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: آپ اپنی بات تین بار دہراتے تھے تاکہ لوگ سمجھ لیں اور یاد کر لیں۔ [6]

1 النجم 53:3،4. 2 سنن أبي داود: 3646، ومسند أحمد 162/2. 3 السنن الكبرى للبيهقي: 52/7. 4 سنن أبي داود: 4838، 4839. 5 جامع الترمذي: 3639. 6 جامع الترمذي: 3640.

رسول اللہ ﷺ بے مثال خطیب تھے۔ جب آپ خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کی آواز بلند ہو جاتی، چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا، آپ غضبناک ہو جاتے جیسے آپ لشکر کو ڈرا رہے ہوں اور کہہ رہے ہوں: تم پر دشمن علی الصبح یا شام کو حملہ آور ہونے والا ہے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ شرم و حیا کے پیکر تھے۔ فحش اور بے ہودہ گوئی جیسے عیوب سے آپ ﷺ بالکل پاک تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نہ تو فحش گو تھے، نہ بدزبان تھے بلکہ آپ فرمایا کرتے تھے: ''بلاشبہ تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہو۔'' [2]

آپ ﷺ بڑی نپی تلی با مقصد گفتگو فرماتے تھے۔ صحابہ کرام کو وعظ و نصیحت کرتے تھے مگر اس وقت جب آپ ﷺ صحابہ کرام میں وعظ و نصیحت کا ذوق محسوس فرما لیتے تھے۔ آپ انھیں اکتاہٹ سے بچاتے تھے۔ صرف اتنی دیر درس دیتے جتنی دیر وہ شوق و ذوق سے سنتے رہتے، اسی لیے آپ کے اکثر خطبات مختصر ہوتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے طریقۂ وعظ و نصیحت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كان النبي ﷺ يتخولنا بالموعظة في الأيام كراهة السآمة علينا

''نبی ﷺ ہمارے اکتا جانے کے اندیشے سے ہمیں وعظ و نصیحت کرنے کے لیے وقت اور موقع و محل کا خیال رکھتے تھے۔'' [3]

آپ نے امت کو بھی بامقصد بولنے اور لایعنی کلام کرنے سے منع کیا ہے۔ آپ نے فضول گفتگو کی تباہ کاری سے ڈرایا ہے۔ خاموشی کو نجات قرار دیا ہے۔ آیئے رسول اللہ ﷺ کے چند فرامین پڑھتے ہیں جن میں امت کو گفتگو کا صحیح طریقہ اور سلیقہ سکھایا گیا ہے۔

1 سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا أو ليصمت

''جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اچھی اور بھلی بات کرے یا خاموش رہے۔'' [4]

2 زبان کی حفاظت کرنے پر آپ ﷺ نے جنت کی بشارت دی۔ آپ نے فرمایا:

من يضمن لي ما بين لحييه وما بين رجليه أضمن له الجنة

''جو شخص مجھے اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان (زبان) اور دونوں ٹانگوں کے درمیان (شرمگاہ) کی ضمانت

[1] صحیح مسلم: 1435 [2] صحیح البخاري: 3559 [3] صحیح البخاري: 68 [4] صحیح مسلم: 47

دے دے، میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''[1]

انسان کی زبان سے نکلنے والا ہر کلمہ لکھنے کے لیے فرشتوں کی ڈیوٹی لگا دی گئی ہے، اس لیے ہر شخص کو ہر وقت خوب سوچ سمجھ کر بات کرنی چاہیے۔ ارشاد نبوی ہے:

[illegible]

''بے شک بندہ اللہ کی رضا جوئی کے لیے ایک بات منہ سے نکالتا ہے، اسے وہ کچھ اہمیت بھی نہیں دیتا لیکن اس کی وجہ سے اللہ اس کے درجات بلند کر دیتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرا بندہ ایک ایسا کلمہ زبان سے نکالتا ہے جو اللہ کی ناراضی کا باعث ہوتا ہے، اس کے ہاں اس کی کوئی اہمیت بھی نہیں ہوتی لیکن اس کی وجہ سے وہ جہنم میں چلا جاتا ہے۔''[2]

وہ جہنم میں کتنی گہرائی میں جا گرتا ہے؟ اس کی وضاحت صحیح بخاری ہی کی دوسری روایت میں یوں آئی ہے:

[illegible]

''اتنی گہرائی میں جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ ہے۔''[3]

نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کو بہترین مسلمان قرار دیا ہے جس کی زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ وہ اپنی زبان اور ہاتھ سے انھیں تکلیف نہ پہنچاتا ہو۔ آپ ﷺ سے افضل ترین مسلمان کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

''جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''[4]

زبان کی حفاظت کا درس دیتے ہوئے ایسے سوالات سے بھی منع کر دیا جو حقیقی نہ ہوں، مفروضہ اور غیر واقعاتی ہوں۔ اسی طرح فضول گفتگو اور وقت کو برباد کرنے والی بات چیت سے بھی منع کرتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

''اللہ تعالیٰ تمھارے لیے تین چیزیں ناپسند کرتا ہے: ادھر ادھر کی فضول باتیں کرنا، مال کو ضائع کرنا اور

1 صحیح البخاري: 6474. 2 صحیح البخاري: 6478. 3 صحیح البخاري: 6477. 4 صحیح البخاري: 11.

بکثرت سوال کرنا۔"[1]

خشیت الٰہی

اللہ تعالیٰ کی معرفت جس قدر زیادہ ہوگی، اسی قدر اس کی خشیت اور خوف بھی زیادہ ہوگا۔ خوف الٰہی کی بدولت انسان شیطانی حربوں سے محفوظ رہتا ہے، اس کے جال میں پھنسنے سے بچ جاتا ہے۔ گناہوں اور برائیوں کے ارتکاب سے اجتناب کرتا ہے۔ گناہوں سے دور رہنے کی وجہ سے اسے ایمانی رشد و ہدایت کی راہ میں ترقی ملتی رہتی ہے۔ اس کے قلب و روح میں عظمت الٰہی کا نقش ہوتی ہے۔ اللہ رب العالمین کی محبت راسخ ہوتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کے باعث انسان آخرت میں کامیاب و کامران ہوگا۔ قیامت کے دن کی پریشانیوں اور تکالیف سے محفوظ رہے گا۔ بالآخر جہنم سے نجات اور جنت کا حصول اس کا مقدر بنتا ہے۔ مومنوں کی یہ سعادت ہے کہ انھیں خشیت الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾

"(سچے) مومن تو صرف وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، اور جب ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کی جائے تو وہ ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں، اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔"[2]

امام المتقین محمد رسول اللہ ﷺ خشیت الٰہی میں بھی بلندترین مقام پر فائز تھے۔ آیئے آپ کی خشیت اور خوف الٰہی کی چند مثالیں دیکھیے:

1 سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے کوئی کام کیا اور لوگوں کو بھی وہ عمل کرنے کی اجازت دی لیکن کچھ لوگوں نے اس سے پرہیز کرنا اچھا خیال کیا۔ ان کا یہ رویہ نبی ﷺ کے علم میں آیا تو آپ نے خطبہ دیا، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا: "ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو اس کام سے پرہیز کرتے ہیں جسے میں نے خود کیا ہے؟ اللہ کی قسم! میں اللہ تعالیٰ کو ان سے زیادہ جاننے والا ہوں اور ان سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔"[3]

2 اللہ تعالیٰ کی معرفت، جنت و جہنم کے حقائق سے آگہی اور خوف الٰہی میں چونکہ آپ یکتا تھے، اس لیے آپ کی

[1] صحیح البخاري: 1477. [2] الأنفال 2:8. [3] صحیح البخاري: 6101.

آنکھوں سے سیل رواں جاری ہو جاتا تھا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے خطبہ دیا۔ میں نے اس جیسا خطبہ کبھی نہیں سنا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''جو حقائق میں جانتا ہوں، اگر وہ تمھیں معلوم ہو جائیں تو تم ہنسو کم اور رؤو زیادہ۔'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے اپنے چہرے ڈھانپ لیے اور ان کی گریہ و زاری کی آواز آنے لگی۔[1]

3 امانت ادا کرنے، مالی امور بے باق رکھنے اور امت کی خیر خواہی کے سلسلے میں آپ کی خشیت اور خوف بے مثال تھا۔ سیدنا عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز عصر ادا کی۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی کسی بیوی کے گھر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے، آپ ﷺ نے اپنی عجلت کی وجہ سے لوگوں کے چہروں پر حیرت کے اثرات دیکھے تو فرمایا: ''مجھے دوران نماز میں یاد آیا کہ ہمارے پاس سونے کا ایک ٹکڑا ہے۔ میں نے شام یا رات تک اسے گھر میں رکھنا گوارا نہ کیا، اس لیے میں نے اسے (لوگوں میں) تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔''[2]

4 اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالی ضروریات کے لیے کئی قسم کی مراعات مرحمت فرمائی تھیں۔ صدقہ اور زکاۃ آپ اور آپ کے خاندان کے لیے حرام تھی، اس لیے آپ زکاۃ کے مال میں بہت احتیاط کرتے تھے۔ اپنی آل کو بھی اس سے بچاتے تھے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک گری ہوئی کھجور کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لَوْلَا أَنْ تَكُونَ مِنْ صَدَقَةٍ لَأَكَلْتُهَا

''اگر یہ خدشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقے کی کھجور ہوگی تو میں اسے ضرور کھا لیتا۔''

نیز فرمایا: أَجِدُ تَمْرَةً سَاقِطَةً عَلَى فِرَاشِي ''میں اپنے بستر پر گری ہوئی کھجور دیکھتا ہوں (مگر صدقے کی کھجور ہونے کے ڈر سے اسے نہیں کھاتا)۔''[3]

5 عبادت و ریاضت میں تکلف و تشدد ٹھیک نہیں۔ جسم کی راحت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ طبیعت کی خوشی اور رغبت سے کی گئی عبادت ہی بہتر ہوتی ہے۔ البتہ اگر کوئی خواہ مخواہ تکلف کرے تو یہ خشیت الٰہی کے منافی ہونے کی وجہ سے قابل تعریف کام نہ ہوگا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین آدمی نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں کی طرف آئے تاکہ وہ نبی ﷺ کی عبادت کے متعلق معلومات حاصل کریں۔ جب انھیں (اس کی) خبر دی گئی

[1] صحيح البخاري: 4621. [2] صحيح البخاري: 1221. [3] صحيح البخاري: 2055.

تو انھوں نے اپنی عبادات کو کم خیال کیا، کہنے لگے کہ ہمارا نبی ﷺ کی عبادت سے کیا مقابلہ! اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے ہیں، چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا: میں ہمیشہ رات کو نماز پڑھتا رہوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا اور افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے علیحدگی اختیار کرلوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے آئے اور آپ نے ان سے پوچھا: ''کیا تم نے یہ یہ باتیں کہی ہیں؟ خبردار! اللہ کی قسم! میں تمھاری نسبت اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں لیکن میں روزے رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اس کے علاوہ عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں ہے۔''[1]

6 آپ اپنی امت کے بارے میں فکرمند اور اس کی نجات کے لیے ہر لحظہ کوشاں رہتے تھے۔ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے غزوۂ احد کے شہداء کے لیے آٹھ سال بعد اس طرح دعائے مغفرت کی جیسے آپ انھیں الوداع کہہ رہے ہوں۔ پھر آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا:

[illegible]

''میں تمھارے لیے میرِ کارواں (پیش رو) ہوں اور تم پر گواہ ہوں۔ مجھ سے تمھاری ملاقات حوضِ کوثر پر ہو گی۔ میں اس وقت بھی اپنی جگہ سے حوض کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے تمھارے متعلق یہ خطرہ نہیں کہ تم شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے بلکہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ تم دنیا میں دلچسپی لینے لگو گے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو گے۔''[2]

7 آپ کو یہ بات فکرمند رکھتی تھی کہ آپ کی امت دنیا کی ناز و نعم میں کھو جائے گی اور آخرت کی راہیں بھلا بیٹھے گی۔ سیدنا عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو جزیہ وصول کرنے کے لیے بحرین روانہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بحرین والوں سے صلح کر لی تھی اور آپ نے علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو وہاں کا حاکم مقرر کیا تھا۔ سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بحرین سے مال لائے۔ جب انصار نے ابوعبیدہ کے آنے کی خبر سنی تو انھوں نے نماز فجر نبی ﷺ کے ساتھ ادا کی۔ آپ ﷺ جب (نماز سے) فارغ ہوئے تو وہ (انصار) آپ کے سامنے آگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب انھیں دیکھا تو مسکرائے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] صحیح بخاری: 5063، [2] صحیح بخاری: 4042.



"میرا خیال ہے تم نے سن لیا ہے کہ ابوعبیدہ کچھ مال لائے ہیں؟" انھوں نے کہا: جی ہاں، اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: "تمھیں بشارت ہو اور تم اس چیز کی امید رکھو جو تمھیں خوش کر دے۔ واللہ کی قسم! مجھے تمھاری غربت کا ڈر نہیں لیکن مجھے یہ اندیشہ ضرور ہے کہ تمھارے لیے دنیا اس طرح پھیلا دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیلا دی گئی تھی اور تم اس سے اس طرح رغبت رکھو گے جس طرح انھوں نے رغبت رکھی تھی، پھر وہ تمھیں اسی طرح ہلاک کر دے گی جس طرح اس نے ان لوگوں کو ہلاک کیا۔"[1]

اسی طرح سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے امت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "مجھے اپنے بعد تم پر جس چیز کا خطرہ ہے، وہ صرف یہ ہے کہ زمین کی برکتیں تم پر کھول دی جائیں گی۔" پھر آپ نے دنیا کی زیب و زینت اور رونق کا ذکر کیا۔ آپ نے پہلے دنیا کی برکات کا ذکر کیا، پھر اس کی رونق بیان کی۔ اتنے میں ایک آدمی کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! کیا خیر کے ساتھ شر بھی آتا ہے؟ یہ سن کر نبی ﷺ خاموش ہو گئے۔ ہم سمجھے کہ آپ پر وحی اتر رہی ہے۔ لوگ بھی یوں خاموش ہو گئے گویا ان کے سروں پر پرندے ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے چہرۂ مبارک سے پسینہ صاف کیا اور دریافت فرمایا: "ابھی ابھی جو شخص سوال کر رہا تھا، وہ کہاں ہے جو کہہ رہا تھا کہ یہ مال خیر ہے؟" آپ نے تین مرتبہ یہی بات کہی۔ پھر فرمایا: "واقعی خیر، خیر ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ (خیر، خیر ہی لاتی ہے۔) دیکھو موسم بہار میں جب ہری گھاس پیدا ہوتی ہے، وہ جانور کو مار دیتی ہے یا مرنے کے قریب کر دیتی ہے مگر وہ جانور بچ جاتا ہے جو ہری گھاس چرتا ہے، جب اس کی کوکھیں بھر جاتی ہیں تو دھوپ کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے، لید اور پیشاب کرتا ہے، پھر ہضم ہونے کے بعد مزید چرنے لگتا ہے۔ اسی طرح دنیا کا یہ مال بھی ہرا بھرا اور شیریں

[1] صحیح البخاري: 4015

ہے۔ مسلمان کا وہ مال کتنا عمدہ ہے جو حلال ذرائع سے کمایا گیا، پھر اسے اللہ کے راستے میں یتیموں اور مسکینوں کے لیے وقف کر دیا گیا لیکن جس شخص نے ناجائز ذرائع سے مال جمع کیا تو اس کی مثال اس کھانے والے کی طرح ہے جو کھاتا ہے مگر سیر نہیں ہوتا۔ ایسا مال قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی دے گا۔''[1]

8 گزشتہ امتیں مختلف عذابوں کا شکار ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ بھی عذابِ الٰہی سے خوفزدہ رہتے مبادا آپ ﷺ کی امت پر بھی عذابِ الٰہی آ جائے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس روز تیز ہوا چلتی اور بادل آتے تو آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر خوف کے آثار نمایاں ہو جاتے۔ آپ پریشانی کے عالم میں کبھی گھر کے اندر تشریف لے جاتے اور کبھی باہر آ کر حالات کا جائزہ لینا شروع کر دیتے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے خیر و برکت کی دعا کرتے اور اس کے عذاب سے پناہ مانگتے۔ آپ یوں التجا کرتے:

[illegible]

''اے اللہ! بے شک میں تجھ سے اس کی خیر، جو اس کے اندر ہے اس کی خیر اور جس چیز کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے اس کی خیر مانگتا ہوں۔ میں اس کے شر، جو اس میں ہے اس کے شر اور جس کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

پھر جب بارش برسنے لگتی تو آپ کا چہرۂ مبارک کھل اٹھتا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے اس خوف کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا:

[illegible]


شمالی عرب میں عاد قوم کے بعض آثار

''اے عائشہ! میں کیسے بے خوف ہو جاؤں۔ ممکن ہے اس بادل میں عذابِ الٰہی چھپا ہوا ہو۔ ایک قوم (عاد) کو اسی طرح کی آندھی سے ہلاک کیا گیا تھا۔ انھوں نے جب عذابِ الٰہی دیکھا تو کہنے لگے: یہ بادل ہم پر مینہ برسائے گا (حالانکہ وہ عذابِ الٰہی تھا جس نے انھیں

1 صحیح البخاري: 2842.

برباد کر دیا)۔"[1]

9 رات کی تنہائی اور قرآن خوانی کی لذت سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کا دل خوف الٰہی کی وجہ سے لرزتا رہتا تھا اور التجائیں عرش بریں کی طرف روانہ ہوتی رہتی تھیں۔ آپ کی اس کیفیت کو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کے بالوں میں چاندی چمکنے لگی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"مجھے سورۂ ہود، واقعہ، مرسلات، عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت جیسی سورتوں (جن میں احوال قیامت کا بیان ہے) نے بوڑھا کر دیا ہے۔"[2]

10 رسول اللہ ﷺ خوف الٰہی کی جس نعمت سے مستفید تھے، اسی نعمت عالیہ سے آپ اپنے اہل خانہ کو بھی بہرہ مند کرنا چاہتے تھے، اس لیے آپ تہجد کے وقت ازواج مطہرات کو بھی جگایا کرتے تھے تاکہ وہ بھی اپنے رب کے سامنے سربسجود ہو کر اس کے عذاب سے پناہ مانگیں اور اس کی جنت کا سوال کریں۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ ایک رات بیدار ہوئے تو فرمایا: "سبحان اللہ! آج رات کس قدر سنگین فتنے نازل ہوئے اور کس قدر عظیم خزانے اتارے گئے! کون ہے جو ان حجروں میں سوئی ہوئی عورتوں کو بیدار کرے؟ بہت سی عورتیں جو دنیا میں لباس پہننے والی ہیں، آخرت میں بالکل برہنہ ہوں گی۔"[3]

رسول اللہ ﷺ نے امت کو خوف الٰہی اور خشیت اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

"اللہ تعالیٰ کو دو قطرے اور دو نشان نہایت محبوب ہیں: ایک وہ قطرہ جو خشیت الٰہی سے آنکھوں سے نکلے۔ اور دوسرا وہ قطرۂ خون جو جہاد فی سبیل اللہ میں نکلے۔ اور دو نشان یہ ہیں: ایک اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے کوئی زخم لگے اور دوسرا وہ نشان جو اللہ کے کسی فرض کی ادائیگی میں لگ جائے۔"[4]

اللہ تعالیٰ کی خشیت آخرت میں کامیابی کی کنجی ہے۔ آپ نے ایک ایسے شخص کا قصہ بیان کیا ہے جو نیکیوں میں بہت سست تھا مگر خشیت الٰہی کی وجہ سے اس کی نجات ہو گئی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

[1] صحیح مسلم، 899 [2] جامع الترمذی 3297 [3] صحیح البخاری 1126 [4] جامع الترمذی 1669

[illegible]

ہونے والا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا۔"[1]

اچھے اور عمدہ اشعار کی تعریف

[illegible]

[illegible]

"[illegible]"

[illegible]

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ

"بلاشبہ یہ (قرآن) یقیناً معزز رسول (جبریل) کا قول ہے۔ اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں، تم بہت ہی کم ایمان لاتے ہو۔"[2]

[illegible]

[1] [illegible]

آئیے مختلف مواقع پر آپ کے برمحل اشعار کہنے یا سننے کی چند مثالیں پڑھتے ہیں:

1 سیدہ عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ سیدنا حسان بن ثابت ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی مذمت میں شعر کہنے کی اجازت مانگی تو آپ نے پوچھا: ''میرے نسب کی حفاظت کیسے کرو گے؟'' (مشرکین کی مذمت کرو گے تو اس میں میرا خاندان بھی آئے گا۔) سیدنا حسان ؓ نے عرض کی: میں آپ کو اس طرح کے شعر و سخن سے یوں علیحدہ کرلوں گا جیسے آٹے میں سے بال نکال دیا جاتا ہے۔[1]

سیدنا حسان ؓ جب آپ کے دفاع میں شعر کہتے تھے تو آپ ﷺ ان کی حوصلہ افزائی فرماتے اور دعا دیتے۔ آپ فرماتے:

[illegible]

''اے حسان! رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مشرکین کو جواب دو۔'' اے اللہ! روح القدس، یعنی جبریل ؑ کے ذریعے سے ان کی مدد فرما۔''[2]

2 ایسے لغو اشعار جو عقیدۂ توحید اور اسلامی تعلیمات کے منافی ہوں، ہرگز نہیں سننے چاہئیں۔ ایسے مکروہ اشعار و افکار کا حامل شاعر بھی نہایت مذموم ہے۔ سیدنا ابوسعید ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم عرج میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محو سفر تھے کہ ایک شاعر نے سامنے آکر شعر سنانے شروع کر دیے۔ آپ نے فرمایا:

[illegible]

''شیطان کو پکڑو، یا فرمایا: شیطان کو روکو۔ اگر کوئی شخص پیپ سے اپنا پیٹ بھر لے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ

1 صحیح البخاری: 6150. 2 صحیح البخاری: 6152.

وادی عرنہ کے پہاڑ (جانب مغرب)



وہ اپنا پیٹ شعروں سے بھرے۔"[1]

البتہ وہ اشعار جو قرآنی تعلیمات کے موافق، اسلامی عقیدے کے مطابق اور کائنات میں غور و فکر کی دعوت دیتے ہوں، انھیں سننے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ سیدنا شرید بن سوید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں اونٹنی پر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھا۔ آپ نے دریافت کیا: "کیا تمھیں امیہ بن ابی صلت کے کچھ اشعار یاد ہیں؟" میں نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تو پھر سناؤ۔" میں نے ایک شعر سنایا تو آپ نے فرمایا: "اور سناؤ۔" میں نے ایک اور سنایا تو آپ نے مزید سنانے کا حکم دیا۔ اس طرح میں نے آپ کو ایک سو اشعار سنائے۔[2]



آپ نے لبید کے اشعار کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا شَاعِرٌ كَلِمَةُ لَبِيدٍ

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ

وَكَادَ أُمَيَّةُ بْنُ أَبِي الصَّلْتِ أَنْ يُسْلِمَ

"سب سے سچی بات جو کوئی شاعر کہہ سکتا تھا، وہ لبید نے کہی:
"آگاہ رہو! اللہ کے سوا ہر چیز کو زوال ہے۔ اور امیہ بن ابی صلت (شاعر) مسلمان ہونے کے قریب تھا۔"[3]

آپ نے اس شعر (مصرع) کو سب سے عمدہ شعر قرار دیا۔[4]

3 آپ بعض اوقات اپنے صحابہ کو جوش دلانے اور ترغیب دینے کے لیے اشعار کو بروئے کار لاتے تھے۔ سیدنا براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احزاب (خندق) کے موقع پر رسول اللہ ﷺ صحابہ کے ساتھ مل کر مٹی نکال رہے تھے حتی کہ آپ کے بطن مبارک کے بال مٹی میں چھپ گئے۔ آپ ﷺ اس موقع پر ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

1 صحیح مسلم، 2259. 2 صحیح مسلم، 2255. 3 صحیح البخاری، 3841. 4 صحیح مسلم، 2256.

فأنزلن سكينة علينا   وثبت الأقدام إن لاقينا

إن الأُلى قد بغوا علينا   وإذا أرادوا فتنة أبينا

''اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہمیں سیدھا راستہ نہ ملتا۔ ہم صدقہ کرتے نہ نماز پڑھتے۔ ہم پر اپنی بارگاہ سے سکینت نازل فرما۔ اور اگر (دشمن سے) ہمارا آمنا سامنا ہو جائے تو ہمیں ثابت قدمی عطا فرما۔ یہ لوگ ہمارے خلاف چڑھ آئے ہیں۔ اور جب یہ (ہم سے) کوئی فتنہ چاہتے ہیں تو ہم ان کی بات نہیں مانتے بلکہ انکار کر دیتے ہیں۔''[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خندق کے موقع پر انصار و مہاجر صحابہ کرام خندق کی کھدائی کے دوران مٹی کندھوں پر ڈھو ڈھو کر باہر نکال رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہ شعر بھی پڑھ رہے تھے:

نحن الذين بايعوا محمدا   على الجهاد ما بقينا أبدا

''ہم وہ ہیں جنھوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر تا حیات جہاد کی بیعت کی ہے۔''

نبی ﷺ ان کے جواب میں فرماتے تھے:

اللهم لا خير إلا خير الآخرة   فبارك في الأنصار والمهاجرة

''اے اللہ! آخرت کی بھلائی کے علاوہ کوئی بھلائی نہیں، لہٰذا تو مہاجرین و انصار میں برکت عطا فرما۔''[2]

4 عمرۂ قضا کے موقع پر نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے تھے تو اس وقت سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ کے آگے آگے چل رہے تھے اور یہ شعر پڑھ رہے تھے:

خلوا بني الكفار عن سبيله   اليوم نضربكم على تنزيله

ضربا يزيل الهام عن مقيله   ويذهل الخليل عن خليله

''اے کافروں کی اولاد! رسول اللہ ﷺ کا راستہ چھوڑ دو۔ آج ہم آپ کے حکم سے تمھاری گردنیں اڑائیں گے اور ایسی ضرب کاری لگائیں گے جو کھوپڑیوں کو گردنوں سے جدا اور دوست کو دوست سے غافل کر دے گی۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ جوشیلے شعر سن کر کہنے لگے: عبداللہ! تم حرم پاک میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایسے شعر کہتے ہو؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

1 صحیح البخاری: 4106، 2 صحیح البخاری: 2835

[illegible]

[illegible]

5 [illegible]

[illegible]

اس کا پہلا مصرع یہ ہے

[illegible]

[illegible]

6 [illegible]

[illegible]

[illegible]

سیدہ ربیع بنت معوذ ؓ بیان کرتی ہیں کہ جب میری رخصتی ہوئی تو نبی ﷺ تشریف لائے اور میرے بستر پر بیٹھے، جیسے تم میرے پاس بیٹھے ہو۔ (یہ انھوں نے خالد بن ذکوان سے کہا۔) اس دوران میں ہماری چھوٹی چھوٹی بچیوں نے دف بجانا شروع کر دیا اور میرے آبا، جو غزوۂ بدر میں شہید ہو چکے تھے، ان کا مرثیہ پڑھنے لگیں۔ ان میں سے ایک بچی نے اچانک کہہ دیا: ہم میں ایک نبی ہے جو ان باتوں کی خبر رکھتا ہے جو آیندہ کل ہونے والی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ”یہ کہنا چھوڑ دو اور وہی کچھ کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔“[1]

7 غزوۂ تبوک سے واپسی پر جب اسلامی لشکر رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مدینہ منورہ پہنچا تو اہل مدینہ کو بے حد خوشی ہوئی، چنانچہ بچے اور بچیاں درج ذیل اشعار پڑھ کر آپ کو مرحبا کہنے لگے:

[illegible]

[illegible]

”ہم پر ثنیات الوداع سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ جب تک پکارنے والا اللہ کو پکارے، ہم پر ادائے شکر واجب ہے۔“

8 سیدنا جندب بن سفیان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک لڑائی کے موقع پر موجود تھے کہ اسی دوران آپ کی انگلی زخمی ہوئی۔ آپ نے انگلی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

”تیری حقیقت ایک زخمی انگلی کے سوا کیا ہے اور جو کچھ ملا ہے، اللہ کے رستے میں ملا ہے۔“[2]

جرأت و بہادری

رسول اللہ ﷺ اپنی رحمت و شفقت، نرمی اور بے پایاں جذبۂ محبت کے ساتھ ساتھ دلیری اور بہادری میں بھی بے مثال تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی جرأت و شجاعت عطا فرمائی تھی جسے بروئے کار لا کر آپ دین اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے بے دریغ پیش قدمی فرماتے، رکتے نہ گھبراتے، بلکہ بلا خوف و خطر آگے ہی بڑھتے چلے جاتے تھے۔ باطل کی ساری قوتیں اپنی تعداد، بھاری اسلحہ اور جملہ وسائل کے باوجود آپ کو نہ جھکا سکیں نہ روک سکیں بلکہ آپ کی شجاعت کے سامنے ان کے سارے حربے دم توڑ گئے۔ آپ اللہ کی راہ کے سب سے بڑے مجاہد تھے اور

1 صحیح البخاري: 5147، 2 صحیح البخاري: 2802.

اپنے رب سے یوں التجا کرتے تھے

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ

''اے اللہ! میں غم والم، عاجزی و کاہلی، بزدلی اور بخل، قرضے کے بوجھ اور لوگوں کے غلبے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''[1]

آئیے دعوت الی اللہ اور جہاد کے میدان میں آپ کی جرأت و بہادری کی چند مثالیں دیکھیے:

1 رسول اللہ ﷺ کی شجاعت و بہادری کی ایک مثال سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب سے بڑھ کر خوبصورت و خوب سیرت تھے، سب سے بڑے سخی تھے اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات اہل مدینہ کو خوفناک آوازیں سنائی دیں۔ لوگ گھبرا گئے۔ کچھ لوگ آواز کی سمت بڑھے تا کہ یہ معلوم کریں کہ کوئی دشمن تو نہیں آ رہا۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان سے پہلے ہی تن تنہا خود حالات کا جائزہ لے کر واپس آتے دکھائی دیے۔ آپ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر گئے تھے۔ آپ نے گھوڑے پر کوئی زین وغیرہ نہیں ڈالی تھی۔ نہایت تیزی سے اکیلے ہی گھوڑے کی ننگی پشت پر سوار ہو کر حالات کا جائزہ لینے کے لیے جانا آپ کے حوصلے، ہمت اور بہادری کی شاندار مثال ہے۔ آپ ﷺ نے اہل مدینہ سے فرمایا: لَنْ تُرَاعُوا لَنْ تُرَاعُوا ''ڈرو نہیں، ڈرو نہیں۔'' (سب کچھ ٹھیک ہے، گھبرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔) پھر آپ نے سیدنا ابوطلحہ کے گھوڑے کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا: وَجَدْنَاهُ بَحْرًا أَوْ إِنَّهُ لَبَحْرٌ ''ہم نے اسے سمندر پایا، یا فرمایا: یہ تو سمندر ہے (اپنی روانی اور چال میں سمندر کی روانی جیسا ہے)۔''[2]

2 ہجرت مدینہ کے وقت رسول اللہ ﷺ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ محو سفر تھے۔ آرام کے لیے غار ثور میں تشریف فرما ہوئے تو انعام کے لالچ میں آپ کو گرفتار کرنے کی غرض سے نکلے ہوئے کافر وہاں پہنچ گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پریشان ہو گئے۔ مگر آپ نے نہایت اطمینان اور سکون سے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ''غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی حفاظت فرمائی بلکہ آگے چل کر آپ کا پیچھا کرنے والا سراقہ بن مالک جیسا باغی آپ کا فرمانبردار بن کر لوٹ گیا اور دیگر کفار بھی ناکام و نامراد لوٹ گئے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ اپنے وفادار ساتھی سیدنا ابوبکر

1 صحیح البخاري: 6369. 2 صحیح البخاري: 2908، صحیح مسلم: 2307

صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بخیر و خوبی مدینہ منورہ پہنچ گئے۔[1]

3 جنگ کے میدان میں بھی آپ جیسے جری اور بے باک جرنیل کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ جب گھمسان کا رن پڑتا، اس وقت آپ سب سے آگے، مورچے میں ڈٹ جاتے اور صحابۂ کرام کی حوصلہ افزائی کرتے، انھیں آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی ترغیب دیتے اور ان کے لیے بہترین رہنما ثابت ہوتے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ بھڑک اٹھتی تھی اور مسلمان لشکر کفار سے گتھم گتھا ہو جاتے تھے تو ہم آپ کے پیچھے رہ کر اپنا بچاؤ کرتے تھے۔ آپ ﷺ سب سے آگے بڑھ کر کفار کا مقابلہ کرتے تھے۔[2]

غزوۂ حنین کے موقع پر جو مسلمانوں کو ہوازن کے ماہر تیر اندازوں نے اپنے نشانے پر لے لیا جس کی وجہ سے وہ سرپٹ بھاگے۔ اسلامی لشکر بکھر گیا اور کافروں کو ابتدائی فتح ہوتی دکھائی دینے لگی۔ اس دوران آپ میدان کارزار میں پامردی سے ڈٹے رہے، آپ ﷺ نے مجاہدین کو جمع کیا، ان کی ہمت بڑھائی اور پھر دشمن پر کاری ضرب لگائی۔ آئیے اس معرکے کی روداد صحیح بخاری کی روایت میں پڑھتے ہیں:


حنین کی وادی صدر (بطن نخلہ)

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا: کیا تم غزوۂ حنین میں رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ انھوں نے کہا: لیکن رسول اللہ ﷺ نے پسپائی اختیار نہیں کی۔ ہوا یوں کہ قبیلۂ ہوازن کے لوگ بڑے ماہر تیر انداز تھے۔ ہم نے ان پر پہلا حملہ کیا تو وہ بھاگ گئے، لیکن جب مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو انھوں نے سامنے سے تیر برسانے شروع کر دیے۔ ہم تو بھاگ گئے مگر رسول اللہ ﷺ نہیں بھاگے۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنے سفید خچر پر سوار تھے اور سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس کی لگام تھامے ہوئے تھے اور نبی ﷺ فرما رہے تھے: ”میں (اللہ کا سچا) نبی ہوں، (اس میں) کوئی جھوٹ نہیں، (اور اس کے ساتھ ساتھ) میں عبدالمطلب کا بیٹا (بھی) ہوں۔“[3]

جنگ احد والے دن بھی مسلمانوں کی بھگدڑ کے بعد آپ میدان میں پوری ثابت قدمی سے مشرکوں کا مقابلہ کر رہے تھے اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو تیر فراہم کر کے تیر اندازی کے جوہر دکھانے کی ترغیب دے رہے تھے۔[4]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بدر والے دن خود دیکھا کہ ہم نبی کریم ﷺ کی اوٹ لے کر اپنا دفاع

1 تفصیل کے لیے دیکھیے: صحیح البخاری: 3615۔ 2 مسند احمد: 1346۔ 3 صحیح البخاری: 2864۔ 4 صحیح البخاری: 4055۔

کر رہے تھے اور آپ دشمن کے مقابل مضبوطی سے ڈٹے ہوئے تھے۔ اس روز آپ نے سب سے بڑھ کر شجاعت و بسالت کا مظاہرہ کیا۔[1]

زہد و تقویٰ

دنیاوی راحت و آرام کو ترک کرنا تاکہ اخروی نعمتیں نصیب ہو سکیں، زہد کہلاتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایسی چیزوں سے رغبت نہ رکھنا جو آخرت میں نفع بخش نہ ہوں، زہد ہے۔ کوئی شخص اس وقت تک زاہد نہیں بنتا جب تک وہ دنیوی مال و دولت، منصب و ریاست، مقام و مرتبے اور اللہ کے سوا ہر چیز سے بے رغبتی اور بے نیازی نہ دکھائے۔

امام الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ ﷺ امام الزاہدین اور امام المتقین بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت و رسالت کے بلند ترین درجے پر فائز کیا، دنیا کے خزانے آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دیے، لیکن آپ نے صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر زہد و تقویٰ اور نہایت سادہ طرز زندگی اختیار کیا۔ دنیا کی بجائے آپ نے آخرت کو ترجیح دی۔ دنیاوی نعمتوں کو حسب ضرورت استعمال کیا اور امت کو آخرت کے حصول کے طریقے اور سلیقے سکھائے۔ آپ نے دین حنیف کی تبلیغ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اپنی دن رات کی کوششوں اور محنتوں کا اجر دنیاوی نعمتوں کی صورت میں طلب نہیں کیا بلکہ آخرت ہی کو مطلوب و مقصود بنائے رکھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ

"(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجر نہیں مانگتا، اور میں تکلف (بناوٹی کام) کرنے والوں میں سے نہیں۔"[2]

آئیے امام الزاہدین اور امام المتقین کی حسین زندگی سے ان کے زہد و تقوے کی چند مثالیں پڑھتے ہیں:

1 نبی اکرم ﷺ نے امت کو سادہ زندگی، فقراء و مساکین سے محبت اور بہشت کی اخروی نعمتوں کا شوق دلایا ہے۔ آپ دعا کیا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مِسْكِينًا وَأَمِتْنِي مِسْكِينًا وَاحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِينِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

"اے اللہ! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مسکین بنا کر فوت کر اور مجھے روز قیامت مسکینوں ہی کی جماعت میں اٹھا۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

---

1 صحیح مسلم: 654. 2 صٓ 38:86.

[illegible]

[illegible]

”کیونکہ مساکین مالداروں سے 40 سال قبل جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اے عائشہ! مسکین کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ۔ اگرچہ کھجور بھی ہو تو وہی دے دو۔ اے عائشہ! مساکین سے محبت کرو اور انھیں اپنے قریب رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ (اس کے بدلے) قیامت کے روز تمھیں اپنا قرب عطا کرے گا۔“[1]

2 رسول اللہ ﷺ کی ذاتی اور گھریلو زندگی زہد و قناعت کی اعلیٰ ترین مثال تھی۔ ام المومنین عائشہ ؓ اپنے بھانجے عروہ کو بتاتی ہیں:

یا ابن أختي! إن كنا لننظر إلى الهلال ثم الهلال ثلاثة أهلة في شهرين وما أوقدت في أبيات رسول الله ﷺ نار، فقلت: يا خالة! ما كان يعيشكم؟ قالت: الأسودان: التمر والماء إلا أنه قد كان لرسول الله ﷺ جيران من الأنصار كانت لهم منائح وكانوا يمنحون رسول الله ﷺ من ألبانهم فيسقينا

”اے میرے بھانجے! ہم چاند دیکھتے، پھر دوسرا چاند دیکھتے، اس طرح دو ماہ میں تین چاند دیکھتے اور اس دوران میں رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں سے کسی گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ میں نے عرض کیا: خالہ جان! ایسے حالات میں آپ کی گزر بسر کس چیز پر ہوتی تھی؟ انھوں نے فرمایا: دو کالی چیزوں کھجور اور پانی پر (گزارہ کرتے تھے)۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کے کچھ پڑوسی انصاری تھے جن کے پاس دودھ دینے والی بکریاں تھیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دودھ کا تحفہ بھیجتے تو آپ ہمیں بھی پلاتے تھے۔“[2]

آپ ﷺ اپنے رب العزت سے اپنے لیے اتنا ہی رزق مانگتے تھے جس سے گزارہ ہو جائے۔ مال و اسباب کے ڈھیر جمع کرنا آپ کو قطعی گوارا نہ تھا۔ آپ دعا کرتے تھے: [illegible] ”اے اللہ! آل محمد کو بقدر گزارہ رزق عطا فرما۔“[3]

آپ ہر طرح کے فخر و غرور اور ناز و نخرے سے پاک تھے۔ آپ ﷺ کی غذا بہت سادہ تھی۔ جو کچھ میسر آتا، وہی کھا لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے۔

حضرت عابس سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے سیدہ عائشہ ؓ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے قربانی کا

[1] جامع الترمذي: 2352، [2] صحيح البخاري: 2567، [3] صحيح مسلم: 1055

گوشت تین دن سے زیادہ دن تک کھانے سے منع کیا ہے؟ انھوں نے کہا: صرف ایک سال منع کیا تھا جس سال لوگ (قحط کے سبب) بھوکے تھے۔ آپ ﷺ نے ارادہ کیا کہ مال دار لوگ غریبوں کو گوشت کھلا دیں۔ ہم پائے رکھ لیتے تھے اور انھیں پندرہ دن کے بعد کھاتے تھے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ ایسا کرنے کی وجہ کیا تھی؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس سوال پر ہنس پڑیں اور فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ کی آل واولاد نے سالن کے ساتھ گیہوں کی روٹی لگاتار تین دن تک کبھی نہیں کھائی حتی کہ آپ ﷺ اللہ تعالی سے جا ملے۔[1]

صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے لیکن آپ ﷺ نے کبھی ایک ہی دن میں دو بار روٹی اور تیل نہیں کھایا۔[2]

اسی طرح آپ نے باریک چھنے ہوئے آٹے کی روٹی اور بھنا ہوا گوشت نہیں کھایا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ما أكل النبي ﷺ خبزا مرققا ولا شاة مسموطة حتى لقي الله

''نبی ﷺ نے کبھی میدے سے تیار شدہ باریک چپاتی نہیں کھائی اور نہ کبھی بھونی ہوئی بکری تناول فرمائی حتی کہ آپ اللہ تعالی سے جا ملے۔''[3]

آپ ﷺ کی زندگی سادگی کا نمونہ تھی۔ کھانے پینے کی اشیا کی قلت اور بھوک پیاس آپ ﷺ کی زندگی کا لازمہ بن گئی تھی۔ کئی کئی دن کھانے کو کچھ بھی میسر نہ آتا تھا، مگر آپ اللہ کے بے حد شکر گزار اور اس کی نعمتوں پر قانع تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کئی کئی دن بھوکے رہتے تھے۔ انھیں رات کا کھانا میسر نہ آتا تھا۔ وہ بالعموم جو کی روٹی کھاتے تھے۔[4]

آپ ایک مسافر کی طرح کم سے کم زادِ راہ رکھنے کے قائل تھے۔ طرح طرح کے تکلفات، آسائشیں اور نرم و نازک بستر آپ کی خواہش نہ تھی۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ چٹائی پر سوئے ہوئے تھے، چٹائی کے نشانات آپ کے جسم مبارک پر نقش ہوگئے۔ ہم نے عرض کی: حضور! کیا ہم آپ کے لیے قدرے نرم بستر کا بندوبست کر دیں؟ آپ نے فرمایا:

ما لي وللدنيا، ما أنا في الدنيا إلا كراكب استظل تحت شجرة ثم راح وتركها

''مجھے دنیا سے کیا سروکار ہے۔ میں دنیا میں ایک مسافر کی طرح ہوں جو کسی درخت تلے آرام کے لیے کچھ دیر رکتا ہے، پھر چل دیتا ہے اور درخت کو چھوڑ جاتا ہے۔''[5]

1 صحيح البخاري 5423 2 صحيح مسلم: 2974 3 صحيح البخاري: 5385، 4 جامع الترمذي: 2360، 5 جامع الترمذي: 2377

آپ ﷺ نے زندگی بھر کوئی مال و اسباب جمع نہیں کیا۔ جب آپ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کے گھر کی کل متاع یہی تھی جو سیدنا عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ نے بتائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

مَا تَرَكَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَّا سِلَاحَهُ وَبَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ وَأَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً.

''نبی ﷺ نے وفات کے بعد اپنے ہتھیار، ایک سفید خچر اور کچھ زمین کے سوا کوئی ترکہ نہیں چھوڑا۔ آپ ﷺ اپنی زمین بھی خود ہی صدقہ کر گئے تھے۔''[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَمَا فِي بَيْتِي مِنْ شَيْءٍ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ إِلَّا شَطْرُ شَعِيرٍ فِي رَفٍّ لِي، فَأَكَلْتُ مِنْهُ حَتَّى طَالَ عَلَيَّ فَكِلْتُهُ فَفَنِيَ

''رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو کسی جگر والے جاندار کی خوراک بن سکتی۔ ہاں، کچھ جو طاق میں رکھے ہوئے تھے، میں انھی سے کھاتی رہی یہاں تک کہ کافی عرصہ گزر گیا۔ ایک دن میں نے انھیں ناپا تو وہ جلدی ختم ہو گئے۔''[2]

مزید فرمایا:

تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَدِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ بِثَلَاثِينَ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ.

''رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی۔''[3]

آپ کا ذاتی بستر کیسا تھا؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: كَانَ فِرَاشُ رَسُولِ اللهِ ﷺ مِنْ أَدَمٍ وَحَشْوُهُ مِنْ لِيفٍ. ''رسول اللہ ﷺ کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔''[4]

نکاح، معاشرت اور حبِ نساء

رسول اللہ ﷺ عرب کے جس معاشرے میں مبعوث ہوئے، وہ ظلم اور جہالت کے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ عورت دیگر مظلوم طبقات میں سب سے زیادہ مظلوم تھی۔ محسن انسانیت ﷺ نے عورت کو ظلم و جبر کے نظام سے نجات دلائی اور اسے معاشرے میں نہایت باوقار مقام عطا کیا۔ عورت کے حقوق کا تعین کیا اور اس کی حفاظت کا بڑا مضبوط حصار بنایا۔ اسے گھر کی ملکہ کی حیثیت عطا کی۔ شوہر کی اطاعت اور خدمت کے صلے میں اسے جنت کی نوید دی، بحیثیت

1 صحیح البخاري: 3098. 2 صحیح البخاري: 3097. 3 صحیح البخاري: 2916. 4 صحیح البخاري: 6456.

ماں اس کے قدموں تلے اولاد کی جنت بنا دی۔ بیٹیوں سے محبت اور پرورش کے ذریعے جنت کی خوشخبری سنائی۔

زمانہ جاہلیت میں ایک عورت سے کئی کئی مرد نکاح کرتے تھے اور اسے اپنی ہوس کا کھلونا اور ظلم و ستم کا نشانہ بناتے۔ آپ ﷺ نے نکاح کا پاکیزہ اور باعزت نظام وضع کیا۔ جاہلی معاشرے میں بیوہ اور مطلقہ عورت کی حیثیت جانوروں سے بھی کمتر تھی، رسول اللہ ﷺ نے متعدد بیوہ اور مطلقہ خواتین سے شادی کر کے اس ظلم کا سدباب کر دیا۔ آپ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے مرد اور عورت کو اپنی اپنی ذمہ داریوں کے دائرہ کار میں بہترین زندگی بسر کرنے کے اصول سمجھائے۔

آپ ﷺ نے عورتوں کے ساتھ محبت و نرمی کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا۔ ارشادِ گرامی ہے:

[illegible]

"عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور پسلی میں سب سے زیادہ ٹیڑھا حصہ اس کے اوپر والا ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنا شروع کر دو گے تو اسے توڑ ڈالو گے اور اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دو تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی، لہٰذا عورتوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت قبول کرو اور ان سے حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔"[1]

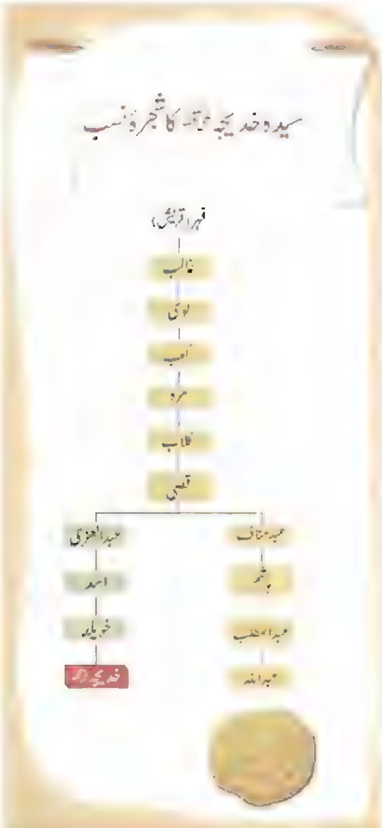
فی الجملہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کو اتنی عظمت اور فضیلت بخشی کہ نماز اور خوشبو کے ساتھ اس کا تذکرہ کر کے اسے ہمیشہ کے لیے معظم بنا دیا: [illegible] "مجھے عورتیں (بیویاں) اور خوشبو بڑی محبوب ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔"[2]

آپ نے اپنی اہلیہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے شخص کو بہترین آدمی قرار دیا۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے: [illegible] "تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہے اور میں تم سب سے بڑھ کر اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہوں۔"[3]

آپ اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ نہایت محبت و شفقت سے پیش آتے تھے۔ سب کو ضروریاتِ زندگی میں برابر کا حصہ عطا کرتے۔ سفر میں جانا ہوتا تو قرعہ اندازی کے ذریعے شریکِ سفر کا انتخاب فرماتے۔ البتہ قلبی محبت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقام دیگر ازواج سے بلند تھا۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے انھیں غزوۂ ذات السلاسل میں امیر بنا کر بھیجا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں (واپس) آپ ﷺ کے پاس آیا تو میں نے عرض کیا:

1 صحیح بخاری 3331، 2 سنن النسائی 3879، 3 سنن ابن ماجہ 1977

سب لوگوں میں کون شخص آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: ''عائشہ۔'' میں نے عرض کیا: مردوں میں سے کون؟ آپ نے فرمایا: ''ان کے والد گرامی۔'' میں نے پوچھا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: ''پھر عمر بن خطاب۔'' پھر آپ ﷺ نے اسی طرح درجہ بدرجہ کئی افراد کے نام لیے۔[1]



سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کی غمگسار بیوی تھیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اولاد بھی انھی سے عطا فرمائی، اس لیے آپ کو سیدہ خدیجہ سے بھی خاص انس تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے اس خاص انس کو اجاگر کرتے ہوئے فرماتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کی کسی بیوی پر اتنی غیرت نہیں کی جس قدر غیرت میں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر کی، حالانکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میرے نکاح سے پہلے ہی وفات پا گئی تھیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ میں آپ ﷺ کو (کثرت سے) ان کا ذکر خیر کرتے ہوئے سنا کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا تھا کہ انھیں موتی کے محل کی بشارت دے دیں۔ جب آپ بکری ذبح کرتے تو خدیجہ کی سہیلیوں کو بطور ہدیہ اتنا گوشت بھیجتے جو ان کے لیے کافی ہو جاتا۔[2]

1 صحیح البخاری: 3662. 2 صحیح البخاری: 3816.

حیاتِ طیبہ کے معمولاتِ مبارک

محمد رسول اللہ ﷺ پیغمبر آخر الزماں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شریعت قیامت تک کے لیے جاری فرمائی ہے۔ آپ ﷺ پر قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، نازل ہوئی۔ یہ مقدس کتاب اولادِ آدمؑ کو ہر زمانے اور زندگی کے ہر گوشے میں رہنمائی مہیا کرتی ہے اور آخرت پر ایمان اور آئندہ وقوع پذیر ہونے والے واقعات سے روشناس کراتی ہے۔ اس میں انسانیت کی ابتدا، اس کے تدریجی تسلسل اور پیغمبروں کی آمد، ان کی شریعتوں اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کے اطوار و امور کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

قرآن مجید ایک ایسی بے مثل انقلابی کتاب ہے جس کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ

"(اے نبی!) اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اسے دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے جھک جاتا (اور) پھٹ جاتا۔"[1]

رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی کا معمول یہی تھا کہ آپ ہر دم اللہ کے احکام کی تعمیل و تبلیغ کرتے۔ آپ نے حکمِ ربانی کی تعمیل کرتے ہوئے 23 سالہ دورِ نبوت میں نہ صرف لوگوں کو قرآن کی دعوت دی بلکہ اس پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ آپ ﷺ کا اس پر عمل کرنا اور لوگوں کو سکھانا سمجھانا اور انھیں ایمان لانے والوں میں شامل کرنا اتنا وسیع و رفیع عمل ہے جسے کما حقہ احاطۂ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے پیچھے ایسے متبعین رضی اللہ عنہم چھوڑے جو ختمِ نبوت کے باعث دعوت الی اللہ کے نبوی منصب پر فائز رہے اور کلامِ الٰہی دور دور تک پہنچاتے رہے۔ قرآنی تعلیمات کا یہ عظیم سلسلہ ہمیشہ چلتا رہے گا۔

قرآن مجید میں انواع و اقسام کے علوم و فنون جلوہ گر ہیں۔ اگر ہمیں قرآن پر عمل کرنا ہے تو ہمیں سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرنا پڑے گا تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ آپ ﷺ نے قرآنی احکام پر کس انداز سے عمل کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے کافروں اور مشرکوں سے جنگیں کیں، دفاع کے لیے مختلف اسالیب اختیار فرمائے اور انھیں

---

1 الحشر 21:59

سفارتی اور جنگی محاذ پر پے در پے شکستیں دیں۔ آپ ﷺ نے پیغامِ توحید دے کر ہر سمت سفیر بھیجے اور خطوط بھی لکھے۔ وفود کا تبادلہ کیا۔ امن و سلامتی کے پرچم بلند کیے، غلامی کی زندگی سے لوگوں کو آزاد کیا، محتاجوں اور ضرورت مندوں پر شفقت کا ہاتھ رکھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے صحابہ کو جذبہ جہاد سے سرشار فرمایا، انھیں تعلیم و تربیت دی، آداب و اخلاق سکھائے۔ ان سے نرمی اور نوازش کا سلوک کیا اور ان کی جاہلانہ عادتوں، بدویانہ خصلتوں اور باہمی رقابت و عداوت کا خاتمہ کر کے انھیں وحدت اور اخوت کی لڑی میں پرو کر انقلاب برپا کر دیا۔

آپ ﷺ کی ذاتی زندگی کا جائزہ لیں تو معمولاتِ زندگی کے بہت سے بند دریچے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ آپ ایک منصف شوہر، بچوں سے شفیق مربی اور محسنِ عظیم، رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنے والے، یتیموں کے ملجا و ماویٰ، بیواؤں کا سہارا اور نہایت غریب پرور تھے۔ ہر ایک سے تبسم، ہر ایک پر لطف و عنایت اور ہر ایک کی راہنمائی کرنا صرف آپ ﷺ ہی کا شیوہ تھا۔ آپ اسی محبت بھرے انداز سے زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتے اور لوگوں کو اللہ کے قریب کرتے ہوئے انھیں جینے کا طریقہ اور مرنے کا سلیقہ سکھاتے چلے گئے۔

رسول اللہ ﷺ کا اپنے رب سے بڑا گہرا تعلق تھا۔ آپ ﷺ خالق کائنات کو راضی کرنے کے لیے اتنا زیادہ قیام کرتے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ، قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا۔

"اے کپڑے میں لپٹنے والے! رات میں قیام کیجیے مگر تھوڑا سا۔"[1]

رسول اللہ ﷺ جب بھی دعا مانگتے تو خوب آہ و زاری سے مانگتے اور دیر تک مانگتے رہتے تھے۔ غزوۂ بدر کی رات آپ نے اتنی آہ و زاری سے دعا کی کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! اب بس کریں۔ ایک دفعہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا اللہ نے آپ کو معاف نہیں کر دیا؟ تو آپ نے فرمایا: «یَا عَائِشَةُ! أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟» "اے عائشہ! کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟"[2]

آپ ﷺ کی اپنے رب سے التجائیں اور دعائیں صرف اپنے لیے ہی نہیں بلکہ اپنی امت کے لیے بھی ہوتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو بھی آخرت کی تیاری اور ہمیشہ کی زندگی کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا اور دنیا کے لالچ اور طمع سے روکا۔ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی کس قدر مصروفیت والی تھی۔ آپ ہر لمحے اپنی امت کو اصلاح و فلاح کا اہم سبق دیتے رہے۔

1 المزمل 2,173 ۔ 2 صحیح مسلم 2820

رسول اللہ ﷺ کی سیرت و کردار کو قلم بند کرتے ہوئے آپ کے یومیہ اعمال اور معمولاتِ مبارک کا تذکرہ کرنا بھی مفید معلومات سے خالی نہ ہوگا۔

آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہر قسم کی بے اعتدالیوں سے پاک تھی۔ آپ ﷺ کے معمولات میں ایک توازن اور تسلسل پایا جاتا تھا، البتہ موقع و محل کی مناسبت سے ان میں تھوڑی بہت زمانی و مکانی تبدیلیاں رونما ہو جاتی تھیں۔

روزمرہ کی زندگی

رسول اللہ ﷺ عموماً فجر کی نماز پڑھ کر اپنی جائے نماز (مصلیٰ) پر (چار زانو ہو کر) آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے یہاں تک کہ سورج نکل آتا۔ اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے گرد جمع ہو جاتے اور اپنی پرانی، خاص طور پر عہد جاہلی کی باتیں بیان کرتے اور ہنستے، مگر آپ ﷺ صرف تبسم فرماتے تھے۔[1] آپ ﷺ کا ارشاد تھا کہ مجھے اس قوم کے ساتھ جو نمازِ فجر کے بعد سے طلوعِ آفتاب تک اور نمازِ عصر کے بعد سے غروبِ آفتاب تک ذکرِ الٰہی میں مصروف ہو، بیٹھنا اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اولادِ اسماعیل میں سے چار غلام آزاد کروں۔[2]

ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ طلوعِ آفتاب تک صحابہ کو بنی اسرائیل کے حالات بتایا کرتے تھے۔[3] اسی مجلس میں اگر کسی نے کوئی خواب دیکھا ہوتا تو وہ خواب سناتا اور آپ ﷺ اس کی تعبیر بیان فرما دیتے۔[4] بلکہ آپ ﷺ صحابہ کرام کی حوصلہ افزائی کے لیے فرماتے: ”تم میں سے جس نے کوئی خواب دیکھا ہو وہ مجھے بتائے، میں اس کی تعبیر بتاؤں گا۔“[5] انھی مجالس میں آپ ﷺ اپنے خواب بھی بیان فرماتے تھے۔[6]

پھر آپ ﷺ صلاۃ الضحیٰ ادا فرماتے، جو عموماً چار سے لے کر آٹھ رکعات پر مشتمل ہوتی تھی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بقول اگر سفر سے واپسی ہوتی تو یہ نماز گھر میں ادا فرماتے۔[7] فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے یہ آٹھ نوافل سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں پڑھے۔[8]

دن چڑھے آپ ﷺ گھر تشریف لے آتے اور دریافت فرماتے کہ کھانے کو کچھ ہے؟ اگر بتایا جاتا کہ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے تو آپ ﷺ روزے کی نیت فرما لیتے۔ اور اگر کچھ موجود ہوتا تو اسے تناول فرما لیتے۔[9] پھر دن بھر اپنے گھر کے کام کاج میں مشغول رہتے، جب نماز کا وقت ہوتا تو نماز کے لیے متوجہ ہو جاتے۔[10] دوپہر کے وقت استراحت (قیلولہ) فرماتے۔ بعض اوقات آپ ﷺ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے اور ان کے

1 صحیح مسلم: 6222؛ سنن ابی داود: 4850؛ سنن النسائی: 1358. 2 سنن ابی داود: 3667. 3 سنن ابی داود: 3663. 4 صحیح مسلم: 2269. 5 صحیح البخاری: 363؛ صحیح مسلم: 2269. 6 صحیح البخاری: 363-365
7 صحیح مسلم: 717، 720. 8 صحیح مسلم: 717، 720. 9 صحیح مسلم: 1154. 10 صحیح البخاری: 122

ہاں قیلولہ فرماتے۔ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے لیے چمڑے کا بستر بچھا دیتیں، جس پر آپ ﷺ کے جسم اطہر سے نکلنے والے پسینے کے قطرے جمع ہو جاتے، وہ ان قطروں سے عطر بنا لیتی تھیں جو بہت پسند کیا جاتا تھا۔[1] دوپہر کو آرام کرنے کا معمول سفر میں بھی ہوتا تھا۔[2]

نبی اکرم ﷺ نماز عصر کے بعد باری باری تمام ازواج سے مختصر ملاقات اور مزاج پرسی کے لیے ان کے حجروں میں تشریف لے جاتے۔ اس موقع پر بعض بیویاں کسی مشروب سے آپ ﷺ کی تواضع کرتیں، مثلاً: سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اس موقع پر آپ ﷺ کو شہد پیش کرتی تھیں جسے آپ ﷺ بڑے شوق سے نوش فرماتے۔[3] ان مختصر سی ملاقاتوں کے بعد آپ ﷺ اس زوجہ مطہرہ کے گھر تشریف لے جاتے جس کے ہاں اس رات آپ ﷺ کی باری ہوتی تھی۔[4] مغرب کے بعد دیگر ازواج مطہرات بھی یہاں جمع ہو جاتیں اور عشاء تک یہ مجلس جاری رہتی۔[5] اس مجلس میں بعض اوقات آپ ﷺ کوئی دلچسپ واقعہ بھی سناتے۔[6]

عشاء کے بعد (جو آپ ﷺ قدرے تاخیر سے پڑھنے کا معمول تھا) دیگر ازواج اپنے اپنے حجروں میں چلی جاتیں۔ آپ ﷺ عموماً رات کا کھانا بھی اسی وقت تناول فرماتے۔ آپ نماز عشاء ادا کرنے کے بعد واپس تشریف لاتے اور سو جاتے۔ عشاء کی نماز سے پہلے سونا اور نماز کے بعد گفتگو کرنا آپ ﷺ کو ناپسند تھا۔[7]

سونے سے پہلے کا معمول

رات کو سونے سے پہلے آپ ﷺ وضو کرتے تھے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بقول رفع حاجت کے بعد استنجا اور وضو کرنا بھی آپ ﷺ کا معمول تھا۔[8] سونے سے پہلے وضو کے لیے پانی اور مسواک[9] اور زندگی کے آخری دنوں میں لکڑی کا پیالہ آپ ﷺ کی چارپائی کے پاس رکھ دیا جاتا تھا۔[10] سونے سے قبل مسبحات (وہ سورتیں جن کی ابتدا سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ سے ہوتی ہے، یعنی سورۃ الحشر، سورۃ الصف، سورۃ الجمعہ، سورۃ التغابن اور سورۃ الاعلیٰ) کی تلاوت فرماتے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''ان میں ایک ایسی آیت ہے جو ہزار آیت سے افضل ہے۔''[11] ایک دوسری روایت میں سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الزمر پڑھنے کی بھی صراحت ملتی ہے۔ نیز آپ سورۂ سجدہ اور سورۂ ملک کی بھی تلاوت فرماتے۔[12] ان کے علاوہ سورۃ الاخلاص اور معوذتین پڑھ کر ہاتھوں پر پھونکتے اور

1 صحیح مسلم: 2236. 2 صحیح مسلم: 311. 3 صحیح البخاری: 5268. 4 صحیح مسلم: 1463. 5 صحیح مسلم: 1462. 6 الشمائل للترمذی: 2/623. 7 صحیح البخاری: 568،547. 8 سنن ابی داود: 222. 9 سنن ابی داود: 56. 10 سنن ابی داود: 24. 11 سنن ابی داود: 5057، جامع الترمذی: 2921. 12 جامع الترمذی: 2920، 2892.

پھر تمام بدن پر ہاتھ پھیرتے تھے۔[1] ایک صحابی کو آپ ﷺ نے سونے سے قبل سورۃ الکافرون پڑھنے کی بھی ہدایت فرمائی۔[2] پھر آپ ﷺ دائیں کروٹ پر، دائیں رخسار کے نیچے ایک ہاتھ رکھ کر اور قبلہ رو ہو کر بستر پر لیٹ جاتے اور یہ دعا پڑھتے تھے: [illegible] ''اے اللہ! میں تیرے ہی نام کے ساتھ سوتا ہوں اور تیرے ہی نام کے ساتھ اٹھتا ہوں۔''[3]

بعض اوقات سوتے وقت یہ دعا بھی پڑھتے:

[illegible]

''اے اللہ! میں نے اپنے نفس کو تیرے تابع کر دیا اور اپنے چہرے کا رخ تیری طرف پھیر دیا اور اپنا معاملہ تجھے سونپا، تجھے اپنا سہارا بنایا، تیری طرف رغبت اور تجھی سے خوف رکھتے ہوئے تجھی پر بھروسا کیا، تجھ سے بچنے کی کوئی جگہ نہیں سوائے تیری پناہ میں آنے کے، اے اللہ! میں تیری اتاری ہوئی کتاب پر اور تیرے بھیجے ہوئے نبی پر ایمان لایا۔''

آپ ﷺ فرماتے تھے کہ سونے سے قبل جو شخص یہ (درج بالا) دعا پڑھے اور رات کو وفات پا جائے تو وہ فطرت اسلام پر مرے گا۔[4]

سیدہ حفصہ ؓ کے مطابق آپ ﷺ یہ دعا بھی تین مرتبہ پڑھتے تھے: [illegible] ''اے اللہ! مجھے اس دن اپنے عذاب سے بچا جس دن تو اپنے بندوں کو زندہ کرے گا۔''[5]

سیدنا ابوہریرہ ؓ سے منقول ہے کہ بستر پر لیٹ کر آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے:

[illegible]

1 جامع الترمذي: 4302، 4303 2 سنن أبي داود: 5055. 3 صحيح البخاري: 6314. 4 صحيح بخاري: 6315، صحيح مسلم: 2710؛ سنن أبي داود: 5046. 4 سنن أبي داود: 5045.



تورات کا نسخہ (1435ء)

"اے اللہ! آسمانوں، زمین، عرش عظیم اور ہر شے کے پروردگار، دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے، تورات، انجیل اور قرآن کو اتارنے والے، میں ہر اس شے کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جسے تو اس کی پیشانی سے پکڑنے والا ہے۔ اے اللہ! تو ہی سب سے پہلے ہے، تجھ سے پہلے کوئی نہیں، اور تو ہی آخر ہے، تیرے بعد کوئی نہیں، تو ہی ظاہر ہے، تجھ سے بالاتر کوئی نہیں، تو ہی باطن ہے تجھ سے مخفی کوئی چیز نہیں، ہمارا قرض اتار دے، ہمیں محتاجی سے بچا اور تونگری عطا فرما۔"[1]

دسویں صدی کا انجیل کا نسخہ (برلن)



آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو سونے سے پہلے 33 مرتبہ سبحان اللہ، 33 مرتبہ الحمدللہ اور 34 مرتبہ اللہ اکبر پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ گنتی میں تو سو ہی ہیں مگر میزان عمل میں پورے ہزار ہیں۔[2]

مسجد فاطمۃ الزہراء (کویت)



نیند سے بیداری کی صورت حال

نبی کریم ﷺ جب نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے:

الحمد لله الذي أحيانا بعد ما أماتنا وإليه النشور

"تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے (سونے) کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف جی اٹھنا ہے۔"[3]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مطابق آپ ﷺ دس مرتبہ الحمدللہ، دس بار سبحان اللہ، دس مرتبہ لا الٰہ الا اللہ اور دس مرتبہ استغفار پڑھتے اور پھر فرماتے: اللهم اغفر لي واهدني وارزقني وعافني "اے اللہ! تو میری مغفرت فرما، مجھے ہدایت دے، مجھے روزی دے اور مجھے عافیت عطا فرما۔"[4]

اگر اتفاقاً رات کو آنکھ کھل جائے تو یہ دعا پڑھنے کی تلقین فرماتے تھے۔

1 صحیح مسلم: 2713، جامع الترمذي: 3400. 2 صحیح البخاري: 6318، صحیح مسلم: 2727، سنن أبي داود: 5065. 3 صحیح البخاري: 6314. 4 سنن أبي داود: 766

[illegible]

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں، اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ اللہ پاک ہے اور تمام تعریفوں کے لائق ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اور کوئی طاقت اور قدرت نہیں مگر اللہ کے ساتھ۔ پھر وہ کہے: اے اللہ! تو میری بخشش فرما۔''

آپ ﷺ کا ارشاد تھا کہ اس کے بعد اگر کوئی دعا مانگی جائے تو ضرور قبول ہوگی اور اگر ارادہ کرکے اٹھے اور وضو کرکے نماز پڑھے تو وہ بھی عنداللہ مقبول ہوگی۔[1]

تہجد سے پہلے کا معمول

نبی اکرم ﷺ نماز تہجد کی تیاری کرتے ہوئے آسمان کی جانب نظر کرکے سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرماتے تھے۔[2] سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس موقع پر آپ ﷺ کی یہ دعا نقل فرماتے ہیں:

[illegible]

''اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ تو ہی آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، سب کا نور ہے، تمام حمد تیرے لیے ہے، تو ہی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، سب کو قائم رکھنے والا ہے۔ تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ تو برحق ہے، تیرا وعدہ برحق ہے، تیری

1 جامع الترمذی: 3414. 2 صحیح البخاری: 992، 4570؛ صحیح مسلم: 191، 763

بات برحق ہے، تجھ سے قیامت کے دن کی ملاقات برحق ہے، جنت برحق ہے، جہنم برحق ہے، قیامت برحق ہے، تمام انبیا ﷩ برحق ہیں، محمد ﷺ برحق ہیں۔ اے اللہ! میں نے تیری ہی اطاعت قبول کی، تجھ ہی پر بھروسہ کیا، تجھ ہی پر ایمان لایا، تیری ہی جانب رجوع کیا، تیری ہی طاقت وقدرت کے ساتھ میں نے دشمنوں سے مقابلہ کیا، میں تجھی سے فیصلہ چاہتا ہوں، تو میرے اگلے پچھلے، خفیہ اور ظاہر گناہ معاف کر دے۔ تو ہی ہر شے کو آگے کرنے والا اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے، تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔“[1]

نمازِ تہجد کا معمول

پھر رسول اللہ ﷺ رفع حاجت سے فارغ ہو کر اچھی طرح مسواک فرماتے۔[2] اس کے بعد وضو کرتے اور بشمول وتر گیارہ رکعات ادا فرماتے۔[3] یہ نماز آپ ﷺ نے زندگی بھر نہایت پابندی کے ساتھ ادا کی سوائے ایک یا دو راتوں کے جبکہ آپ ﷺ کی طبیعت ناساز تھی۔ اس نماز کے اہتمام کا عالم یہ تھا کہ آپ ﷺ اتنا طویل قیام فرماتے کہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک سوج جاتے۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے مطابق آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک رکعت میں سورۃ البقرہ، سورۃ النساء اور سورۂ آل عمران تلاوت فرمائی۔ ایک شب آپ ﷺ نے سبع طوال، یعنی سات لمبی سورتیں تلاوت فرمائیں۔

دورانِ تلاوت ہر تسبیح والی آیت پر آپ ﷺ تسبیح فرماتے، ہر سوال والی آیت پر اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے، ہر پناہ والی آیت پر اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے۔[4] ایک شب آپ ﷺ نے پوری رات سورۃ المائدہ کی یہ آیت پڑھتے ہوئے بسر کر دی:

إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (المائدة 5:118)

”(اے اللہ!) اگر تو انھیں عذاب دے گا تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں معاف کر دے گا تو بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔“[5]

رمضان المبارک میں شب بیداری کا اہتمام بہت زیادہ بڑھ جاتا اور آپ ﷺ لمبی لمبی نمازیں ادا فرماتے تھے۔[6] بعض اوقات وتروں سے قبل اور کبھی ہر دو رکعتوں کے بعد کچھ دیر کے لیے سو بھی جاتے، پھر اٹھ کر وضو کرتے اور بقیہ نماز پوری فرماتے۔ رات کی یہ نماز عموماً دو دو رکعات پر مشتمل ہوتی تھی۔[7] اس میں رکوع اور سجدے کا یہ حال ہوتا

1 صحیح البخاري: 6317، صحیح مسلم: 769. 2 سنن أبي داود: 56. 3 صحیح البخاري: 1147، صحیح مسلم: 738. 4 صحیح مسلم: 772. 5 سنن النسائي: 1011. 6 جامع الترمذي: 806، سنن أبي داود: 1375. 7 صحیح البخاري: 990-993، صحیح مسلم: 749، 752، 768.

کہ دیکھنے والا یہ فرق محسوس نہیں کرتا تھا کہ قیام طویل تھا یا رکوع وسجدہ۔[1] سیدہ عائشہ ؓ کے بقول آپ ﷺ کا سجدہ 50 آیات کی تلاوت کے مساوی ہوتا تھا۔[2] وتروں میں آپ ﷺ علی الترتیب سورۃ الاعلیٰ، سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص پڑھتے تھے اور نماز کے اختتام پر آپ ﷺ تین مرتبہ فرماتے: سبحان الملک القدوس "پاک ہے بادشاہ اور پاکیزہ ہے۔" آپ ﷺ ان کلمات کو تیسری مرتبہ ذرا بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔[3] اذان فجر کے بعد آپ ﷺ فجر کی دو سنتیں مختصراً ادا کر کے اپنے داہنے پہلو پر لیٹ کر استراحت فرماتے تھے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ اگر میں جاگ رہی ہوتی تو آپ لیٹنے کے بجائے مجھ سے بات چیت فرماتے۔ اور جب موذن نماز فجر کے لیے بلانے آتا تو آپ ﷺ اٹھ کر باہر تشریف لے جاتے اور نماز فجر کی امامت فرماتے۔

صبح وشام کا معمول

نبی اکرم ﷺ کے نزدیک صبح وشام کے اوقات بڑی اہمیت رکھتے تھے، جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان اوقات میں دنیا میں ایک تبدیلی ظہور میں آتی ہے، ایک مرحلہ مکمل ہو جاتا ہے اور دوسرے کی ابتدا ہو رہی ہوتی ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں بے شمار موقعوں پر صبح وشام کے وقت عبادت اور تسبیح وتہلیل پر زور دیا گیا ہے۔ اسی بنا پر آپ ﷺ نے انتباہ فرمایا کہ جو شخص صبح نماز کے لیے وقت پر نہیں اٹھتا، اس پر شیطان غالب آ جاتا ہے اور وہ تمام دن تھکاوٹ اور کسل مندی محسوس کرتا رہتا ہے۔ آپ ﷺ ان اوقات کو بہت سی دعاؤں اور اذکار سے معمور رکھتے تھے۔[4]

معمولات طہارت

نبی اکرم ﷺ کی صفات عالیہ میں سے "طیب وطاہر" کی صفت بہت نمایاں ہے۔ اس کا مطلب ہے: عمدہ اور پاکیزہ۔ آپ ﷺ جسمانی اور روحانی طہارت کا بہت خیال رکھتے تھے۔ دن ہو یا رات آپ ﷺ ایک لمحہ بھی طہارت کے بغیر رہنا گوارا نہیں فرماتے تھے۔

آپ ﷺ رفع حاجت کے لیے بہت دور (بعض اوقات تقریباً 2 میل تک) نکل جاتے، جہاں سے بمشکل آدمی دکھائی دے سکے۔[5] رفع حاجت کے لیے جانے سے پہلے آپ ﷺ یہ دعا ضرور پڑھتے تھے:

بسم اللہ اللھم إنی أعوذ بک من الخبث والخبائث

1 صحیح البخاری: 792، صحیح مسلم: 471۔ 2 صحیح البخاری: 994۔ 3 سنن ابی داؤد: 1430، سنن النسائی: 1733، السنن الکبریٰ: 38/3۔ 4 صحیح البخاری: 1142، صحیح مسلم: 2723، مسند احمد: 407/3۔ 5 سنن ابی داؤد: 2،1، جامع الترمذی: 20، سنن ابن ماجہ: 299، زاد المعاد: 172،171/1

''اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! میں گندگی سے اور گندگی والی اشیاء سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''[1]

آپ ﷺ کھلی جگہ پر دورانِ قضائے حاجت قبلے کی طرف منہ اور کمر کرنے سے پرہیز فرماتے۔[2] جب تک زمین پر بیٹھ نہ جاتے، اس وقت تک کپڑے نہیں اٹھاتے تھے۔ ایک آدھ موقع کے سوا ہمیشہ بیٹھ کر رفع حاجت کرتے تھے۔[3] آپ ﷺ رفع حاجت کے لیے جانے سے قبل اپنی انگوٹھی (جس پر محمد رسول اللہ کے الفاظ کندہ تھے) باہر اتار کر رکھ جاتے تھے۔[4] آپ ﷺ استنجا ایسی اشیاء سے فرماتے جن سے پوری طرح طہارت ہوتی ہے، مثلاً: پاک مٹی کے ڈھیلے، پتھر وغیرہ۔ ایسی اشیا، جو طہارت کرنے والی نہیں ہیں (مثلاً: کوئلہ، لید، گوبر اور ہڈی وغیرہ)، ان سے استنجا کرنا آپ ﷺ کو ناپسند تھا۔[5] پھر آپ ﷺ پانی استعمال فرماتے۔[6] استنجے کے بعد زمین پر ہاتھ مار کر اپنے دونوں ہاتھ اچھی طرح رگڑ رگڑ کر دھوتے تھے۔[7] اس سے فارغ ہو کر جب آپ ﷺ بیت الخلاء سے باہر نکلتے تو فرماتے: غفرانک ''اے اللہ! مجھے معاف فرما۔''[8]

مسواک و وضوء کے معمولات

مسواک زندگی بھر آپ ﷺ کا خاص معمول رہی، یہاں تک کہ آخری لمحات میں بھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کا شوق دیکھ کر آپ ﷺ کو مسواک کرائی، اس عمل سے چہرہ مبارک فرطِ مسرت سے تمتمانے لگا۔[9] آپ ﷺ کو مسواک اس قدر پسند تھی کہ آپ فرماتے تھے:

لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك عند كل صلاة

''اگر میری امت پر گراں نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔''[10]

آپ ﷺ ہر نماز کے لیے تازہ وضو فرماتے۔ اور ہر وضو میں اچھی طرح مسواک کرتے اور دوسروں کو بھی آپ ﷺ کی یہی تلقین تھی کہ اگر ہر نماز کے لیے وضو نہ کیا جا سکے تو مسواک ضرور کر لینی چاہیے۔[11] سونے سے پہلے بھی مسواک کرنا آپ ﷺ کا معمول تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ بیدار ہوتے ہی مسواک ضرور کرتے تھے۔[12] وضو سے پہلے آپ ﷺ بسم اللہ پڑھتے، پھر برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈال کر انھیں ایک،

1 صحیح البخاری: 142، صحیح مسلم: 375۔ 2 صحیح البخاری: 394، صحیح مسلم: 265،264، سنن ابن ماجہ: 313۔ 3 سنن ابن ماجہ: 342، سنن ابی داؤد: 14، 15، 17۔ 4 سنن ابن ماجہ: 313۔ 5 سنن ابی داود: 35۔ 6 صحیح البخاری: 150، صحیح مسلم: 270۔ 7 سنن ابی داود: 45۔ 8 جامع الترمذی: 7، سنن ابن ماجہ: 300، سنن ابی داود: 30۔ 9 صحیح البخاری: 4438۔ 10 صحیح البخاری: 887، صحیح مسلم: 252۔ 11 سنن ابی داود: 48۔ 12 صحیح البخاری: 245، صحیح مسلم: 255، سنن ابی داود: 57۔

دو یا تین مرتبہ دھوتے، پھر ایک یا دو تین چلوؤں سے اچھی طرح کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کرتے، پھر تین مرتبہ چہرہ دھوتے، پھر پہلے اپنا دایاں اور پھر بایاں ہاتھ کہنی سمیت (ایک، دو یا تین مرتبہ) دھوتے، پھر سر کا مسح فرماتے، پھر پہلے دائیں، پھر بائیں پاؤں کو دھوتے۔[1] اگر موزے پہنے ہوتے تو انھیں اتارے بغیر ان پر مسح فرماتے۔[2] دوران وضو داڑھی کا خلال اور پاؤں کی انگلیوں کے خلال کا بھی معمول تھا۔[3] دوران وضو آپ ﷺ سے بسم اللہ کے سوا اور کوئی دعا منقول نہیں، البتہ وضو کے بعد آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے:

[illegible]

[illegible]

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والا اور خوب اچھی طرح پاکیزگی حاصل کرنے والا بنا۔"[4]

آپ ﷺ عموماً ایک مد (تقریباً چھ سو گرام) پانی سے وضو اور ایک صاع (تقریباً سوا دو کلو) پانی سے غسل فرما لیا کرتے تھے۔[5] پانی کی اس سے زیادہ مقدار بھی مروی ہے۔[6] وضو کے بعد بعض روایات کے مطابق کپڑے سے منہ وغیرہ پونچھ لیتے تھے۔[7] اور بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ ایسا نہیں کرتے تھے۔ گویا آپ ﷺ کی سنت مبارکہ میں دونوں طرح کی گنجائش موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا طریقہ غسل

رسول اللہ ﷺ کے غسل کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ﷺ پہلے اپنے دونوں ہاتھ دو یا تین مرتبہ دھوتے، پھر استنجا کرتے، بعد ازاں زمین پر ہاتھ مار کر انھیں اچھی طرح صاف کرتے، پھر کلی کرتے اور پانی ڈال کر ناک صاف کرتے، پھر چہرۂ مبارک دھوتے، پھر کہنیوں سمیت ہاتھ دھوتے، پھر تین بار سر پر پانی ڈال کر بالوں کی جڑوں تک پہنچاتے، پھر اپنے تمام بدن پر پانی ڈالتے، پھر اس جگہ سے ہٹ کر اپنے پاؤں دھوتے۔[8] ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ کے مطابق آپ غسل میں بھی نماز کی طرح پورا وضو فرماتے تھے، پھر دائیں کندھے پر پانی ڈالتے، پھر

1 صحیح البخاری: 159، صحیح مسلم: 226، سنن ابن ماجہ: 295، سنن النسائی: 78۔ 2 صحیح البخاری: 206، صحیح مسلم: 274۔ 3 سنن ابی داود: 145، جامع الترمذی: 31،39۔ 4 جامع الترمذی: 55۔ 5 صحیح مسلم: 325،321،320۔ 6 سنن ابی داود: 238۔ 7 جامع الترمذی: 53، 54۔ 8 صحیح البخاری: 265، سنن ابی داود: 245، صحیح مسلم: 317

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] 170 [illegible]

[illegible] اسی دارد [illegible]

حدیقۃ الانوار، العوالی (مدینہ منورہ)



آپ ﷺ عصر کی نماز اس وقت ادا فرماتے جب سورج اونچا اور خوب چمک رہا ہوتا تھا۔ کوئی جانے والا عوالی یعنی مدینے کی بالائی بستیوں کی طرف جاتا اور اپنی منزل پر پہنچ جاتا تھا جبکہ سورج ابھی اونچا ہوتا تھا۔[1] عصر کی پہلی دو رکعتوں میں آپ ﷺ کا قیام ظہر کی آخری دو رکعتوں کے قیام سے قدرے کم ہوتا تھا۔ ظہر اور عصر میں قراءت مخفی ہوتی تھی مگر آپ ﷺ کبھی کبھار، دوسروں کو بتانے کے لیے کوئی ایک آدھ آیت بلند آواز سے بھی پڑھ دیتے تھے۔[2]

نماز مغرب آفتاب غروب ہوتے ہی جلد پڑھنے کا معمول تھا، یہاں تک کہ نماز کے بعد تیر گرنے کی جگہ دکھائی دے سکتی تھی۔ کبھی نماز مغرب میں سورۂ مرسلات یا سورۂ طور (یا ان کے مطابق کوئی سورت) پڑھتے تھے۔[3]

عشاء کی نماز آپ ﷺ تاخیر سے پڑھتے تھے۔ مگر دوسری روایت کے مطابق اگر لوگ جمع ہو جاتے تو جلدی بصورت دیگر تاخیر ہی سے ادا فرماتے تھے۔[4] عشاء کی نماز میں آپ ﷺ سورۃ الاعلیٰ، سورۃ الشمس اور سورۃ التین جیسی سورتیں تلاوت فرماتے تھے۔[5]

نماز باجماعت میں آپ ﷺ خود بھی تخفیف کے حکم پر عمل کرتے اور دوسروں کو بھی تخفیف کی تاکید فرماتے تھے۔ جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ، دوسری رکعت میں سورۂ منافقون اور کبھی سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ پڑھتے تھے۔ علامہ ابن قیم کے مطابق ان سورتوں کا مکمل طور پر پڑھنا سنت ہے نہ کہ بعض حصوں کا۔ آپ ﷺ عیدین میں بھی دونوں مؤخر الذکر سورتیں تلاوت فرماتے تھے۔[6]

روزے کے معمولات

آپ ﷺ رمضان المبارک کے علاوہ بھی بڑی کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کو صوم داؤدی (ایک دن روزہ اور ایک دن افطار) زیادہ محبوب تھا۔[7] رمضان المبارک کے پورے مہینے کے علاوہ شعبان میں بھی کثرت

1 صحیح البخاری: 550، صحیح مسلم: 621. 2 صحیح مسلم: 451-453. 3 صحیح البخاري: 763، 765، صحیح مسلم: 462، 463. 4 صحیح مسلم: 639، 646. 5 صحیح مسلم: 464، 465. 6 صحیح مسلم: 877، 878، 891، زاد المعاد: 1/378، 379. 7 صحیح البخاري: 1131، صحیح مسلم: 159.

روزے رکھتے تھے۔ اسی طرح آپ کا ہر مہینے کی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں کو روزہ رکھنے کا معمول تھا۔ اور ہر ہفتے میں دو دن، پیر اور جمعرات کو روزہ رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ صوم وصال، یعنی غیر منقطع طور پر مسلسل روزے بھی رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ روزے رکھتے تو اتنے تواتر سے رکھتے کہ محسوس ہوتا تھا کہ اب آپ کبھی افطار ہی نہیں کریں گے اور جب افطار کرتے تو مسلسل کرتے رہتے، یوں لگتا کہ اب آپ ﷺ کبھی روزے نہیں رکھیں گے۔ [1] آپ ﷺ سحری کا ہمیشہ بڑا اہتمام فرماتے تھے، آپ ﷺ کے نزدیک بہترین سحری کھجور تھی۔ کبھی ایسے بھی ہوتا کہ جب آپ ﷺ گھر تشریف لاتے اور گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو روزے کی نیت فرما لیتے تھے۔ نفلی روزوں میں یہ بتانے کے لیے کہ ضرورت کے وقت انھیں توڑا بھی جا سکتا ہے، آپ ﷺ نے بعض موقعوں پر روزے کی نیت کر کے افطار بھی کر لیا۔ [2] روزے کے دوران میں مسواک کرنا اور حجامہ کروانا (پچھنے لگوانا) اور سرمہ لگانا بھی ثابت ہے۔ [3] افطار میں آپ ﷺ ہمیشہ جلدی فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد تھا کہ جب تک امت افطاری میں جلدی کرتی رہے گی، اس وقت تک وہ خیر پر رہے گی۔ [4] روزہ عموماً کھجور سے، اگر کھجور نہ ہوتی تو پانی سے افطار فرماتے۔ [5] افطار کے وقت آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے: ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللهُ ”پیاس ختم ہوگئی، رگیں تر ہوگئیں اور اگر اللہ نے چاہا تو اجر ثابت ہوگیا۔“ [6]



حجامہ سے علاج

رسول اللہ ﷺ کے مرغوب کھانے

رسول اکرم ﷺ سادہ خوراک نوش فرماتے تھے۔ کسی قسم کا تکلف روا نہ رکھتے تھے۔ ہر حلال چیز حسب خواہش وضرورت نوش فرماتے۔ بہت عمدہ کھانے اور پرتکلف دستر خوان لگا کر کھانا آپ کی شان نہ تھی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

مَا أَكَلَ النَّبِيُّ ﷺ خُبْزًا مُرَقَّقًا وَلَا شَاةً مَسْمُوطَةً حَتّٰى لَقِيَ اللهَ

”نبی ﷺ نے کبھی میدے سے تیار شدہ باریک چپاتی نہیں کھائی اور نہ کبھی بھنی ہوئی بکری تناول فرمائی حتی

1 صحیح البخاری، 1970، 1981، 5052، سنن أبي داود، 2429-2439. 2 صحیح مسلم، 1154، سنن أبي داود، 2456. 3 سنن أبي داود، 2364، 2377-2379. 4 صحیح البخاري، 1957، صحیح مسلم، 1098. 5 جامع الترمذي، 695، سنن أبي داود، 2355. 6 سنن أبي داود، 2357، المستدرك للحاكم، 422/1، حديث 1536.

کہ آپ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔"[1]

ہر وقت کھانا یا خوب پیٹ بھر کر کھانا آپ کی عادت مبارک نہ تھی۔ آپ بوقت ضرورت حسب ضرورت کھاتے تھے۔ آپ کی سادگی اور مختصر خوراک کی بابت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ما شبع آل محمد ﷺ من طعام ثلاثة أيام حتى قبض.

"محمد ﷺ کے اہل وعیال نے کبھی متواتر تین دن تک سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا حتی کہ آپ کی روح قبض ہوئی۔"[2]

اللہ تعالیٰ نے مالِ فے، خمس اور ہدایا کی صورت میں آپ کی ضروریات زندگی کا بندوبست فرما دیا تھا۔ صحابہ کرام آپ کی محبت و الفت اور خدمت کے جذبے سے جو چیزیں پیش کرتے تھے، وہ آپ بخوشی قبول کرتے اور انھیں دعائیں دیتے۔ صحابہ کرام آپ کی خدمت میں میسر اشیاء، مثلاً: دودھ، گوشت اور کھجوریں پیش کرتے۔ آپ وہ نوش فرما لیتے تھے۔ آپ کو کون کون سی اشیاء محبوب تھیں؟ آئیے پڑھیے:

1 آپ ﷺ شانے اور پچھلی کا گوشت پسند کرتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

تعرق رسول الله ﷺ كتفا ثم قام فصلى ولم يتوضأ.

"رسول اللہ ﷺ نے شانے کا گوشت کھایا، پھر اٹھے، نماز پڑھی لیکن آپ نے نیا وضو نہیں کیا۔"[3]

سیدنا عمرو بن امیہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ کے ہاتھ میں بکری کا شانہ تھا جسے آپ چھری سے کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے۔ پھر آپ کو نماز کے لیے بلایا گیا تو آپ نے وہ شانہ اور چھری جس سے گوشت کاٹ رہے تھے، دونوں کو پھینک دیا، پھر کھڑے ہوئے، نماز پڑھی اور (نیا) وضو نہ کیا۔[4]

2 اگر کوئی صحابی آپ کی دعوت کرتا تو آپ بخوشی قبول فرماتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ آپ کے ایک درزی غلام کے پاس گیا۔ اس نے آپ ﷺ کی طرف ایک پیالہ بڑھایا جس میں ثرید تھی۔ پھر وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا تو نبی ﷺ اس پیالے میں سے کدو تلاش کرنے لگے۔ میں نے بھی کدو نکال کر آپ ﷺ کے سامنے رکھنے شروع کر دیے۔ اس کے بعد میں خود بھی کدو کو بہت پسند کرتا ہوں۔[5]

3 صحابہ کرام قربانی کا گوشت خشک کر کے بعد میں کھایا کرتے تھے۔ آپ یہ خشک گوشت بخوشی کھا لیتے تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ کو شوربا پیش کیا گیا جس میں کدو اور خشک گوشت تھا۔[6]

1 صحيح البخاري: 5385. 2 صحيح البخاري: 5374. 3 صحيح البخاري: 5404. 4 صحيح البخاري: 5408.
5 صحيح البخاري: 5420. 6 صحيح البخاري: 5437.

4 آپ ﷺ گرم اور سرد مزاج کی اشیاء کو جمع کر کے کھاتے تھے۔ سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ککڑی کے ساتھ تازہ کھجور ملا کر کھاتے دیکھا ہے۔[1]

5 آپ ﷺ کو میٹھی اشیاء اور شہد بھی محبوب تھا۔ مشروبات میں سے آپ کو دودھ اور شہد مرغوب تھا۔ معراج کی رات آپ کو دودھ پیش کیا گیا تھا۔ اسی طرح مختلف مواقع پر آپ کی خدمت میں دودھ پیش کیا جاتا تھا جسے آپ ﷺ بخوشی نوش فرماتے تھے۔ ام فضل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگوں نے عرفہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے روزے کے متعلق شک کیا تو میں نے آپ کے لیے ایک برتن میں دودھ بھیجا تو آپ نے نوش فرما لیا۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک ایسے مشکیزے میں نبیذ بنائی جاتی تھی جس کے اوپر والے دہانے کو دھاگے سے باندھ دیا جاتا تھا اور اس کے نیچے سوراخ بھی تھا۔ صبح کے وقت کھجوروں کو بھگویا جاتا تو آپ اسے عشاء کے وقت نوش فرماتے۔ اور رات کو بھگویا جاتا تو آپ صبح کو پی لیتے۔[3]

آداب طعام

رسول اللہ ﷺ نے امت کو کھانے پینے کے آداب سکھائے ہیں۔ آئیے ایک نظر ان سنہری آداب پر ڈالتے ہیں:

1 کھانے پینے کی اشیاء میں حلال کو ملحوظ رکھنا اشد ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ ”تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمھیں رزق کے طور پر دی ہیں۔“[4]

2 کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ کر شروع کرنا اور اپنے سامنے سے کھانا چاہیے۔ سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں صغر سنی میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں زیر پرورش تھا، کھاتے وقت برتن میں میرا ہاتھ چاروں طرف گھوما کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تاکید فرمائی: ”بیٹے! کھاتے وقت بسم اللہ پڑھو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے آگے سے تناول کرو۔“ اس کے بعد میں ہمیشہ اسی ہدایت کے مطابق کھاتا رہا۔[5]

3 پیٹ بھر کر کھانا بھی جائز ہے، البتہ اسے دائمی عادت بنا لینا ناپسندیدہ ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی آواز میں نقاہت محسوس کرتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ فاقے سے ہیں۔ کیا تمھارے پاس کوئی چیز ہے؟ چنانچہ انھوں نے جو کی چند روٹیاں نکالیں، پھر اپنا دوپٹہ لیا اور اس کے ایک حصے میں روٹیاں لپیٹ دیں، پھر اسے میرے کپڑے کے نیچے میری بغل میں

[1] صحیح البخاري، 5440. [2] صحیح البخاري، 5604. [3] سنن أبي داود، 3711. [4] البقرة 2:172. [5] صحیح البخاري، 5376.

چھپا دیا اور اس کا کچھ حصہ (چادر کی طرح) مجھے اوڑھا دیا۔ پھر مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو اس وقت آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ میں ان حضرات کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا تجھے ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''کھانے کے لیے؟'' میں نے کہا: جی ہاں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے سب ساتھیوں سے فرمایا: ''اٹھو۔'' چنانچہ آپ وہاں سے روانہ ہوئے اور میں ان کے آگے آگے چلنے لگا۔ جب میں سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو انھوں نے سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا: ام سلیم! رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں سمیت تشریف لا رہے ہیں جبکہ ہمارے پاس کھانے کا اس قدر انتظام نہیں جو سب کو کافی ہو سکے۔ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔

اس کے بعد سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ استقبال کے لیے نکلے اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی۔ آخر کار سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ چلتے چلتے گھر میں داخل ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''اے ام سلیم! جو کچھ تمھارے پاس ہے، اسے لے آؤ۔'' چنانچہ وہ وہی روٹیاں لے آئیں، پھر آپ ﷺ کے حکم سے ان کا چورا کر لیا گیا۔ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے گھی کے ڈبے سے اس پر گھی نچوڑ کر اس کا ملیدہ بنا لیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی توفیق سے اس پر جو پڑھنا تھا پڑھا، اس کے بعد فرمایا: ''دس دس آدمیوں کو کھانے کے لیے بلاؤ۔'' چنانچہ دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اجازت دی، وہ آئے۔ انھوں نے شکم سیر ہو کر کھایا اور واپس چلے گئے۔ پھر آپ نے فرمایا: ''دس اور بلاؤ۔'' وہ آئے۔ انھوں نے شکم سیر ہو کر کھایا اور باہر چلے گئے۔ پھر آپ نے دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو آنے کی دعوت دی۔ انھوں نے بھی سیر ہو کر کھایا اور واپس چلے گئے۔ پھر دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بلایا۔ اس طرح تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پیٹ بھر کر کھایا۔ اس وقت اسی (80) کی تعداد میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔[1]

4 مومن حسب ضرورت صرف حلال اشیا کھاتا پیتا ہے جبکہ کافر صرف کھانے کے لیے جیتا ہے، اس لیے بے تحاشا کھاتا ہے اور حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں کرتا۔ ارشاد نبوی ہے: «المؤمن يأكل في معى واحد والكافر يأكل في سبعة أمعاء» ''مومن ایک آنت میں کھاتا ہے جبکہ کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔''[2]

اس کے برعکس مومن دوسرے بھائیوں کا خیال بھی رکھتا ہے، اس لیے کم از کم کھانا بھی کفایت کر جاتا ہے۔ آپ کا فرمان عالی ہے:

«طعام الاثنين كافي الثلاثة وطعام الثلاثة كافي الأربعة»

1 صحيح البخاري 5381. 2 صحيح البخاري 5393

''دو آدمیوں کا کھانا تین کے لیے کافی ہوتا ہے اور تین آدمیوں کا کھانا چار کے لیے کافی ہوتا ہے۔''[1]

5 ٹیک لگا کر کھانا یا باقاعدہ ٹیبل پر کھانا ناپسندیدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندوں کی طرح زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے: إني لا آكل متكئا ''یقیناً میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔''[2]

6 کھانے میں عیب نکالنا منع ہے۔ اگر جی نہ چاہے تو کھانا نہ کھائے۔ اگر طبعی کراہت ہو تب بھی نہ کھائے مگر کھانے میں نقص نہ نکالے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ما عاب النبي ﷺ طعاما قط، إن اشتهاه أكله وإلا تركه.

''نبی ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں کوئی عیب نہیں نکالا۔ پسند ہوتا تو کھا لیتے، ناپسند ہوتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے۔''[3]

7 چاندی اور سونے کے برتنوں میں کھانا پینا منع ہے۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

لا تشربوا في آنية الذهب والفضة، ولا تأكلوا في صحافها، فإنها لهم في الدنيا ولنا في الآخرة

''سونے چاندی کے برتنوں میں کچھ نہ پیو، نہ ان کی پلیٹوں میں کچھ کھاؤ کیونکہ یہ چیزیں دنیا میں کافروں کے لیے ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں۔''[4]

8 اکٹھے کھانا کھاتے وقت دوسرے ساتھیوں کا خیال رکھنا چاہیے، اگر سب لوگ ایک ایک دانہ کھا رہے ہوں تو دو دانے ملا کر کھانا، یا دوسرے سے زیادہ کھانا سمیٹ لینا صحیح طرزِ عمل نہیں۔

حضرت جبلہ بن سحیم سے روایت ہے کہ ہمیں ایک سال سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ قحط کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے راشن کے طور پر ہمیں کھجوریں دیں۔ جب ہم کھجوریں کھا رہے ہوتے اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہمارے پاس سے گزرتے تو کہتے: دو کھجوریں ایک ساتھ ملا کر نہ کھاؤ کیونکہ نبی ﷺ نے دو کھجوریں ایک ساتھ ملا کر کھانے سے منع کیا ہے، پھر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے: مگر ایسا اس صورت میں روا ہے کہ کھانے والا اپنے ساتھی سے اجازت لے لے۔ شعبہ نے کہا ہے کہ حدیث میں اجازت والا ٹکڑا سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔[5]

9 ایسے کھانے جن سے منہ میں بُو پیدا ہوتی ہو، وہ کھا کر نماز کے لیے مسجد میں نہیں جانا چاہیے۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

1 صحیح البخاري: 5392. 2 صحیح البخاري: 5398. 3 صحیح البخاري: 5409. 4 صحیح البخاري: 5426.
5 صحیح البخاري: 5446

''جو شخص کچا لہسن یا پیاز کھائے، وہ ہم سے علیحدہ رہے۔'' یا فرمایا: ''وہ ہماری مسجد سے الگ رہے۔''[1]

10 کھانے کے بعد منہ کی صفائی کے لیے کلی یا مسواک کرنی چاہیے تاکہ عبادت میں خشوع و خضوع رہے۔ سیدنا سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خیبر روانہ ہوئے۔ جب ہم مقام صہبا، پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا طلب فرمایا۔ کھانے میں ستو کے علاوہ اور کوئی چیز دستیاب نہ ہو سکی۔ ہم نے بھی وہی کھائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ نے صرف کلی کی تو ہم نے بھی آپ کے ساتھ کلی کر لی۔[2]


وادی صہبا، (خیبر) کا سد الحنت نامی بند

11 کھانا کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنا بھی سنت ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو ہاتھ صاف کرنے سے پہلے اسے خود چاٹ لے یا کسی اور کو چٹا دے۔''[3]

البتہ رومال وغیرہ سے ہاتھ صاف کرنا بھی درست ہے۔

12 کھانے کے بعد درج ذیل دعا پڑھنا مسنون ہے:

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں بہت زیادہ، پاکیزہ اور اس میں برکت ڈالی گئی ہے، نہ (یہ کھانا) کفایت کیا گیا (کہ مزید کی ضرورت نہ رہے)، نہ اسے وداع کیا گیا، نہ اس سے بے نیاز ہوا جا سکتا ہے، اے ہمارے رب۔''[4]

13 سخت بھوک لگی ہو اور کھانا تیار ہو تو پہلے کھانا کھانا چاہیے، نماز بعد میں ادا کرنی چاہیے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب نماز کھڑی ہو جائے اور رات کا کھانا سامنے ہو تو پہلے عشائیہ تناول کرو۔''[5]

1 صحیح البخاری: 5452. 2 صحیح البخاری: 5454. 3 صحیح البخاری: 5456. 4 صحیح البخاری: 5458.
5 صحیح البخاری: 5465.

رسول اللہ ﷺ کے ملبوسات اور دیگر لوازمِ تجمل

نبی کریم ﷺ نے لباس کے معاملے میں طہارت و نفاست کا ایسا اعلیٰ معیار قائم فرمایا ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ رسول اللہ ﷺ بڑا سادہ اور متواضع لباس پہنتے تھے لیکن یہ اتنا پاکیزہ صاف شفاف اور اُجلا ہوتا تھا کہ اسے پہن کر اونچی سے اونچی مجلس میں پورے اعتماد اور وقار کے ساتھ بیٹھا جا سکتا تھا۔ آپ ﷺ کو میلا کپڑا گوارا ہی نہ تھا۔ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی صاف ستھرا لباس پہننے کی تاکید فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا عام لباس چادر، قمیص اور تہبند تھا۔ شاہِ حبش نجاشی نے خدمتِ عالیہ میں کالے رنگ کے چرمی موزے بطور تحفہ بھیجے تو آپ ﷺ نے بخوشی پہن لیے۔ عادتِ مبارک یہ تھی کہ اکثر عمامہ باندھتے تھے۔ آپ ﷺ نے متعدد مواقع پر عمدہ لباس بھی زیبِ تن فرمایا۔ بعض بادشاہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں بہت شاندار اور قیمتی ملبوسات بطور ہدیہ بھیجے۔ آپ ﷺ نے یہ ہدیے قبول فرمائے اور عمدہ پوشاک پہنی تاکہ کسی کو عمدہ لباس پہننے کے جواز میں کوئی شک نہ رہے۔ ورنہ طبعِ مبارک دنیاوی آرائش و تکلفات سے گریز اور پرہیز ہی کی طرف مائل تھی۔

نبی اکرم ﷺ کا عمامہ

عمامہ سرورِ عالم ﷺ کی سنتِ مبارکہ ہے۔ آپ ﷺ اکثر عمامہ باندھا کرتے تھے۔ کسی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اللہ کے رسول ﷺ عمامہ کس طرح باندھتے تھے؟ انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ گول پیچ دار عمامہ باندھتے تھے۔ ایک شملہ پیچھے کی طرف ہوتا تھا۔ اور ایک شملہ کندھوں کے بیچ سے ہوتا ہوا نیچے جاتا تھا۔

جعفر بن عمرو اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو منبر پر دیکھا، آپ ﷺ نے سیاہ پگڑی باندھ رکھی تھی اور اس کا کنارا آپ ﷺ نے اپنے کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا۔[1]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ فتحِ مکہ کے روز فاتحانہ شان سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، اس وقت آپ ﷺ نے سرِ مبارک پر سیاہ رنگ کا عمامہ باندھ رکھا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ احرام کی حالت

1 سنن ابی داود، 4077

میں نہیں تھے۔[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ نے سیاہ عمامہ باندھ رکھا تھا۔[2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہم غلاموں کے پاس اس شان سے تشریف لائے کہ آپ ﷺ نے زرد قمیص پہنی ہوئی تھی، زرد چادر اوڑھ رکھی تھی اور سر مبارک پر عمامہ بندھا ہوا تھا۔[3]

ابن سعد نے عباد بن حمزہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ معرکۂ بدر میں فرشتے آسمان سے اترے تو انھوں نے زرد رنگ کے عمامے باندھے ہوئے تھے۔[4]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عليكم بالعمائم فإنها سيما الملائكة وأرخوها خلف ظهوركم

''(اے فرزندانِ اسلام!) عمامے باندھا کرو کیونکہ یہ فرشتوں کی علامت ہے۔ اور عمامے کا ایک شملہ اپنی پشت پر لٹکا دیا کرو۔''[5]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا، انھوں نے سرخ رنگ کا عمامہ باندھ رکھا تھا اور اس کا پلہ ان کے کندھوں کے درمیان لٹک رہا تھا۔[6]

ایک دوسری روایت میں وہ بیان کرتی ہیں کہ غزوۂ خندق کے موقع پر میں نے ایک آدمی دیکھا، اس کی صورت دحیہ کلبی سے ملتی تھی۔ وہ ایک جانور پر سوار تھا اور رسول اللہ ﷺ سے سرگوشی کر رہا تھا۔ اس نے دستار باندھ رکھی تھی

[1] صحيح مسلم: 1358. [2] المعجم الأوسط للطبراني: 353/3. [3] تاريخ دمشق: 385/34. [4] الطبقات لابن سعد: 26/2. [5] المعجم الكبير للطبراني: 15/11. [6] المعجم الأوسط للطبراني: 380/5


میدان بدر کا وسیع منظر

جس کا ایک پلہ اس کے پیچھے لٹکا ہوا تھا۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ کون تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ذاك جبريل عليه الصلاة والسلام، أمرني أن أخرج إلى بني قريظة»

''یہ جبریل تھے، انھوں نے مجھ سے کہا ہے کہ بنو قریظہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہو جائیے۔''[1]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف کو حکم دیا کہ ایک سریے کے لیے تیاری کرو۔ تمھیں اس سریے کا امیر بنایا جائے گا۔ سیدنا عبدالرحمٰن اگلی صبح حاضر خدمت ہوئے۔ اس وقت انھوں نے کھدر کے کپڑے کا سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے کھول دیا، پھر خود ان کے سر پر سفید عمامہ باندھا اور اس کا شملہ پیچھے کی جانب چار انگل یا ایک بالشت رکھا، پھر فرمایا:

«هكذا يا ابن عوف فاعتم فإنه أعرب وأحسن»

''اے عوف کے بیٹے! اس طرح عمامہ باندھا کرو، یہ زیادہ خوبصورت لگتا ہے۔''[2]

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس شخص کو کسی علاقے کا حاکم مقرر فرماتے، اس کی دستار بندی کرتے تھے۔ دستار کا ایک شملہ دائیں طرف کے کان سے نیچے لٹک رہا ہوتا تھا۔[3]

عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے سر پر پگڑی باندھی اور اس کے کناروں کو میرے آگے کی طرف اور پیچھے کی جانب لٹکا دیا۔[4]

ٹوپی مبارک

رسول اللہ ﷺ عمامہ باندھنے کے علاوہ ٹوپی بھی پہنتے تھے۔ آپ عمامہ کے نیچے بھی ٹوپی پہنتے تھے۔ زادالمعاد میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

«وكان يلبس القلنسوة بغير عمامة، ويلبس العمامة بغير قلنسوة»

''رسول اللہ ﷺ کبھی عمامہ کے بغیر صرف ٹوپی پہنتے تھے اور کبھی ٹوپی کے بغیر عمامہ باندھ لیتے تھے۔''[5]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفید ٹوپی پہنا کرتے تھے۔[6] سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ نے سفید شامی ٹوپی پہن رکھی تھی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مُشمّرہ (شامی) ٹوپی پہنتے تھے اور جب سفر میں ہوتے تو اس وقت

1 المستدرك للحاكم: 214/4. 2 مسند البزار: 315/12، المستدرك للحاكم: 582/4. 3 المعجم الكبير للطبراني: 156/7، السلسلة الضعيفة: 4256. 4 سنن أبي داود: 4079. 5 زاد المعاد: 130/1. 6 شعب الإيمان للبيهقي: 294/8.

قلنسوہ یعنی کانوں کو ڈھانپنے والی ٹوپی پہنتے تھے۔ [1]

چادر اوڑھنا

رحمت عالم ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ بسا اوقات سر مبارک پر چادر ڈال لیا کرتے تھے۔

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ قوم ثمود کے علاقے سے گزرے تو ارشاد فرمایا: [illegible] ''جن لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا، ان کی آبادیوں سے آنسو بہاتے ہوئے گزرو، ایسا نہ ہو کہ وہ عذاب جو ان پر نازل ہوا تھا، تم پر بھی نازل ہو جائے۔'' اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر مبارک پر چادر ڈال لی اور نہایت تیزی سے چلنے لگے یہاں تک کہ اس وادی سے نکل آئے۔ [2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ایک روز رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ اُس وقت آپ ﷺ نے اپنے سر مبارک پر چادر ڈال رکھی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible] الأنصار [illegible] فمن ولي منكم [illegible]

أحد [illegible] من محسنهم ويتجاوز عن مسيئهم

''اے لوگو! دوسرے قبائل تعداد میں بڑھتے جائیں گے لیکن انصار کی تعداد گھٹتی چلی جائے گی۔ اگر تم میں سے کسی کو ایسے عہدے پر فائز کیا جائے جس سے وہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہو تو اسے چاہیے کہ انصار کے نیکوکاروں

[1] أخلاق النبي لأبي الشيخ الأصبهاني، ص: 124. [2] صحيح البخاري: 4419.

العلا (وادی القریٰ) کی آبادی اور نخلستان



کی نیکیاں قبول کرے اور ان میں سے کسی سے کوئی خطا ہو جائے تو اس سے درگزر کرے۔"[1]

قمیص اور تہ بند

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كان رسول الله ﷺ يلبس قميصا قصير [illegible] الطول. "رسول اللہ ﷺ ایسی قمیص پہنا کرتے تھے جس کی آستینیں لمبی نہیں ہوتی تھیں اور اس کی لمبائی بھی زیادہ نہ ہوتی تھی۔"[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: [illegible] رسول الله ﷺ [illegible] الرسغ "رسول اللہ ﷺ کی آستین کلائی کے جوڑ تک ہوتی تھی۔"[3]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے:

أن رسول الله ﷺ كان له قميص قطني قصير الطول [illegible]

"رسول اللہ ﷺ کی ایک قبطی قمیص تھی (ایسی قمیص سفید صوف سے مصر میں بنائی جاتی تھی)۔ وہ لمبائی میں بھی چھوٹی تھی اور اس کی آستینیں بھی چھوٹی تھیں۔"[4]

عطاء بن ابی رباح تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا بیعت رضوان میں آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ میں نے پھر پوچھا: اس روز رسول اللہ ﷺ نے کون سا لباس پہنا ہوا تھا؟ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ نے ایک سوتی قمیص اور ایک جبہ زیب تن فرما رکھا تھا، اس جبے میں روئی بھری ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ ایک چادر اور ایک تلوار تھی۔ میں نے نعمان بن مقرن مزنی رضی اللہ عنہ کو دیکھا، وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب کھڑے تھے اور لوگ آپ ﷺ کی بیعت کا شرف حاصل کر رہے تھے۔[5]

ان مختلف احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قمیص پہنتے تھے۔ کبھی آپ ﷺ ایسی قمیص پہنتے تھے جس کی لمبائی ٹخنوں کے اوپر تک ہوتی اور اس کی آستینیں ہاتھ کی انگلیوں کو ڈھانپ لیتی تھیں اور کبھی ایسی قمیص زیب تن فرماتے جو زیادہ لمبی نہیں ہوتی تھی اور اس کی آستینیں انگلیوں سے اوپر کلائی کے جوڑ تک ہی ہوتی تھیں۔

جبہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے ایک شامی جبہ زیب تن فرما رکھا تھا جس کی آستینیں بہت تنگ تھیں۔[6]

1 صحيح البخاري: 5800، مسند أحمد: 289/1 واللفظ له. 2 سنن ابي داود: 4027. 3 السنن الكبرى للنسائي: 482/5. 4 [illegible] 369. 5 المعجم الأوسط للطبراني: 130/4. 6 طبقات ابن سعد: 459/1.

عبادہ بن صامت ؓ فرماتے ہیں: ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صوف کا بنا ہوا رومی جبہ پہنا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔ رسول اللہ ﷺ یہی جبہ پہنے ہوئے ہمارے ہاں تشریف لائے اور ہماری امامت کی۔ اس وقت آپ ﷺ نے صرف یہی جبہ پہن رکھا تھا۔ اس جبے کے علاوہ بدن اطہر پر اور کوئی قمیص وغیرہ نہیں تھی۔[1]

سیدنا مغیرہ بن شعبہ ؓ سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے وضو کرتے ہوئے چہرہ مبارک دھویا۔ اس وقت آپ ﷺ نے شامی جبہ پہن رکھا تھا، اس کی آستینیں تنگ تھیں۔ آپ ﷺ نے آستینوں سے ہاتھ باہر نکالنے چاہے لیکن آستینوں کی تنگی کی وجہ سے باہر نہیں نکل سکے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جُبے کے نیچے سے ہاتھ نکالا۔[2]

سیدہ اسماء بنت ابی بکر ؓ کے آزاد کردہ غلام عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک روز سیدہ اسماء ؓ نے طیلسان (موٹے کپڑے) کا ایک کسروانی (کسریٰ کے عہد میں پہنا جانے والا) جبہ نکالا، اس پر ریشم کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے اور اس کے دونوں پلوؤں پر ریشم لگا ہوا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا جبہ ہے، آپ ﷺ اسے پہنا کرتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس عالم فانی سے رحلت فرمائی تو یہ جبہ ام المومنین عائشہ صدیقہ ؓ کے پاس رہا۔ جب انھوں نے وفات پائی تو اسے میں نے لے لیا۔ جب ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا ہے تو ہم اس جبہ کو دھوتے ہیں اور اس کی دھوون مریض کو پلاتے ہیں، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو شفا بخشتا ہے۔[3]

طارق بن عبداللہ المحاربی ؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ذوالمجاز کی منڈی میں اللہ کے رسول ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے سرخ رنگ کا جبہ پہن رکھا تھا۔[4]

ابوالشیخ روایت کرتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ کا ایک جبہ تھا جو انمار کے صوف سے بنایا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے پہنا اور بہت پسند کیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنا دست مبارک اس پر پھیرتے جاتے تھے اور فرماتے تھے:

انظر ما أحسنها

''ذرا دیکھو! یہ کتنا خوبصورت ہے۔''

اس مجلس میں ایک اعرابی بھی موجود تھا۔ اس نے عرض کی:

یا رسول اللہ ھبہا لی

''اے اللہ کے رسول! یہ جبہ مجھے عطا فرما دیں۔''

---

1 سنن ابن ماجہ: 3563، 2 صحیح البخاری: 5798، صحیح مسلم: 274، 3 صحیح مسلم: 2069، 4 معجم الصحابۃ لابن قانع: 45/2

رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت جبہ اتارا اور اس اعرابی کے حوالے کر دیا۔[1]

ایک دفعہ دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک ریشمی جبہ بطور ہدیہ ارسال کیا، اس میں سونے کے تار جھلملا رہے تھے۔ رحمت عالم ﷺ نے اسے پہنا۔ لوگوں نے اسے بہت پسند کیا اور کہا: یہ تو بے حد خوبصورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس کی خوبصورتی پر تعجب کر رہے ہو؟ اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! جنت میں سعد بن معاذ کو جو رومال دیے گئے ہیں، وہ اس سے کہیں زیادہ خوبصورت ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ جبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بطور تحفہ عطا فرما دیا۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! جس لباس کو آپ ناپسند کریں، اسے میں پہن لوں، بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر! میں نے تمھیں یہ جوڑا اس لیے دیا ہے کہ تم اسے بیچ ڈالو اور اس کی جو قیمت ملے، اسے اپنے کام میں لاؤ۔'' یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ریشم کے لباس کی حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: شاہ روم نے سید الانبیاء ﷺ کی خدمت میں باریک ریشم کا ایک جبہ بطور تحفہ بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے پہنا۔ میں اس وقت بھی گویا اس کی لہراتی آستینوں کو دیکھ رہا ہوں۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ آپ کے لیے آسمان سے اترا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اس پر تعجب کر رہے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! وہ رومال جو سعد بن معاذ کو جنت میں دیے گئے ہیں، اس کا ایک رومال اس سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے۔''

1 اخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ الأصبهاني، ص: 126. 2 صحيح مسلم، 2468، سنن النسائي 6302، مسند أحمد: 3/ 238، 157، 347، 206.



دومۃ الجندل کا فضائی منظر

پھر آپ ﷺ نے یہ جبہ جعفر بن ابی طالب کو مرحمت فرما دیا۔ انھوں نے اس کو پہنا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمھیں یہ جبہ اس لیے نہیں دیا کہ تم اسے پہنو۔'' انھوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! پھر میں اس کا کیا کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَرْسِلْ بِهَا إِلَى أَخِيكَ النَّجَاشِيِّ

''یہ اپنے بھائی نجاشی کو بھیج دو۔''[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ قیصر روم نے باریک ریشم کا بنا ہوا ایک عالی شان جبہ ازراہِ عقیدت بطور ہدیہ بارگاہِ رسالت میں بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے پہننے یا نہ پہننے کے بارے میں سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما سے مشورہ کیا۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہماری رائے تو یہ ہے کہ آپ اسے زیب تن فرمائیں تاکہ آپ کے دشمن اسے دیکھ کر حسد کی آگ میں جلیں اور ذلیل ہوں اور آپ کے غلام آپ ﷺ کو اس پوشاک میں دیکھ کر نہال ہو جائیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہ جبہ پہن لیا، پھر منبر پر تشریف لائے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تو بذاتِ خود نہایت حسین و جمیل تھے لیکن یہ جبہ پہننے سے آپ کا چہرہ مبارک مزید روشن ہو گیا۔

پھر آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور جب سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس آئے تو آپ نے یہ جبہ انھیں بطور تحفہ مرحمت فرما دیا۔[2]

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اکرم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے باریک ریشم کا جبہ پہنا ہوا تھا۔ ہم نے اس دن سے زیادہ خوبصورت آپ کو کبھی نہیں دیکھا، پھر آپ جُبہ اُتار کر اٹھ کھڑے ہوئے، جُبہ اتار دیا اور ایک دھاری دار چادر اوڑھ لی۔ اس کے بعد آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

أَلْحَرِيرُ لِبَاسُ أَهْلِ الْجَنَّةِ، مَنْ لَبِسَهُ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ.

1 سنن أبي داود: 4047، مسند أحمد: 229/3 2 معجم الصحابة لابن قانع: 217/2.

ایتھوپیا (حبشہ) کا دارالحکومت ادیس ابابا



''ریشم جنتیوں کا لباس ہے، جو اسے دنیا میں پہنے گا، وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔''[1]



حلہ

حلہ جامہ اور چادر یا جبہ (چغہ) کو کہتے ہیں یعنی مکمل لباس جیسے شلوار قمیص۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہایت خوبصورت حلہ (لباس) زیب تن کیے دیکھا۔[2]

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آقائے نامدار ﷺ کو دیکھا، آپ نے سرخ رنگ کا جوڑا زیب تن فرما رکھا تھا۔[3]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شاہ ذی یزن (حمیری) نے ایک حلہ تینتیس اونٹوں یا اونٹنیوں کے عوض خریدا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں بطور ہدیہ بھیجا، آپ ﷺ نے یہ ہدیہ قبول فرما لیا۔[4]

سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک روز سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ اُن کے ہاتھ میں عصا تھا۔ وہ آئے، عصا کو ایک جگہ گاڑ دیا، پھر اقامت کہی۔ پھر میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ اس خیمے میں تشریف لائے کہ آپ نے سرخ رنگ کا حلہ پہن ہوا تھا جو زیادہ کشادہ نہ تھا۔[5]

براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے سرخ جوڑا پہن رکھا تھا۔ میں نے آپ سے بڑھ کر حسین وجمیل انسان کبھی نہیں دیکھا۔[6]

اسحاق بن عبداللہ بن حارث فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے 27 اونٹنیوں کے عوض ایک حلہ (جوڑا) خریدا، پھر آپ نے اسے پہنا۔[7]

قبا

قبا آگے سے کھلا چغہ یا اچکن ہے۔ جیسے آج کل ائمہ حرمین وغیرہ کپڑوں کے اوپر زیب تن فرماتے ہیں۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کشادہ ریشمی قبا بطور ہدیہ پیش کی گئی، آپ ﷺ نے اسے پہنا، نماز ادا کی، پھر آپ پلٹے اور شدید کراہت کا اظہار کرتے ہوئے اسے اتار دیا اور فرمایا: لا ينبغي هذا للمتقين

1 المعجم الأوسط للطبراني 372/5. 2 سنن أبي داود 4037. 3 جامع الترمذي: 2811. 4 سنن أبي داود: 4034.
5 صحيح البخاري 5786. 6 صحيح البخاري: 3551. 7 أخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ الأصبهاني، ص: 117.

هذا للمتقين ''یہ پرہیزگار لوگوں کے لائق نہیں ہے۔''[1]

مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ایک روز رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام میں بہت سی قبائیں تقسیم فرمائیں لیکن سیدنا مخرمہ رضی اللہ عنہ کو کچھ نہیں دیا۔ مخرمہ نے مجھ سے کہا: اے بیٹے! مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے چل۔ میں انھیں ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کے درِ اقدس تک گیا۔ جب وہاں پہنچے تو انھوں نے مجھ سے کہا: اندر کاشانۂ مبارک میں جاؤ اور رسول اللہ ﷺ کو میرے حاضر ہونے کا تذکرہ کرو۔ میں اندر گیا، بارگاہِ رسالت میں ان کی درخواست پیش کی۔ رسول اللہ ﷺ میرے باپ سے ملنے کے لیے باہر تشریف لائے۔ اس وقت آپ ﷺ نے ایک قبا پہن رکھی تھی۔ جونہی آپ ﷺ نے مخرمہ کو دیکھا تو فرمایا: ''(اے مخرمہ!) یہ قبا میں نے تمھارے لیے چھپا کر رکھی ہوئی تھی۔'' میرے والد نے رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ ﷺ نے (خوش ہوکر) فرمایا: ''مخرمہ اب راضی ہوگیا ہے۔''[2]

عام لباس

سیدنا ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز ہم ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے ایک کھردرا تہبند نکالا۔ اس طرح کے تہبند یمن میں بنتے تھے۔ پھر سیدہ رضی اللہ عنہا نے ایک کمبل نکالا جس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور قسم کھا کر کہا: ''رسول اللہ ﷺ نے انھی دو کپڑوں میں رفیقِ اعلیٰ کی طرف رحلت فرمائی۔''[3]

امام ترمذی روایت کرتے ہیں: اشعث بن سلیم نے کہا کہ میں نے اپنی پھوپھی کو اپنے چچا سے یہ روایت کرتے ہوئے سنا۔ انھوں نے کہا: ایک دفعہ میں مدینہ کی گلیوں میں جا رہا تھا، اچانک میں نے ایک بابرکت صدا سنی۔ میرے پیچھے ایک صاحب کہہ رہے تھے:



حضرموت (یمن) کا ایک پہاڑی گاؤں

1 صحیح البخاری: 375. 2 صحیح البخاری: 2599.
3 صحیح مسلم: 2080.

''اپنے تہبند کو اونچا کرلو۔ اس طرح یہ نجاست سے پاک رہے گا اور پائیدار بھی ہوگا۔''

میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ سید الانبیاء ﷺ کی ذاتِ اقدس تھی۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ تو سیاہ و سفید دھاری دار چادر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کیا میری ذات میں تمھارے لیے نمونہ نہیں؟''

میں نے فوراً رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا، آپ ﷺ تہبند میں ملبوس تھے اور آپ کا مبارک تہبند نصف پنڈلیوں تک اوپر اٹھا ہوا تھا۔[1]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی محفل میں بہت سے صحابہ موجود تھے۔ ہر آدمی اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ رحمتِ عالم ﷺ نے اپنی چادر مبارک اٹھائی اور ان کی طرف بڑھا دی۔ سیدنا جریر نے اس چادر کو اپنی گردن پر رکھا، چہرے پر ملا، بوسہ دیا، پھر اسے اپنی آنکھوں پر رکھ لیا اور عرض کیا: أَكْرَمَكَ اللّٰهُ كَمَا أَكْرَمْتَنِي ''اے اللہ کے رسول! آپ نے اس ناچیز کی عزت افزائی فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ مکرم و محترم رکھے۔''[2]

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک خاتون بارگاہِ رسالت میں ایک چادر لے کر حاضر ہوئی۔ اس نے یہ چادر آپ ﷺ کی خدمت میں بطورِ ہدیہ پیش کی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے یہ چادر خود اپنے ہاتھ سے بُنی ہے تاکہ اسے آپ زیبِ تن فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس خاتون کا ہدیہ بخوشی قبول فرمایا اور اس

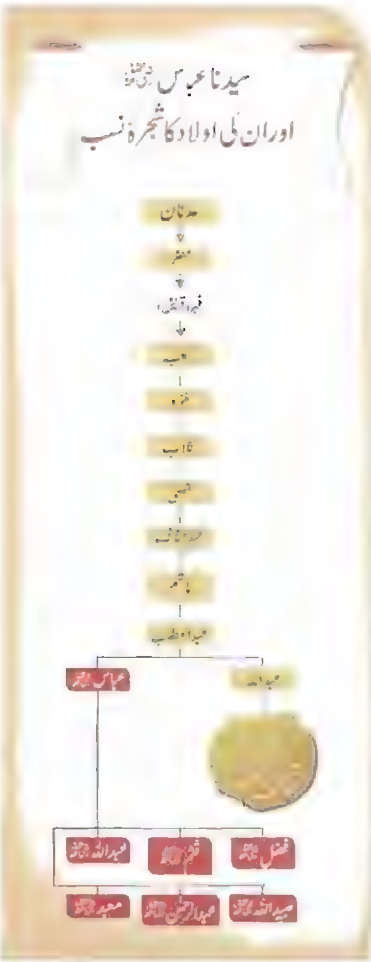
[1] الشمائل المحمدية للترمذي: 121، شرح السنة للبغوي: 11/12. [2] المستدرك للحاكم: 324/4.



انداز سے قبول فرمایا جیسے آپ ﷺ کو اس چادر کی ضرورت تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ وہ چادر باندھ کر باہر تشریف لائے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اس چادر کی تعریف کی اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ چادر مجھے عطا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے معاً وہ چادر اُسے مرحمت فرما دی۔[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ابوجہم بن حذیفہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شامی چادر پیش کی، اس پر بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ پہن کر نماز ادا فرمائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

[illegible]



”یہ چادر ابوجہم کو واپس کر دو کیونکہ میں نے نماز کی حالت میں اس کے نقش و نگار دیکھے، قریب تھا کہ وہ مجھے نماز سے غافل کر دیتے۔“ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ کھدری چادر لاؤ جس پر بیل بوٹے نہیں ہیں۔[2]

سیدنا عبداللہ بن غسیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک روز میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھا کہ اسی دوران سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”چچا جان! اپنے بچوں کو لے آیئے۔“ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اپنے بچوں فضل، عبداللہ، عبیداللہ، قثم، عبدالرحمن اور معبد کو لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو اپنی چادر کے اندر داخل کر لیا۔ اس چادر کا رنگ سیاہ تھا اور اس میں سرخ دھاریاں تھیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

[illegible]

”اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، یہ میری عزت ہیں۔ ان کو آتش جہنم سے اسی طرح چھپا لے جس طرح میں نے انھیں اس چادر میں چھپا لیا ہے۔“

[1] صحیح البخاری: 1277. [2] مسند احمد: 199/2، مزید دیکھیے: صحیح البخاری: 373، صحیح مسلم: 556

جب رسالت مآب ﷺ نے یہ دعا فرمائی تو گھر میں مٹی کی تمام اینٹوں، دروازوں اور کھڑکیوں کے سب کواڑوں نے آمین کہا، یعنی اے اللہ! اپنے محبوب رسول ﷺ کی التجا قبول فرما۔[1]

عروہ بن زبیر ؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا وہ لباس جسے پہن کر آپ ﷺ وفود سے ملاقات فرماتے تھے، اس میں ایک چادر تھی جو حضرموت کی بنی ہوئی تھی۔ اس کا طول چار ہاتھ (اوسطاً 2 میٹر، 16 سینٹی میٹر) اور عرض دو ہاتھ (اوسطاً ایک میٹر، 8 سینٹی میٹر) اور ایک بالشت تھا۔[2]

عاصم بن کلیب اپنے والد اور وہ ان کے ماموں سے روایت کرتے ہیں کہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو میں نے مسلمانوں کو دیکھا کہ وہ سروں پر اونچی ٹوپیاں پہنے اور چادریں اوڑھے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کے ہاتھ چادروں میں چھپے ہوئے ہیں۔[3]

سیدنا ابن عباس ؓ سے مروی ہے: ایک دن رسول اللہ ﷺ سوتی لباس میں ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے ایک عصا تھام رکھا تھا اور اسامہ بن زید پر ٹیک لگائی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے عصا کو سامنے گاڑ دیا، پھر نماز ادا کی۔[4]

رسول اللہ ﷺ یمن کے بنے ہوئے روئی اور کتان کے کپڑے زیب تن فرمایا کرتے تھے۔[5] لباس مبارک میں کبھی کبھی پیوند بھی لگے ہوتے تھے۔[6]

رسول اللہ ﷺ لوگوں کو ذاتی طور پر خود عمل کر کے حسن عمل کا سبق دیتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اپنی پھٹی ہوئی چادر میں بے تکلفی سے چمڑے کے پیوند لگا لیتے تھے۔

شلوار

سوید بن قیس سے مروی ہے کہ میں اور مخرفہ عبدی ہجر سے کپڑا خرید کر مکہ لائے۔ جب ہم منیٰ میں تھے تو رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ نبی کریم ﷺ نے ہم سے شلوار کا سودا کیا۔ ہم نے کہا کہ ہم تو شلوار کے کپڑے کے وزن کے برابر درہم لیں گے۔ ایک شخص جو وزن تولتا تھا، اسے آپ ﷺ نے حکم دیا: «زِنْ وَأَرْجِحْ» ''وزن کرو اور درہم والے پلڑے کو نیچے جھکا دو۔''[7]

1 المعجم الاوسط للطبراني 236/4 ضعيف 2 الزهد لابن المبارك، ص: 264 3 المعجم الكبير للطبراني 276/13.
4 مسند احمد: 281/3، المعجم الاوسط للطبراني: 378/2 5 الزهد لابن المبارك، ص: 64. 6 المصنف لابن أبي شيبة 257/13 7 سنن ابي داود 3336.





فتح مکہ کے دن جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ ﷺ کے سر مبارک پر کالے رنگ کا عمامہ بندھا ہوا تھا۔[1]

عمرو بن حریث اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک روز لوگوں کو خطبہ دیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے سیاہ رنگ کا عمامہ باندھا ہوا تھا۔[2] آپ ﷺ کا ایک جھنڈا تھا۔ اس کا نام عقاب اور رنگ کالا تھا۔[3]

نبی کریم ﷺ کا عمامہ سیاہ رنگ کا تھا اور آپ ﷺ عیدین کے مواقع پر اسے باندھا کرتے تھے۔[4]

زعفران اور ورس سے رنگے ہوئے ملبوسات

سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ کی چادر اور دستار مبارک زعفران کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔[5]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بسا اوقات رسول اللہ ﷺ کے سارے پارچات قمیص، چادر اور تہبند، زعفران یا ورس سے رنگی تھی اور آپ ﷺ انھیں پہن کر باہر تشریف لے جاتے تھے۔[6]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا لحاف ورس اور زعفران کے رنگ سے رنگا ہوا تھا۔ رات کے وقت اس پر پانی کا چھڑکاؤ کر دیا جاتا تھا تاکہ اس کی خوشبو میں اضافہ ہو جائے۔[7]

(ورس: زرد رنگ کی ایک گھاس ہے جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں۔)

پاپوش مبارک اور موزے

سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے بتایا کہ میں نے صوف کا بنا ہوا ایک جبہ اور دو موزے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیے۔ آپ ﷺ نے قبول فرما لیے۔ بعدازاں آپ ﷺ انھیں لگاتار استعمال کرتے رہے یہاں تک کہ وہ پارہ پارہ ہو گئے۔[8]

سیدنا بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کے لیے سیاہ رنگ کے دو سادہ موزے بطور ہدیہ بھجوائے۔ آپ ﷺ نے انھیں پہنا، پھر وضو کیا تو ان پر مسح کیا۔[9]

طبرانی کی روایت میں ہے، ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے اپنے موزے منگوائے تاکہ

1 صحیح مسلم: 1358. 2 صحیح مسلم: 1359. 3 المصنف لابن أبي شيبة: 512/12. 4 الكامل لابن عدي: 100/6. 5 مسند أبي يعلى: 160/12، المستدرك للحاكم: 189/4. 6 الطبقات لابن سعد: 452/1. 7 المعجم الأوسط للطبراني: 209/1. 8 المعجم الكبير للطبراني: 302/4. 9 سنن أبي داود: 155.

پہنیں۔ ابھی ایک ہی موزہ پہنا تھا کہ اسی دوران ایک کوا آیا، اس نے دوسرا موزہ اچک لیا اور آگے جا کر پھینک دیا، اس میں سے ایک سانپ نکلا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"جو شخص اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اس وقت تک موزے نہ پہنے جب تک ان کو جھاڑ نہ لے۔"[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاپوش مبارک کے دو تسمے ہوتے تھے۔[2] سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی محفل میں تشریف فرما ہوتے تو وہ آپ ﷺ کے مقدس پاؤں سے جوتے اتار لیتے اور اپنی آستینوں میں رکھ لیتے۔ جب رسول اللہ ﷺ اٹھتے تو وہ آپ کے پائے مبارک میں جوتے پہناتے اور عصا لے کر آپ ﷺ سے آگے آگے چلتے یہاں تک کہ آپ ﷺ اپنے حجرے میں تشریف لے جاتے۔[3]

ابن عون رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ کے ایک موچی کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میرا جوتا بنا دو۔ وہ بولا: اگر تمھاری مرضی ہو تو میں تمھیں تمھاری پسند کا جوتا تیار کر کے دے دوں اور اگر تم چاہو تو میں تمھارے لیے ایسے جوتے تیار کروں جیسے میں نے رسول اللہ ﷺ کے پائے مبارک میں دیکھے ہیں۔ میں نے پوچھا: تم نے رسول اللہ ﷺ کے جوتے کہاں دیکھے؟ اس نے کہا: فاطمہ کے گھر میں۔ میں نے کہا: کون سی فاطمہ؟ وہ بولا: فاطمہ بنت عبیداللہ بن عباس۔ میں نے کہا: تم نے جیسے جوتے رسول اللہ ﷺ کے دیکھے ہیں، ویسے ہی جوتے میرے لیے بھی بنا دو۔ چنانچہ اس نے جوتا بنایا اور اس میں دو تسمے رکھے۔[4]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے اپنے آقائے نامدار ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ سبتیہ جوتے پہنتے تھے یعنی وہ ایسے چمڑے سے بنے ہوئے جوتے جس پر بال نہیں ہوتے اور آپ ﷺ انھی جوتے پہنے پہنے وضو فرماتے۔[5]

رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ جب پاپوش مبارک پہنتے تو پہلے دایاں جوتا پہنتے اور جب اتارتے تو پہلے بایاں جوتا اتارتے۔[6]

رسول اللہ ﷺ کبھی کھڑے ہو کر جوتا پہنتے اور کبھی بیٹھ کر پہنتے تھے۔[7]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاپوش بردار ہونے کا شرف حاصل تھا۔ وہ آپ ﷺ کے کوزہ بردار بھی

1 المعجم الكبير للطبراني: 148/7. 2 سنن النسائي: 5369. 3 إتحاف الخيرة المهرة: 5557، المطالب العالية: 2340. 4 الإصابة [illegible]: 2280. 5 صحيح البخاري: 166. 6 مسند أبي يعلى: 103/3. 7 شعب الإيمان للبيهقي: [illegible] 6241

تھے۔[1] ہر چند سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ آپ ﷺ کے نقش بردار کے لقب سے ملقب تھے۔ تاہم یہ بھی ممکن ہے کہ گاہے گاہے دونوں حضرات کو رسول اللہ ﷺ کی پاپوش برداری کا شرف نصیب ہوا ہو۔

انگشتری مبارک



امام بخاری ؒ کی روایت میں ہے، سیدنا انس ؓ فرماتے ہیں: رسالت مآب ﷺ نے جب قیصر و کسریٰ اور دیگر سلاطین عالم کو دعوت نامے بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ جب تک کسی خط پر مہر ثبت نہ ہو، اس وقت تک سلاطین کوئی خط وصول نہیں کرتے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک انگشتری بنوائی جس پر یہ حروف مبارک نقش تھے

اللہ
رسول
محمد

سیدنا انس ؓ کہتے ہیں کہ اس وقت بھی جبکہ میں اس مبارک انگشتری کا تذکرہ کر رہا ہوں، مجھے آپ کے دست مبارک میں اس انگشتری کی چمک دمک صاف نظر آرہی ہے۔[2]

سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ روایت کرتے ہیں کہ پہلے رسول اللہ ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی، اس کے نگینے کو اپنی ہتھیلی کی طرف کیا اور اُسے صرف تین دن تک پہنا۔ لوگوں نے بھی نبی ﷺ کی اقتدا کرتے ہوئے سونے کی انگوٹھیاں بنوائیں۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے انگلی سے وہ انگوٹھی نکالی اور پھینک دی۔ پھر فرمایا: ''واللہ! میں اسے ہرگز نہیں پہنوں گا۔'' جب رسول اللہ ﷺ نے انگوٹھی اتار پھینکی تو سب نے بھی رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کی اور اپنی انگلیوں میں پہنی ہوئی انگوٹھیاں اتار پھینکیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے چاندی کی انگشتری بنوائی اور حکم دیا کہ اس پر ''محمد رسول اللہ'' کے حروف کندہ کیے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے آخری دن تک یہی انگوٹھی پہنی۔ پھر صدیق اکبر ؓ نے آخر دم تک یہی انگوٹھی پہنی۔ سیدنا فاروق اعظم ؓ نے بھی یہی انگوٹھی پہنی۔ پھر یہ انگوٹھی سیدنا عثمان ؓ کو نصیب ہوئی۔ جب خط و کتابت کا سلسلہ دراز ہوا اور ہر خط پر مہر

[1] الطبقات لابن سعد 482/1. [2] صحیح بخاری: 65، صحیح مسلم: 2092.

لگانا خلیفہ وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے مشکل ہو گیا تو آپ نے یہ انگوٹھی ایک انصاری کے سپرد کر دی اور اسے حکم دیا کہ جتنے خطوط لکھے جائیں، ان پر یہ مہر لگا دیا کرو۔ ایک روز وہ انصاری ایک کنویں پر گئے، یہ کنواں سیدنا عثمان کی ملکیت تھا۔ افسوس! وہ انگوٹھی اس کنویں میں گر گئی۔ اس کا نام بئر اریس تھا۔ بہت ڈھونڈا گیا، سارا پانی نکلوایا گیا، ساری مٹی نکلوائی گئی۔ اور انگوٹھی خوب ڈھونڈی گئی لیکن وہ نہیں ملی۔ چنانچہ سیدنا عثمان نے اس جیسی ایک اور انگوٹھی بنانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس پر بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے حروف کندہ کیے جائیں۔[1]



بئر اریس پر جدید عمارت (مدینہ منورہ)

آپ ﷺ جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تو انگشتری اتار کر باہر رکھ دیتے۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو بھی چاندی کی انگوٹھی بنوانے کی اجازت دے دی لیکن نگینہ پر ''محمد رسول اللہ'' کندہ کرانے کی ممانعت فرما دی۔ فرمایا:

لَا يَنْقُشُ أَحَدٌ عَلَى نَقْشِ خَاتَمِي هٰذَا

''میری انگوٹھی کے نقش کی طرح کوئی نقش نہ بنوائے۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی بنی ہوئی تھی اور اس کا نگینہ ایسے پتھر کا تھا جو حبشہ میں پیدا ہوتا ہے۔[2]

علمائے کرام نے صراحت کی ہے کہ اگر انگوٹھی چاندی کی بنی ہوئی ہو تو اس کا زیادہ سے زیادہ وزن ایک مثقال ہونا چاہیے۔ اگر اس انگوٹھی کا وزن ایک مثقال (4.25 گرام) سے زیادہ ہوگا تو اس کا پہننا جائز نہ ہوگا۔

1 صحیح البخاری: 5866، صحیح مسلم: 2091، المعجم الکبیر للطبرانی: 11/237 2 سنن [illegible]
[illegible]

خوشبو اور اس کا استعمال

رسول اللہ ﷺ طہارت و نظافت اور خوشبو کو بے حد پسند فرماتے تھے۔ چونکہ آپ کا تعلق انسانوں اور فرشتوں سے تھا، اس لیے آپ دونوں قسم کے مہمانوں کا خیال کرتے ہوئے ظاہری اور باطنی صفائی کا خاص اہتمام فرماتے۔ اور طبعِ نفیس کو مزید مزین کرنے کے لیے خوشبو استعمال کرتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خوشبو کا تحفہ قبول کرتے تھے۔[1]

آپ حج اور عمرے کے لیے سفر شروع کرنے سے پہلے بھی خوشبو لگایا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں سے آپ کے لیے خوشبو تیار کرتی اور آپ کے جسم مبارک پر لگاتی تھیں۔ جب آپ حج و عمرے سے فارغ ہوتے تو آپ ﷺ کو پھر خوشبو لگا دی جاتی تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَيَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ ثُمَّ يُصْبِحُ مُحْرِمًا يَنْضَخُ طِيبًا

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو خوشبو لگائی۔ پھر آپ اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس گئے اور صبح کو احرام اس حالت میں باندھا کہ آپ ﷺ کا جسم مبارک خوشبو سے مہک رہا تھا۔"[2]

مزید فرماتی ہیں:

كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لِإِحْرَامِهِ حِينَ يُحْرِمُ وَلِحِلِّهِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ

"میں رسول اللہ ﷺ کو احرام باندھتے وقت اور طوافِ زیارت سے پہلے احرام کھولتے وقت خوشبو لگا دیتی تھی۔"[3]

یہ خوشبو آپ ﷺ کے سر اور داڑھی پر لگائی جاتی تھی جس کی چمک اور مہک تادیر باقی رہتی تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كُنْتُ أُطَيِّبُ النَّبِيَّ ﷺ بِأَطْيَبِ مَا يَجِدُ حَتَّى أَجِدَ وَبِيصَ الطِّيبِ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ

"میں رسول اللہ ﷺ کو سب سے عمدہ خوشبو لگایا کرتی تھی یہاں تک کہ خوشبو کی چمک آپ کی داڑھی اور سر میں دیکھتی تھی۔"[4]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر یہ بات بہت گراں گزرتی تھی کہ جب آپ ﷺ

[1] صحیح البخاری: 5929، [2] صحیح البخاری: 267، [3] صحیح البخاری: 1539، [4] صحیح البخاری: 5923

اپنے صحابہ کرام کے پاس تشریف لے جائیں تو انہیں اس سے بو آئے۔

اسی طرح آپ ﷺ رات کے آخری حصے میں خوشبو استعمال فرمایا کرتے تھے۔[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کے وقت بیدار ہوتے تو استنجا کرتے، وضو فرماتے اور اپنی ازواج مطہرات میں سے جس کے ہاں خوشبو ہوتی، وہ منگواتے اور استعمال فرماتے۔[2]

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''چار چیزیں انبیائے کرام کی سنتوں میں سے ہیں: شرم و حیا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا اور نکاح کرنا۔''[3]

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

خَمْسٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ: الْحَيَاءُ، وَالْحِلْمُ، وَالْحِجَامَةُ، وَالسِّوَاكُ، وَالتَّعَطُّرُ

''پانچ چیزیں اللہ کے رسولوں کے معمولات میں سے ہیں: حیا، حلم، حجامہ، خوشبو کا استعمال اور مسواک۔''[4]

اگر خوشبو بطور ہدیہ خدمت اقدس میں پیش کی جاتی تو آپ ﷺ اسے مسترد نہیں کرتے تھے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خوشبو کا تحفہ کبھی مسترد نہیں کرتے تھے بلکہ ضرور قبول فرما لیتے تھے۔[5]

ایک روایت میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ عُرِضَ عَلَيْهِ طِيبٌ فَرَدَّهُ قَطُّ

''میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خوشبو پیش کی گئی ہو اور آپ ﷺ نے اسے مسترد کر دیا ہو۔''[6]

رسول اللہ ﷺ کی تین محبوب چیزیں

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا النِّسَاءُ وَالطِّيبُ، وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ

''مجھے دنیا میں سے تین چیزیں محبوب ہیں: عورتیں، خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔''[7]

1 أخلاق النبي لأبي الشيخ الأصبهاني، ص: 102. 2 مسند البزار: 326/13. 3 جامع الترمذي: 1080. 4 المعجم الكبير للطبراني: 155/16. 5 صحيح البخاري: 5929. 6 مسند أحمد: 355/3. 7 سنن النسائي: 3391.



مشک نافہ (کستوری)



خوشبودار عنبر کا ٹکڑا

رسول اللہ ﷺ کی پسندیدہ خوشبوئیں

بعض خوشبوئیں ایسی تھیں جو رسول اللہ ﷺ کو بہت پسند تھیں۔ محمد بن علی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ خوشبو استعمال کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، آپ ﷺ مردوں والی خوشبوئیں لگایا کرتے تھے: کستوری اور عنبر۔[1]

کستوری عمدہ ترین خوشبو ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ''اطیب الطیب'' سب سے اعلیٰ خوشبو قرار دیا ہے۔[2] آپ ﷺ کے جسم مبارک پر آپ کی زوجہ محترمہ یہی خوشبو لگاتی تھیں۔[3]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک سب سے پسندیدہ خوشبو کستوری تھی۔ آپ ﷺ حنا کی کلیوں کو بھی بہت پسند فرماتے تھے۔[4]

- آپ ﷺ خوشبودار پھول بھی پسند فرماتے تھے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''من عرض عليه ريحان فلا يرده فإنه خفيف المحمل طيب الريح''

''جسے پھول گلاب پیش کیا جائے تو وہ اسے رد نہ کرے کیونکہ اسے لینا آسان اور اس کی خوشبو بہترین ہے۔''[5]

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے دونوں مبارک ہاتھوں میں گلاب کے پھول تھے، وہ پھول آپ ﷺ میرے پاس لے آئے۔ جب میں نے ان پھولوں کو سونگھنے کے لیے اپنی ناک کے قریب کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ آس (ولایتی حنا) کے بعد جنت کے پھولوں کا سردار ہے۔''[6]

رسول اللہ ﷺ مخصوص لکڑی کے ذریعے دھونی دار خوشبو بھی استعمال کرتے تھے۔[7]

خضاب

سیدنا ابو رمثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مہندی اور کتم (بوٹی) کو ملا کر بالوں میں لگایا کرتے تھے۔[8]

1 سنن النسائي: 5119. 2 صحيح البخاري: 5918. 3 صحيح مسلم: 1191. 4 زاد المعاد 1/ 17. 5 صحيح مسلم: 2252. 6 تفسير [illegible]: 1087. 7 صحيح [illegible] 2/ 294. 8 مسند أحمد 4/ 223-227.

عثمان بن عبداللہ بن موہب فرماتے ہیں کہ میرے اہل خانہ نے ایک پیالے میں پانی ڈال کر مجھے ام المومنین ام سلمہ ؓ کی خدمت میں بھیجا۔ سیدہ چاندی کا ایک چھوٹا سا برتن لے آئیں جس میں اللہ کے پیارے رسول ﷺ کے چند موئے مبارک تھے۔ جب کسی شخص کو نظر بد لگتی یا اور کوئی عارضہ پیش آتا تو ام سلمہ ؓ کی خدمت میں ایک برتن بھیجا جاتا۔ وہ اس موئے مبارک کو پانی میں ڈالتیں اور یہ پانی بیمار کو پلا دیا جاتا تھا۔ میں نے اس برتن میں جھانکا تو اس میں کئی بال نظر آئے جن کی رنگت سرخ تھی۔[1]

سیدنا عبداللہ بن زید انصاری ؓ کہتے ہیں کہ میں اور ایک قریشی شخص منحر (جہاں قربانی کے جانور ذبح کیے جاتے ہیں) کے پاس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ قربانی کے جانوروں کا گوشت تقسیم فرما رہے تھے۔ لیکن مجھے اور میرے قریشی ساتھی کو کچھ نہ ملا۔ اسی اثنا میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر مبارک کے بال منڈائے اور سارے موئے مبارک اس قریشی کے کپڑے میں ڈال دیے۔ اس نے ان مبارک بالوں کو چند لوگوں میں تقسیم کیا۔ آپ نے ناخن تراشے تو وہ بھی اسی قریشی کو دے دیے۔ وہ مبارک بال ہمارے پاس موجود ہیں۔ انھیں حنا اور کتم سے رنگا گیا تھا۔[2]

ابن سیرین ؒ سے روایت ہے کہ ہم نے سیدنا انس ؓ سے پوچھا: کیا اللہ کے رسول ﷺ خضاب استعمال فرماتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں! رسول اللہ ﷺ حنا اور کتم کا خضاب استعمال فرمایا کرتے تھے اور آپ ﷺ کے گنتی کے چند بال ہی سفید ہوئے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر و عمر ؓ نے بھی حنا اور کتم سے بنا ہوا خضاب استعمال فرمایا۔[3]

عبداللہ بن ہمام ؒ نے سیدنا ابو درداء ؓ سے پوچھا: نبی کریم ﷺ کس چیز کا خضاب لگایا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے بال اس حد تک سفید ہی نہیں ہوئے تھے کہ خضاب کی ضرورت پیش آتی، آپ ﷺ کے صرف چند بال سفید تھے جنھیں آپ ﷺ مہندی اور بیری کے پتوں سے دھوتے تھے۔[4]

رسول اللہ ﷺ کا سامان: تیل، کنگھی، سرمہ اور آئینہ

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ سفر و حضر میں ان پانچ چیزوں کو نظر انداز نہیں فرماتے تھے: آئینہ، سرمہ دانی، کنگھی، تیل اور مسواک۔[5]

1 صحیح البخاری: 5896. 2 مسند احمد: 4/42. 3 صحیح مسلم: 2341. 4 کشف الاستار، حدیث: 5621

5 المعجم الاوسط للطبرانی: [illegible]، و طبقات ابن سعد: 484/1

ایک اور روایت میں سیدہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ سفر کا ارادہ فرماتے تو میں یہ چیزیں تیار کرکے آپ ﷺ کے سامان میں رکھوا دیتی تھی: خوشبو دار تیل، کنگھی، آئینہ، قینچی، سرمہ دانی اور مسواک۔[1]

اسی طرح ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ رحمت عالم ﷺ جب آئینہ دیکھتے تو بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے:

[illegible]

''اے اللہ! جس طرح تو نے میری ظاہری صورت کو حسین بنایا ہے، اسی طرح میرے اخلاق کو بھی حسین بنا دے۔''[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہ روایت مروی ہے مگر ضعیف ہے، البتہ آئینہ دیکھے بغیر اس دعا کا پڑھنا ثابت ہے۔[3]

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے حجرے میں سوراخ سے جھانک کر دیکھا۔ اس وقت آپ ﷺ کے دست مبارک میں کنگھی تھی جس سے آپ ﷺ اپنے سر مبارک کو کھجا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا:

[illegible]

''اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ تم دیکھ رہے ہو تو میں یہی کنگھی تمھاری آنکھوں پر دے مارتا۔ گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرنے کا حکم اسی لیے دیا گیا ہے کہ اندر کی کوئی چیز نہ دیکھی جائے۔''[4]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کالا سرمہ تھا۔ جب آپ ﷺ اپنے بستر پر آرام فرماتے تو دونوں آنکھوں میں تین تین سلائیاں لگاتے تھے۔[5]

حجامت کرانا

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا کہ حجام آپ کے سر کے بال مونڈ رہا تھا اور صحابہ کرام آپ ﷺ کے ارد گرد حلقہ باندھے کھڑے تھے تاکہ آپ ﷺ کا کوئی موئے مبارک زمین پر نہ گرنے

1 أخلاق النبي لأبي الشيخ الأصبهاني، ص: 183۔ 2 أخلاق النبي لأبي الشيخ الأصبهاني، ص: [illegible]۔ 3 [illegible] ابن حبان: 1/239، إرواء الغليل: 1/113، 114۔ 4 صحيح البخاري: 6241، صحيح مسلم: 2156۔ 5 أخلاق النبي لأبي الشيخ الأصبهاني، ص: 182

پڑے جلد وہ آپ ﷺ کے تراشے ہوئے سارے بال اپنے ہاتھوں میں محفوظ کرلیں۔[1]

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ زاد المعاد میں نبی کریم ﷺ کی سنت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ یا تو آپ ﷺ سارا سر منڈایا کرتے تھے یا سر کے سارے بال سلامت رکھتے تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ سر کے بعض بالوں کو تو آپ ﷺ نے مونڈا ہو اور بعض بالوں کو چھوڑ دیا ہو۔ اور آپ ﷺ نے صرف عمرہ اور حج ہی کے موقع پر سر مبارک کے بال منڈوائے، ان مواقع کے علاوہ سر کے بال منڈانا رسول اللہ ﷺ کا معمول نہ تھا۔[2]

جن حجاموں کو رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک مونڈنے کی سعادت نصیب ہوئی ان کے اسما کتب احادیث و سیرت میں محفوظ ہیں۔ غزوۂ حدیبیہ اور عمرۃ القضاء کے موقع پر خراش بن امیہ نے اور غزوۂ جعرانہ کے موقع پر ابوالہند الحجام نے آپ ﷺ کا سر مبارک مونڈا۔ یہ بنو بیاضہ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر معمر بن عبداللہ بن نضلہ نے رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک مونڈنے کی سعادت حاصل کی۔[3]

حدیبیہ کی قدیم اور جدید مساجد



مسجد جعرانہ نزد مکہ مکرمہ



امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر منڈایا اور دائیں حصے کے بال سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائے۔ اور جب بائیں جانب کے موئے مبارک مونڈے گئے تو وہ بھی سیدنا ابوطلحہ ہی کو عطا فرما دیے۔ اور انھیں حکم دیا:

"ان لوگوں میں تقسیم کر دو۔"[4]

امام احمد اور طبرانی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب منیٰ کے میدان میں قربانی کے جانور ذبح کیے تو معمر کو حکم دیا کہ میرے بال مونڈو۔ معمر کہتے ہیں کہ میں استرا لے کر رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کے قریب کھڑا

1 صحیح بخاری، حدیث: 2326. 2 زاد المعاد 1/167. 3 سبل الہدیٰ والرشاد 7/349-350. 4 صحیح مسلم، 1305.

ہو گیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے اپنی چشم مبارک سے میرے چہرے کی طرف دیکھا اور فرمایا: "اے معمر! تجھے میں نے اس حال میں اپنے سر کے قریب کھڑا ہونے کی اجازت دی ہے کہ تیرے ہاتھ میں استرا موجود ہے۔" میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بہت بڑا انعام ہے۔ اب آپ ﷺ بتائیں کہ میں کتنی مہارت سے موئے مبارک مونڈتا ہوں۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک مونڈنے کا شرف حاصل کیا۔

رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن ناخن اور مونچھوں کے بال کاٹنا مستحب قرار دیتے تھے۔[1] آپ ﷺ ہر کام ہمیشہ دائیں جانب سے شروع فرماتے تھے، ناخن کاٹتے ہوئے بھی آپ اس بات کا خیال رکھتے تھے۔

گھریلو سامان

امام بخاری سیدنا انس ؓ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں ایک روز بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ ایک چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ یہ چارپائی کھردرے بان سے بنی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ کے سر مبارک کے نیچے چمڑے کا تکیہ تھا جو کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کے جسم اطہر اور چارپائی کے بیچ ایک کپڑا بچھا ہوا تھا۔[2]

سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے کاشانہ اقدس میں ایک چارپائی تھی جو کھجور کے پتوں سے بنی گئی تھی۔ اس پر ایک سیاہ رنگ کی چادر بچھی ہوئی تھی۔[3]

عمر بن عبدالعزیز ؒ سے مروی ہے کہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کے تبرکات میں سے ایک چارپائی، ایک عصا، ایک پیالہ، کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا ایک تکیہ، ایک چادر اور ایک جاء تھا۔ جب قریش کے لوگ عمر بن عبدالعزیز ؒ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوتے تو آپ انھیں ان چیزوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے:

هذا ميراث من أكرمكم الله به وأعزكم

"یہ اس عظیم المرتبت ہستی کی میراث ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں عزت و احترام سے سرفراز فرمایا ہے۔"[4]

سیدنا ابو رفاعہ العدوی ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک کرسی پیش کی گئی۔ میرا خیال ہے کہ اس کے پائے لوہے کے تھے۔ امام احمد کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ پائے لکڑی کے تھے لیکن ان پر سیاہ رنگ کر دیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ لوہے کے محسوس ہوتے۔ آپ ﷺ اس پر بیٹھ گئے اور مجھے وہ علم سکھانا شروع کیا

1 السنن الکبریٰ للبیہقی 3/244۔ 2 الادب المفرد 1/398۔ 3 صحیح ابن حبان 2/479۔ 4 طبقات ابن سعد 1/326.

جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو عطا فرمایا۔[1]

علامہ بلاذری سیدہ عائشہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ قریش مکہ سونے کے لیے چارپائیاں استعمال کرتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو سیدنا ابو ایوب انصاری ؓ کے ہاں اقامت گزیں ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''اے ابو ایوب! کیا تمھارے ہاں چارپائی نہیں ہے؟'' عرض کی: واللہ! ہمارے ہاں کوئی چارپائی نہیں۔ یہ بات اسعد بن زرارہ نے سنی تو رسالت مآب ﷺ کے لیے ایک چارپائی بھیج دی جس کے بازو اور پائے ساگوان کی لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اس پر استراحت فرمایا کرتے تھے اور جب آپ ﷺ کی نماز جنازہ ادا کی گئی تو اس وقت بھی آپ ﷺ کا جسد اطہر اسی چارپائی پر تھا۔ اس کے بعد صحابہ کرام ؓ اپنے مردوں کو اسی چارپائی پر اٹھا کر تدفین کے لیے لے جاتے تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم ؓ کو بھی اسی چارپائی پر لے جایا گیا تاکہ اس چارپائی کی برکت سے میت بھی فیض یاب ہو۔[2] اسی چارپائی پر امام یحییٰ بن معین ؒ کو اٹھایا گیا۔

تبرکات

رسول اللہ ﷺ کا سارا گھریلو سامان عمر بن عبدالعزیز ؒ کی نگرانی میں تھا۔ انھوں نے یہ سامان ایک کمرے میں محفوظ رکھا ہوا تھا۔ روزانہ اس کی زیارت کرتے تھے اور جب بیرونی وفود ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ انھیں اس کمرے میں لے جاتے تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے تبرکات دیکھیں۔ آپ ان لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتے تھے:

هذا ميراث من أكرمكم الله تعالى و أعزكم به

''یہ اس عظیم و جلیل ہستی کی میراث ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو مکرم بنا دیا اور عزت و ناموری کی مسند پر فائز کیا۔''

اس میراث میں یہ چیزیں تھیں: چارپائی جو کھردرے پٹے سے بنی ہوئی تھی، چمڑے کی گدی جو کھجور کے پتوں سے بھری ہوئی تھی۔ ایک بڑا پیالہ، ایک گلاس، چکی، ترکش جس میں تیر تھے۔ اور ان چیزوں کا ایک کپڑا یہ صوف کا ٹکڑا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک سے جو پسینہ بہتا تھا، کپڑے پر اس کے نشانات چمک رہے تھے۔ ایک آدمی بیمار ہو گیا، اس کے لواحقین نے خلیفہ سے درخواست کی کہ اس مبارک پسینہ کو دھو کر دے دیں تاکہ مریض کی ناک میں ٹپکایا جائے۔ عمر بن عبدالعزیز ؒ نے اجازت دے دی، اس دھوون کو مریض کی ناک میں ٹپکایا گیا تو وہ شفایاب ہو گیا۔[3]

[1] صحیح مسلم: 1876، ...: 464/5 [2] أنساب الأشراف 228/1، 229 [3] أخلاق النبي لأبي الشيخ الأصبهاني، ص 175

رسول اللہ ﷺ کے استعمال میں رہنے والی چارپائی کو عبداللہ بن اسحاق اسجانی نے چار ہزار درہم قیمت ادا کر کے خرید اتھا۔[1]

چٹائی، بستر، لحاف، تکیہ اور رومال

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ایک چٹائی تھی جو رات کو لپیٹ دی جاتی تھی۔ اس پر آپ ﷺ نماز ادا کرتے۔ دن کے وقت یہی چٹائی آپ ﷺ کے لیے بچھا دی جاتی تھی۔ اس پر آپ بیٹھتے تھے۔[2]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ جس بستر پر استراحت فرمایا کرتے تھے، وہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کا تکیہ بھی چمڑے کا اور کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا تھا۔[3]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کجاوہ جس پر رسول اللہ ﷺ نے حج ادا کیا، پرانا تھا۔ وہ ایسی لکڑی کا بنا ہوا تھا جس کی قیمت چار درہم بھی نہ تھی۔ آپ ﷺ جب اس پر سوار ہوئے تو بارگاہ رب العزت میں التجا کی:

[illegible]

”اے اللہ! اس کو ایسا حج بنا دے جس میں کوئی ریا اور شہرت طلبی نہ ہو (یہ محض تیری رضا کے لیے ہو)۔“[4]

رسول اللہ ﷺ چمڑے کی بنی ہوئی ایک چادر پر آرام فرما ہوئے۔ آپ ﷺ کو پسینہ آ گیا۔ یہ دیکھ کر ام سلیم اٹھ کھڑی ہوئیں اور آپ کا پسینہ مبارک ایک شیشی میں جمع کرنے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایسا کرتے دیکھا تو دریافت فرمایا:

[illegible]

”ام سلیم! یہ کیا کر رہی ہو؟“

انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کا مبارک پسینہ اپنی خوشبو کی شیشی میں ڈالوں گی۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا کا یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ بے ساختہ ہنس پڑے۔[5]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تکیہ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ جب سلمان آئے تو فاروق اعظم نے وہ تکیہ ان کی طرف پیش کر دیا۔ یہ دیکھ کر سلمان کی زبان سے بے ساختہ نکلا: [illegible] ”اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ اور

[1] سنن البیہقی، [illegible]: 355/7۔ [2] صحیح البخاری: 5861۔ [3] صحیح مسلم: 2082، سنن ابی داود: 4147
[4] سنن ابن ماجہ: 2890۔ [5] صحیح مسلم: 2331، سنن النسائی: 5373

اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے۔'' سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمائش کی کہ جو حدیث تمھیں یاد آئی ہے، وہ ہمیں بھی سنا دو۔ انھوں نے عرض کی: ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تکیہ اٹھایا اور مجھے عطا کر دیا، پھر فرمایا:

يا سلمان! ما من مسلم يدخل على أخيه المسلم فيلقي له وسادة إكراما له إلا غفر الله له

''اے سلمان! جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے پاس جاتا ہے اور وہ اس کی تکریم کے لیے اسے اپنا تکیہ پیش کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔''[1]

ایک روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو سب سے زیادہ ملائم بستر بچھایا، وہ کون سا تھا؟ سیدہ نے عرض کی کہ ہمارے پاس ایک چادر تھی جو ہمیں خیبر کے اموال غنیمت سے ملی تھی۔ میں ہر شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر وہ چادر بچھا دیتی تھی اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے تھے۔ ایک رات میں نے اس کو دہرا کر کے بچھا دیا، جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا: ''آج میری چارپائی پر تم نے کیسا بستر بچھایا تھا؟'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! بستر تو وہی تھا جو میں ہر شب بچھاتی ہوں، ہاں آج میں نے صرف یہ کیا کہ اس چادر کو دوہرا کر کے بچھایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس طرح تم پہلے یہ چادر بچھایا کرتی تھی، اسی طرح بچھایا کرو، یہ دوہری چادر میری شب بیداری میں مخل ہوئی ہے۔'' یہ سن کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے۔[2]

امام ترمذی نے درج بالا واقعے کو اس طرح بیان کیا ہے: جعفر بن محمد نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ میں نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر کس طرح کا ہوتا تھا؟ فرمایا: چمڑا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوتے تھے۔ پھر میں نے ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: آپ کے گھر میں جس بستر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے تھے، وہ کیسا تھا؟ انھوں نے کہا: بالوں سے بنی ہوئی ایک چادر تھی جسے میں دوہرا کر کے بچھا دیتی تھی، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو جاتے تھے۔ ایک رات خیال آیا کہ اگر میں اس کو چوہرا کروں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید آرام ملے گا۔ میں نے اسے چوہرا کر کے بچھایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح بیدار ہوئے تو دریافت فرمایا: ''آج رات کون سا بستر بچھایا تھا؟'' میں نے عرض کی: وہی آپ کا پہلا بستر جو روزانہ بچھاتی ہوں، البتہ میں نے آج اس کو چوہرا کر دیا تھا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ آرام ملے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے پہلے کی طرح

1 [illegible] 3/ 604، 5423. 2 أخلاق النبي لأبي الشيخ الأصبهاني، ص: 169

دوہرا کردو، آج یہ بستر میری شب بیداری میں مخل ہوا۔‘‘[1]

تصویروں والا پردہ لٹکانے پر اظہار برہمی

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سفر سے واپس تشریف لائے۔ اس وقت میں نے اپنے دروازے پر ایک پردہ لٹکایا ہوا تھا۔ اس میں پروں والے گھوڑوں کی تصویریں تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور اس پردے کو دیکھا تو آپ ﷺ کے رخِ انور پر ناگواری کے آثار عیاں ہوگئے۔ آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے پردہ کھینچا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ ارشاد فرمایا:

[illegible]

’’اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھروں اور کیچڑ کو لباس پہنائیں۔‘‘

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے وہ پردہ کاٹ کر اس کے دو تکیے بنا لیے اور ان میں کھجور کے پتے بھر دیے۔ اس بات پر آپ ﷺ نے کوئی ناپسندیدگی ظاہر نہیں فرمائی۔[2]

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب سفر پر تشریف لے جاتے تو سب سے ملاقات کرتے اور سب سے آخر میں اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے ملاقات فرما کر رخصت ہوتے۔ پھر جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے دیدار کا شرف بخشتے۔

رسول اللہ ﷺ ایک غزوے سے واپس آئے۔ حسبِ معمول اپنی صاحبزادی کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ ان کے دروازے پر ایک اونی پردہ لٹکا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اسی وقت واپس تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کے چلے جانے پر سیدہ بے حد رنجیدہ ہوئیں۔ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب اپنی رفیقۂ حیات کو اس طرح افسردہ دیکھا تو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر ان کی کیفیت بیان کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ’’بھلا میرا دنیا سے کیا تعلق؟‘‘ پس سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ کے پاس گئے اور آپ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا تھا، وہ سنایا۔ انھوں نے سیدنا علی سے کہا: آپ رسول اللہ ﷺ تک میری گزارش پہنچا دیجیے کہ آپ جو حکم دیں گے، میں اس کی تعمیل کروں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اسے کہو کہ یہ پردہ فلاں گھر والوں کو بھیج دے۔‘‘

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ وہ پردہ کیسا تھا؟ فرمایا: وہ ایک عربی پردہ تھا جس کی قیمت چار درہم تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اتنی بے مایہ چیز کو بھی اپنی نورِ نظر کے گھر دیکھنا گوارا نہ کیا۔[3]

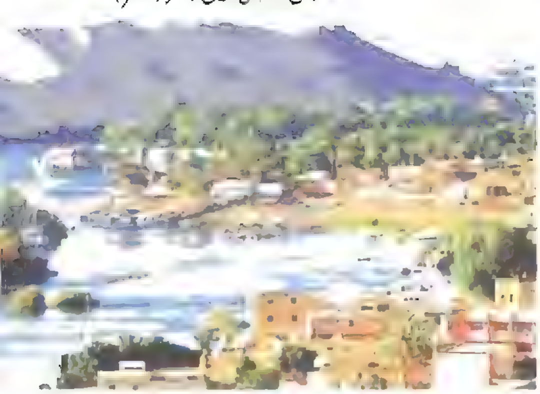
1 الشمائل للترمذي: 329. 2 صحيح مسلم: 2107. 3 سنن أبي داود: 4149، ومسند أحمد 275/5

رسول اللہ ﷺ کے برتن

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری دن تھے۔ میں ایک روز آپ ﷺ کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھی تھی۔ اسی دوران آپ ﷺ نے ایک طشت منگوایا، پھر اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک رفیق اعلیٰ سے جا ملی۔[1] رسول اللہ ﷺ کے کاشانہ اقدس میں ایک پیالہ تھا جسے ریان کہا جاتا، دوسرے پیالے کو مغیث کہا جاتا تھا، ایک اور پیالہ بھی تھا جس پر چاندی کی زنجیر چڑھی ہوئی تھی، یہ زنجیر سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے چڑھائی تھی۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا ایک بڑا پیالہ بھی تھا جس کے چار کنڈے تھے، اس کا نام غراء تھا۔ اس کو چار آدمی اٹھاتے تھے۔[3] ایک پتھر کا ڈول تھا جسے مخضب کہا جاتا تھا۔ اور ایک چمڑے کا چھاگل تھا جسے سادرہ کہا جاتا تھا۔ اور ایک شیشے کا پیالہ تھا۔

اسوان ڈیم اور جھیل ناصر (مصر)



سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شیشے کا پیالہ تھا جو مصر کے بادشاہ مقوقس نے بطور ہدیہ خدمت اقدس میں بھیجا تھا۔ آپ ﷺ اس میں پانی وغیرہ پیا کرتے تھے۔ ایک اور پیالہ تھا جو مٹی کا تھا۔ ایک چوکور برتن تھا جس میں شیشہ اور کنگھی رکھی رہتی تھی۔ آپ ﷺ کی ایک ہاتھی دانت کی کنگھی بھی تھی۔ ایک سرمہ دانی تھی، ایک قینچی، ایک مسواک۔ اس کے علاوہ تولنے کے لیے صاع اور مد کا پیمانہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا سامان حرب وضرب

نبی کریم ﷺ کے پاس چھ کمانیں تھیں، ان کے نام درج ذیل ہیں:

1 الروحاء، 2 شوحط 3 الصفراء، (یہ احد کی جنگ میں ٹوٹ گئی تھی، نبع کی لکڑی کی بنی ہوئی تھی اور سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے لے لی تھی) 4 السداد 5 الزوراء، 6 الکتوم (اس کی آواز بہت مدھم تھی)۔[4]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک میں عربی کمان تھی۔ آپ ﷺ نے ایک آدمی

1 صحیح البخاری: 4449. 2 سبل الہدیٰ والرشاد: 361/7. 3 سنن ابی داود: 3773. 4 سبل الہدیٰ والرشاد: 362/7.

کو دیکھا جس کے ہاتھ میں فارسی کمان تھی۔ آپ ﷺ نے اُس شخص سے فرمایا: "یہ تم نے کیا بات اٹھا رکھا ہے؟" پھر اپنی قوس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "اس قسم کی کمانیں اور نیزے استعمال کرو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمھارے ذریعے سے دین کی تائید فرمائے گا اور تمھیں ان ملکوں کا مالک بنا دے گا۔"[1]

رسول اللہ ﷺ دوران جنگ خطبہ ارشاد فرماتے تو اپنی کمان پر ٹیک لگا لیا کرتے تھے۔[2]

امام ابن ابی شیبہ نے رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کیا ہے، وہ بتاتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ایک غزوے میں شریک ہوئے۔ اس وقت ہمیں فاقہ کشی کی نوبت آگئی۔ ہم نے دشمن کی بکریاں پکڑ لیں اور غنیمت کی تقسیم سے پہلے ہی ان کو ذبح کر ڈالا۔ ان کا گوشت تیار کیا، ہانڈیوں میں ڈالا اور چولہوں پر چڑھا دیے۔ اچانک ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کمان پر ٹیک لگا کر چل رہے ہیں اور ہماری طرف تشریف لا رہے ہیں۔ ہانڈیاں چولہوں پر ابل رہی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو اپنی کمان سے اوندھا کر کے زمین پر دے مارا اور ارشاد فرمایا:

"لوٹی ہوئی چیز اسی طرح حرام ہے جس طرح مردہ حرام ہے۔"[3]

تلواریں

رسول اللہ ﷺ کی تلواروں کے دستوں اور کچھوں پر چاندی کے جڑاؤ کا کام کیا گیا تھا۔ فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ کے پاس جو تلوار تھی، اس پر سونے اور چاندی کا کام کیا گیا تھا۔[4]

جعفر بن محمد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا۔[5]

رسول کریم ﷺ کی گیارہ تلواریں تھیں جن کے نام یہ ہیں: 1 اَلْمَأْثُوْر: یہ آپ ﷺ کے والد ماجد کی تلوار تھی جو آپ کو ملی۔ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے، اس وقت بھی یہ تلوار آپ ﷺ کے پاس موجود تھی۔ 2 ذُوالفقار: یہ بدر کی جنگ میں آپ ﷺ کو بطور مال غنیمت ملی تھی۔ اس کا دستہ چاندی کا تھا۔ ایک اور روایت میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسے حجاج بن علاط نے بارگاہ رسالت میں بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔ 3 قلعیہ 4 البتار 5 الحتف۔۔۔۔ یہ تلواریں بنو قینقاع کے اسلحے کے اس ذخیرے سے لی گئی تھیں جو مسلمانوں کو بطور مال غنیمت ملا تھا۔ 6 مخذم 7 رسوب۔۔۔ یہ تلواریں آپ ﷺ کو بنو طے قبیلہ کے مال خانے سے ملی تھیں۔ 8 عضب: جب

1 سنن ابن ماجہ: 2810 2 الغرر المنظومۃ لابی بکر: 368 3 السنن الکبریٰ للبیہقی: 6777، سنن ابی داؤد: 2705 4 جامع الترمذی: 1690 5 الطبقات لابن سعد: 1/487

رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ تلوار آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ 9 القضیب: یہ تلوار بھی بنو قینقاع سے ملی تھی۔ 10 الصمصامہ: یہ عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن معدیکرب زبیدی کی تلوار تھی۔ اسے خالد بن سعید اموی نے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ عرب کی مشہور ترین تلواروں میں سے ایک تھی جو آپ ﷺ کے زیر استعمال رہی۔ 11 اللُّحَیف۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے نیزوں کی تعداد پانچ تھی۔

1 المثوی 2 المنثنی۔ اور باقی تین رسول اللہ ﷺ کو بنو قینقاع قبیلہ کے ہتھیاروں سے ملے تھے۔

چھوٹے نیزے

رسول اللہ ﷺ کے پاس پانچ چھوٹے نیزے تھے:

1 حربہ جسے النبعہ کہا جاتا تھا۔

2 البیضاء: (یہ پہلے سے بڑا تھا) جب رسول اللہ ﷺ نماز عید پڑھانے مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے جاتے تو یہ نیزہ بطور سترہ گاڑا جاتا تھا۔

3 العنزہ: یہ چھوٹا نیزہ تھا۔ عید کے دن رسول اللہ ﷺ سے پہلے آگے جانے والا شخص اسے اپنے ہاتھ میں تھام لیتا تھا۔ یہ نیزہ بھی عام طور پر سترہ کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

4 النبعہ

5 القمرہ۔[2]

زرہیں

ان کی تعداد سات بتائی گئی ہے:

1 السعدیہ: یہ اس زرہ کا نام ہے جو سیدنا داؤد علیہ السلام نے اس وقت پہنی جب انھوں نے جالوت کو قتل کیا۔ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہ زرہ آپ ﷺ کو بنو قینقاع سے ملی تھی۔

2 فضہ: رسول اللہ ﷺ کو یہ اور پہلی زرہ بنو قینقاع ہی کے اسلحے کے ذخیرے سے ملی تھی۔

3 ذات الفضول: یہ ایک لمبی زرہ تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر میں شرکت کے لیے روانہ ہوئے تو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ زرہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ یہی وہ زرہ ہے جو قائد قافلۂ انسانیت ﷺ نے ابوشحم

1 سبل الهدى والرشاد: 364/7. 2 سبل الهدى والرشاد: 366،365/7.

یہودی کے پاس تیس صاع کے عوض رہن رکھی تھی۔ سیدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس روز سید الانبیاء ﷺ نے وفات پائی، اس روز رسول اللہ ﷺ کی زرہ تیس صاع جو کے بدلے ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔[1]

4 ذَاتُ الوِشَاحِ

5 ذَاتُ الحَوَاشِي

6 البَتْرَاءُ: یہ چھوٹی سی زرہ تھی، اس لیے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا۔

7 الخِرْنِقُ

رسول اللہ ﷺ کا ایک ''خود'' مبارک بھی تھا، اس کا نام السبوغ تھا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس دن مجاہدین اسلام کے سالار اعظم رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہوئے، اس دن آپ نے اپنے سر مبارک پر خود پہن رکھا تھا۔[2] سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنگ احد میں آپ ﷺ نے دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں۔[3] مزید برآں آپ ﷺ کا ایک کمر بند بھی تھا جو چمڑے کا بنا ہوا تھا، اس میں چار حلقے تھے۔[4]

ڈھالیں، ترکش اور تیر

رسول اللہ ﷺ کے پاس تین ڈھالیں تھیں: 1 الزَّلُوقُ 2 الفُتَقُ 3 تیسری وہ ڈھال جس میں مینڈھے اور عقاب کی تصویر تھی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب یہ آخری ڈھال بارگاہ رسالت میں پیش کی گئی تو آپ ﷺ نے اس پر عقاب اور مینڈھے کی تصویر دیکھ کر بڑی کراہت کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان تصویروں کو مٹا دیا۔[5]

جھنڈے، خیمے اور قبے

رسول اللہ ﷺ کا ایک بڑا سفید جھنڈا تھا۔ اس پر لکھا ہوا تھا: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

ایک جھنڈا سیاہ تھا اور ایک جھنڈا خاکی رنگ کا تھا۔ سیاہ رنگ کا ایک جھنڈا صوف کے کپڑے سے بنایا گیا تھا، اسے عقاب کہا جاتا تھا۔ ایک اور جھنڈا زرد رنگ کا تھا۔

1 سنن ابن ماجہ، 2438، ومسند أحمد 457/6. 2 صحیح البخاري، 5808، وصحیح مسلم، 1357. 3 سنن ابن ماجہ، 2806، وسنن أبي داود، 2590. 4 سبل الہدی والرشاد 369,368/7. 5 الخصائص الکبری للسیوطي 126/2

ان کے علاوہ آپ ﷺ کا ایک اور جھنڈا بھی تھا، اسے خمیصہ کہا جاتا تھا۔[1]

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایک کمبل کا ٹکڑا نکالا جس کا رنگ کالا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے نیزے سے باندھا، پھر اس نیزے کو حرکت دی اور فرمایا: ''کون ہے جو اس نیزے کو اس شرط پر لے کہ اس کا حق ادا کرے؟'' اس شرط نے باعث مسلمانوں پر خوف طاری ہو گیا، کوئی آگے بڑھنے کی جرأت نہ کر سکا۔ آخر کار ایک آدمی بڑھا اور عرض کیا کہ میں اس شرط پر یہ نیزہ لیتا ہوں کہ میں اس کا حق ادا کروں گا لیکن یہ فرمائیے کہ اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا:

لا تقاتل به مسلما ولا تفر به من كافر

''اس کا حق یہ ہے کہ اس سے کسی مسلمان سے لڑائی نہ کرنا اور کسی کافر سے پسپائی اختیار نہ کرنا۔''[2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک جھنڈا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور انصار کا جھنڈا سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس رہتا تھا۔ جب گھمسان کی لڑائی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ انصار کے جھنڈے کے نیچے تشریف لے جاتے تھے۔[3]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا سیاہ چتکبرا جھنڈا دیکھا ہے۔[4]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کالی چادر احد میں جھنڈا بنا دی گئی۔ اس پر کجاووں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔[5]

غزوۂ حنین کے بعد جب رسول اللہ ﷺ جعرانہ کے مقام پر تشریف فرما ہوئے تو آپ ﷺ کے لیے ایک خیمہ نصب کیا گیا۔ آپ اس میں تشریف فرما تھے، اسی اثنا میں وحی نازل ہوئی۔[6] سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ ﷺ سرخ رنگ والے چمڑے کے خیمے میں تشریف فرما تھے۔ میرے ساتھ چالیس آدمی تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس خیمے کے دروازے تمھارے لیے کھلے ہیں۔ تمھاری مدد کی جائے گی۔ تمھارا ہر حکم تسلیم کیا جائے گا۔ تم میں سے جو شخص امارت کے درجے پر فائز ہو، اسے چاہیے کہ نیکی کا حکم کرے، برائی سے روکے اور صلہ رحمی کرے۔''[7]

سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ساتھ بنو عامر کے دو افراد تھے۔ ابطح کے مقام پر آپ ﷺ کے لیے سرخ رنگ کا خیمہ نصب تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' عرض کی: ہم بنو عامر قبیلے کے ہیں۔ فرمایا:

[1] سنن البیهقي [illegible] 371,370/7. [2] المطالب العالية لابن حجر: 245/9. [3] المصنف لعبد الرزاق: 288/5، [illegible] 797/2. [4] سنن أبي داود: 2591. [5] شرح السنة: 404/10. [6] سنن النسائي: 2864. [7] مسند أحمد: 175/4.

[illegible]

"خوش آمدید! تم مجھ سے ہو۔"[1]

زین: نیچے بچھانے والی گدی

آپ ﷺ کی زین کا نام الداج اموجز تھا۔ گدی ایک بکری کے چمڑے کی تھی۔[2]

رسول اللہ ﷺ بچوں کو گھوڑے پر بٹھا لیتے تھے

سیدنا عبداللہ بن جعفر ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو اہل بیت کے بچے استقبال کے لیے حاضر ہوتے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ تشریف لائے، میں ان بچوں میں سب سے آگے تھا۔ آپ ﷺ نے مجھے اٹھایا اور آگے بٹھا لیا۔ پھر سیدہ فاطمہ کے صاحبزادے آئے تو ان کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ پھر آپ ﷺ اسی طرح مدینہ میں داخل ہوئے۔[3]

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سفر سے تشریف لائے تو سیدنا جعفر کے صاحبزادے عبداللہ اور سیدنا علی کے صاحبزادے حسین استقبال کے لیے حاضر تھے۔ آپ ﷺ نے ان میں سے بڑے کو پیچھے بٹھایا اور چھوٹے کو آگے بٹھایا۔[4] ایک اور موقع پر آپ ﷺ تشریف لائے تو سیدنا قثم کو آگے اور فضل کو پیچھے بٹھایا۔[5]

ان خوش بخت افراد کی تعداد 50 ہے جنھیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سوار ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان تمام حضرات کے اسمائے گرامی کے متعلق حافظ یحییٰ بن عبدالوہاب ابن مندہ المتوفی 511ھ نے "معرفة أسامي أرداف النبي ﷺ" کے نام سے مستقل رسالہ لکھا ہے جو مطبوع ہے۔ اسی طرح امام صالحی ؒ نے بھی ان صحابۂ کرام ؓ کے اسماء کا تذکرہ کیا ہے۔[6]

گھوڑوں سے محبت

رسول اللہ ﷺ تمام جانوروں سے بڑھ کر گھوڑوں سے محبت کرتے تھے۔ ان کی عزت کرتے، ان کی تعریف کرتے اور ان کے بارے میں وصیت فرماتے۔ سیدنا انس ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو عورتوں کے بعد سب سے زیادہ محبت گھوڑوں سے تھی۔[7]

نبی اکرم ﷺ کو وحی کے ذریعے سے گھوڑوں کا خیال رکھنے کی اس قدر تاکید کی گئی تھی کہ ایک دن آپ ﷺ

1 صحیح ابن حبان: 282/16، اتحاف الخيرة المهرة: 6972، 2 سبل الهدى والرشاد: 374/7، 3 صحيح مسلم: 2428.
4 المطالب العالية: 639/11، 5 صحيح البخاري: 5966، 6 سبل الهدى والرشاد: 376/7، 377، 7 سنن النسائي: 3393.

اپنی چادر مبارک سے گھوڑے کا منہ صاف کر رہے تھے۔ عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ فرمایا: ''آج رات گھوڑوں کے بارے میں مجھ پر عتاب فرمایا گیا ہے۔''[1]

ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک گھوڑا پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اس کے چہرے، دونوں آنکھوں اور نتھنوں کو اپنی قمیص مبارک کی آستین سے صاف کیا۔ عرض کی گئی کہ آپ اپنی قمیص مبارک کی آستین سے گھوڑے کو صاف کر رہے ہیں؟ فرمایا: ''جبریل نے مجھے ان کے بارے میں عتاب کیا ہے۔''[2]

ائمہ حدیث نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک خیر و برکت رکھ دی ہے۔''[3]

سیدہ اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لیے خیر و برکت باندھ دی گئی ہے۔ جو شخص اسے جہاد فی سبیل اللہ کا ذریعہ سمجھ کر گھر میں باندھتا ہے اور اس پر محبت سے خرچ کرتا ہے، اس کا بھوکا رہنا اور پیٹ بھر کر کھانا، پیاسا رہنا حتیٰ کہ اس کی لید اور اس کا پیشاب بھی قیامت کے دن اس کی نیکیوں کے پلڑے میں رکھا جائے گا۔''[4]

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

[illegible]

''بکریوں میں برکت ہے، اونٹوں میں مالکوں کے لیے عزت ہے، گھوڑوں کی پیشانیوں میں تا قیامت خیر و برکت باندھ دی گئی ہے۔ تیرا غلام تیرا بھائی ہے، اس کے ساتھ اچھا سلوک کر۔ اگر تو دیکھے کہ اس کے ذمہ لگایا گیا کام مشکل ہے تو اس کی مدد کر۔''[5]

رسول اللہ ﷺ کا ایک گھوڑا تھا جو آپ نے ایک انصاری کو مرحمت فرما دیا۔ آپ ﷺ اس کے ہنہنانے کی آواز سنتے تھے۔ کچھ دن سے اس کی آواز آنی بند ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''تمھارا گھوڑا کہاں ہے؟'' انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے اسے خصی کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''گھوڑوں کی پیشانیوں

1 الموطأ لمالک: 468/2 2 مراسیل أبي داود: 270 3 صحیح البخاري: 2849 4 مسند أحمد: 455/6
5 مسند البزار: 345/7

متعلق علماء میں اختلاف ہے۔ وہ سات گھوڑے جن پر سب علماء کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ ہی کی ملکیت تھے، ان میں سے کچھ گھوڑے ایسے تھے جو مختلف رؤسائے قبائل، ریاستوں کے امراء اور بادشاہوں نے بطور ہدیہ خدمت عالیہ میں بھیجے تھے اور بعض ایسے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے ان کے مالکوں سے خریدا تھا۔

ان سات گھوڑوں کے نام یہ ہیں:

1 السکب: یہ گھوڑا رسول اللہ ﷺ نے بنو فزارہ کے ایک آدمی سے مدینہ طیبہ کے بازار میں خریدا اور اس کی دس اوقیہ چاندی قیمت ادا کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی گھوڑے پر سوار ہو کر معرکہ احد میں شرکت فرمائی۔ یہ گھوڑا پنج کلیان تھا، اس کی پیشانی پر سفید نشان تھا اور اس کے چاروں پاؤں بھی سفید تھے۔ اس کا رنگ کمیت یعنی سرخ و سیاہ بیان کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اکثر اس پر سواری فرماتے رہے۔ ابن اثیر نے کہا ہے کہ یہ گھوڑا مشکی رنگ کا تھا۔ بڑا تیز رفتار تھا، اسی لیے اس کو سکب کے نام سے موسوم کیا گیا جس کے معنی ہی تیزی اور طغیانی ہیں۔

2 مرتجز: اس پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ گھوڑوں کی دوڑ میں شرکت فرمایا کرتے تھے اور یہ گھوڑا سب پر بازی لے جاتا تھا۔ اس سے آپ ﷺ کو بڑی مسرت ہوتی تھی۔ ابن قیم کہتے ہیں کہ یہ سرخ رنگ کا گھوڑا تھا۔ اسے آپ ﷺ نے بنو جہینہ کے ایک اعرابی سے خریدا تھا اور بطور قیمت دس اونٹ مرحمت فرمائے تھے۔

3 مرتجز: یہ گھوڑا نبی کریم ﷺ نے بنو مرہ کے ایک اعرابی سواء بن حارث سے خریدا تھا۔ یہ سفید رنگ کا تھا، اس کے ہنہنانے کی آواز بڑی دلکش تھی، اسی لیے اس کا نام مرتجز رکھا گیا۔

4 لزاز: یہ گھوڑا مقوقس شاہ مصر نے بارگاہ رسالت میں بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔ یہ آپ ﷺ کو بہت پسند تھا۔ آپ ﷺ نے اسی پر سوار ہو کر اکثر غزوات میں شرکت فرمائی۔

5 الظرب: یہ تمام گھوڑوں سے اعلیٰ اور نفیس ترین گھوڑا تھا۔ اسے فروہ بن عمرو الجذامی نے بطور تحفہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا۔

6 لحیف: اس کی دم بڑی لمبی تھی یہاں تک کہ وہ زمین کو ڈھانپ لیا کرتی تھی۔ سعد بن مالک اپنے باپ دادا

سے روایت کرتے ہیں:

كان للنبي ﷺ في حائطنا فرس يقال له اللحيف

"ہمارے باغ میں جو حویلی تھی، اس میں رسول اللہ ﷺ کا ایک گھوڑا تھا جس کا نام لحیف تھا۔"[1]

1 - صحیح البخاری 2855

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تین گھوڑے ان کی حویلی میں بندھے رہتے تھے، جن کے نام بالترتیب لزاز، الظرب اور لحیف تھے۔ لزاز شاہِ مصر مقوقس نے، لحیف ربیعہ بن ابی براء نے اور الظرب فروہ بن عمرو الجذامی نے خدمتِ عالیہ میں بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔

7 الوردہ: یہ سرخ رنگ کا گھوڑا تھا، اس لیے اسے الوردہ سے موسوم کیا گیا۔ سہل بن سعد سے مروی ہے کہ یہ گھوڑا تمیم داری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ گھوڑا سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ انھوں نے یہ گھوڑا ایک مجاہد کو پیش کر دیا تا کہ وہ اس پر سوار ہو کر جہاد میں حصہ لے۔[1]

خچر

نبی کریم ﷺ کے پاس مندرجہ ذیل سات خچر تھے:

1 دُلدُل

2 فضہ

3 ایک سفید خچر تھا جو ایلہ کے حاکم ابن علماء نے آپ کو ہدیے میں بھیجا تھا۔

4 ایک خچر آپ کو کسریٰ نے تحفے میں بھیجا تھا۔

5 صاحبِ دومۃ الجندل نے بھی آپ کی خدمت میں ایک خچر بطور ہدیہ ارسال فرمایا۔

6 نجاشی کی طرف سے بھیجا ہوا خچر۔

7 ایک شامی خچر تھا۔[2]

گدھے

رسول اللہ ﷺ کے پاس سواری کے لیے چار گدھے بھی تھے:

1 عُفیر: یہ مقوقس نے آپ کو ہدیے میں دیا تھا۔

2 یعفور: یہ آپ کو فروہ بن عمرو بن جذامی نے ہدیہ کیا تھا۔

3 یہ وہ گدھا تھا جو آپ ﷺ کو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔

4 چوتھا گدھا وہ تھا جو ایک صحابی نے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔[3]

1 سبل الهدیٰ والرشاد: 7/397، 398. 2 سبل الهدیٰ والرشاد: 7/403، 405. 3 سبل الهدیٰ والرشاد: 7/405، 406.

باب 4

معجزات، عہدِ رفتہ کی خبریں، پیش گوئیاں اور دعائیں





اس باب میں

آپ ان حیران کن، مافوق الفطرت اور ناممکن الوقوع واردات و واقعات کو پڑھیں گے جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے بطور معجزہ ظہور پذیر ہوئے۔ رسالت مآب ﷺ صبح و شام اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے تھے۔ آپ ﷺ کی ساری تگ و دو اور طلب یہی تھی کہ نورِ توحید لوگوں کے دل و دماغ میں گھر کر جائے اور وہ توہمات، خرافات اور اصنام پرستی کی نجاست سے بالکل پاک ہو جائیں۔ اس سلسلے میں بعض مشرکین آپ ﷺ سے آپ کی نبوت کی صداقت کے ثبوت کے طور پر انہونی باتوں کا مطالبہ کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے رسول کریم ﷺ کو بہت سے معجزوں سے سرفراز فرمایا۔ اگلے اوراق میں آپ ان ایمان افروز معجزوں کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی زبان صداقت ترجمان سے ماضی کے اہم واقعات اور مستقبل کے پردہ میں چھپے ہوئے حالات و واقعات کی پیش گوئیاں بھی پڑھیں گے۔ یہ پیش گوئیاں غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں۔ اس باب کے آخر میں آپ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کا مطالعہ کریں گے۔ ان دعاؤں کا ایک ایک حرف امت مسلمہ کے لیے آپ کے درد دل کا عکاس ہے۔



معجزات اور ان کی حقیقت

مُعْجِزة، معجزات کا واحد ہے۔ اس کا مادہ ع، ج، ز ہے۔ عَجَزَ یَعْجِزُ عَجْزًا کے لغوی معنی کسی چیز سے پیچھے رہ جانے، یا اس کے ایسے وقت میں حاصل ہونے کے ہیں جب کہ اس کے حصول کا وقت گزر چکا ہو، لیکن عام طور پر اس کا استعمال اور اطلاق کسی کام کے کرنے سے قاصر رہنے پر ہوتا ہے اور یہ قدرت کی ضد ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي ۔

''میں اس کوے جیسا ہونے سے بھی عاجز رہا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔''[1]

معجزات کی حکمت

اللہ رب العزت کے پیغمبروں کی فکری اور عملی زندگی بہت اچھی اور پاکیزہ تھی۔ قرآن کریم نے ان کی عملی زندگی کو ان کی نبوت کی سچائی کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے۔ پیغمبروں کا حُسنِ سیرت دیکھنے کے باوجود ان کے عہد کے لوگوں نے طرح طرح کی خارقِ عادت باتوں کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں بھی عہد بہ عہد اپنے رسولوں کی مدد کی اور انھیں طرح طرح کے معجزے عطا فرمائے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو یدِ بیضا مرحمت فرمایا۔ سیدنا نوح علیہ السلام کو کشتی دے دی۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر کے انھیں مُردوں کو زندہ کر دینے کے معجزے سے نوازا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔ سیدنا داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہے کو موم کر دینے کی صلاحیت رکھ دی۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کو دنیا کی عدیم النظیر بادشاہت عنایت فرمائی، سیدنا صالح علیہ السلام کو اونٹنی دے دی اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے لیے زمزم کا ابدی چشمہ جاری کر دیا۔ ان معجزوں کی غایت یہ تھی کہ جو لوگ دعوت الی اللہ کو نہ مانیں، وہ عاجز کر دینے والی نشانیاں دیکھ کر قبولِ حق پر آمادہ ہو جائیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول امام الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار معجزے عطا کیے تاکہ اسلام کے منکر اسلام قبول کر لیں اور کمزور ایمان والے مسلمان اپنی جگہ مستحکم اور ثابت قدم ہو جائیں۔

1 المآئدۃ 5:31.

پیغمبروں سے وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی توجیہ سے عقل انسانی عاجز ہے، قرآن مجید کی زبان میں اس قسم کے واقعات کو بینات، براہین یا زیادہ تر آیات کے نام سے جانا جاتا ہے۔ محدثین ان کو "دلائل نبوت" سے تعبیر کرتے ہیں اور علماء و متکلمین کی اصطلاح میں ان ہی کو معجزات کہا جاتا ہے۔

آپ ﷺ کا سب سے عظیم معجزہ قرآن مجید ہے۔ اس کے علاوہ بہت سارے معجزات ایسے ہیں جن کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے، مثلاً اسراء و معراج اور شق قمر وغیرہ۔ کچھ معجزات ایسے بھی ہیں جن کا تذکرہ احادیث میں ملتا ہے۔

معجزات کا صدور و اظہار انبیاء ؑ کی اپنی طاقت اور قدرت سے نہیں ہوتا، بلکہ ان کا ظہور اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی قدرت و مشیت کے تابع ہوتا ہے۔ البتہ یہ معجزات انبیاء ؑ کی نبوت و رسالت کی تائید و توثیق ضرور کرتے ہیں، اس لیے کہ ان سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ غیبی قوتیں "پیغمبر" کی تائید و توثیق کر رہی ہیں۔

پھر انبیاء ؑ کے مراتب و درجات میں جس طرح تفاوت ہوتا ہے، اسی طرح انبیاء ؑ کی تائید و نصرت کے لیے رونما ہونے والے معجزات کی تعداد اور ان کی کیفیت و کمیت میں بھی فرق ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ تمام انبیاء ؑ کے سردار اور خاتم تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تائید و نصرت کے لیے آپ کو سب سے زیادہ معجزات عطا فرمائے۔

ہر شخص کی زندگی میں کم و بیش ایسے حالات ضرور رونما ہوتے ہیں جن کی انسان اپنی تمام تر کوشش کے باوجود کوئی توجیہ نہیں کر سکتا، جیسے حادثے سے بال بال بچ جانا، مہلک بیماری سے نجات پا جانا، موت کے منہ سے بچ کر چلے آنا، اچانک کسی غیر متوقع خوشی کا سامنا ہو جانا، دفعتاً حالات کا کوئی غیر متوقع رخ اختیار کر لینا وغیرہ۔ اس لیے ایسے موقعوں پر اکثر کہا جاتا ہے کہ "یہ تو کوئی معجزہ ہو گیا ہے ورنہ یہ توقع نہ تھی۔" حقیقت میں ان باتوں کا معجزے سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، البتہ اتنا ضرور ہے کہ یہ باتیں چونکہ عام روش سے ہٹ کر واقع ہوتی ہیں، اس لیے ہم ان کو مافوق الفطرت خیال کر بیٹھتے ہیں، اس کے برعکس انبیاء ؑ کو دعوائے نبوت کے بعد عطا کیے جانے والے معجزات اس سے قطعی مختلف اور اس سے کہیں زیادہ بلند مقام کے حامل ہوتے ہیں۔

معجزے اور کہانت میں فرق

انبیاء ؑ کے معجزات اور جادوگروں اور شعبدہ بازوں کے کرتبوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ انبیاء ؑ جو بات کہتے ہیں یا کرتے ہیں وہ وحی الٰہی کے مطابق ہوتی ہے اور انھیں حکم دینے والا اللہ جل شانہ ہے، لہٰذا وہ ہمیشہ اللہ کی بندگی کی دعوت، آخرت کے لیے تیاری اور عدل و انصاف، نیکی، تقویٰ اور پرہیزگاری کا حکم دیں گے۔

جبکہ ساحر و شعبدہ باز ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، شرک و ظلم اور دنیا کی زندگی کو زیادہ ترجیح دینے کی بات کرتے ہیں جس کا نتیجہ فتنہ و فساد ہوتا ہے۔

پیغمبر ہمیشہ سچی بات کرتے ہیں اور آسمانی کتاب ان کی تصدیق کرتی ہے جبکہ کاہن و جادوگر ہمیشہ جھوٹ بولتے ہیں، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ۝ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ

''کیا میں تمھیں بتاؤں کس پر شیاطین نازل ہوتے ہیں؟ وہ ہر جھوٹ گھڑنے والے، سخت گناہگار پر نازل ہوتے ہیں۔''[1]

ساحروں اور کاہنوں سے ایسی چیزیں وقوع پذیر ہوتی ہیں جنھیں دوسرے ساحر و کاہن بھی جانتے ہیں اور وہ بھی ان جیسے کام کر سکتے ہیں جبکہ پیغمبروں سے وقوع پذیر ہونے والے معجزے کو کوئی دوسرا شخص کرکے نہیں دکھا سکتا۔ نبوت کی طرح معجزہ و آیت بھی اللہ تعالیٰ کی عطا و عنایت ہے جبکہ سحر و کہانت کسبی عمل ہے۔

ساحر اور کاہن ساحری کی باقاعدہ تعلیم لیتے ہیں، یہ تدریجاً سیکھنے سکھانے کا فن ہے، اسے لوگ بھی چھپاتے ہیں جبکہ پیغمبروں کے معجزات کے اظہار کا تعلیم و تعلم سے کوئی سروکار نہیں۔ نبوت تو اسے ہی ملتی ہے جو نیوکار، پاکیزہ اور عادل و صادق شخص ہوگا، عام زندگی میں کوئی اس پر انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ جبکہ ساحر و کاہن اللہ پر جھوٹ بولتا ہے اور وہ عام زندگی میں بھی کذب بیانی سے کام لیتا ہے۔

ساحر و کاہن سے جو چیزیں سرزد ہوتی ہیں، جنوں اور انسانوں میں بھی کوئی نہ کوئی ان امور و افعال پر قادر ہوگا جبکہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی کوئی جن اور انسان نقل نہیں کر سکتا، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا

''کہہ دیجیے: یقیناً اگر تمام انسان اور جن اس (بات) پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو وہ اس جیسا نہیں لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔''[2]

قرآن کریم کے مطابق معجزات کسی آسمانی مذہب کی تائید و حمایت کے لیے رونما ہوتے ہیں اور تائید رسالت کے لیے ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اساسی اہمیت تو انسانی عقل و شعور، پیغمبر کی سیرت و کردار اور اس کی تعلیمات کو

1 الشعراء 26:221-222۔ 2 بنی اسرائیل 17:88.

حاصل ہوتی ہے۔ اسی بنا پر قرآن حکیم میں معجزات کے مطالبے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا اور عقل و خرد سے کام لینے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا

''کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔''[1]

چنانچہ یہودیوں نے انکار رسالت کے لیے انھیں معجزہ پیش نہ کرنے کے عذر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ

''کہہ دیجیے: بے شک مجھ سے پہلے تمھارے پاس کئی رسول کھلی نشانیاں اور وہ (معجزہ) بھی لے کر آئے جس کا تم مطالبہ کرتے ہو، پھر تم نے انھیں قتل کیوں کر ڈالا اگر تم سچے ہو؟''[2]

اسی طرح قریش کی طرف سے مطالبات کی ایک طویل فہرست پیش کرنے پر بطور تبصرہ ارشاد فرمایا:

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا

''آپ کہہ دیجیے: میرا رب پاک ہے، میں تو بس ایک بشر رسول ہوں۔''[3]

ایک دوسرے موقع پر عجیب و غریب اور بے سروپا سوالات کرنے والوں کو متنبہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا
يُوحَىٰ إِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ بے شک میں فرشتہ ہوں، میں تو اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ کہہ دیجیے: کیا نابینا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ تو کیا تم غور نہیں کرتے؟''[4]

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَإِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَن تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ
فَتَأْتِيَهُم بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ

''اور اگر ان (کافروں) کا حق سے منہ موڑنا آپ کو ناگوار ہے تو اگر آپ میں یہ طاقت ہے کہ آپ زمین

1 النساء 4: 82 2 آل عمران 3: 183 3 بنی اسرائیل 17: 93 4 الانعام 6: 50

میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لیں، پھر آپ ان کے پاس کوئی نشانی لے آئیں (تو ایسا کر گزریں) اور اگر اللہ چاہتا تو انھیں ہدایت پر ضرور جمع کر دیتا، پس آپ نادانوں میں سے ہرگز نہ ہوں۔“[1]

ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معجزات کا طلب کرنا اور ان کو مدار ایمان قرار دینا قطعی پسند نہ تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن حکیم میں سرے سے معجزات کے وجود ہی کا انکار کیا گیا ہے، اس لیے کہ قرآن حکیم سابقہ انبیاء کے علاوہ خود رسول اللہ ﷺ کے متعدد معجزات کا ذکر کرتا ہے اور متعدد مقامات پر آپ ﷺ کے معجزات کی صراحت بھی کرتا ہے، مثلاً سورۂ قمر میں ہے:

وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ

”اور اگر وہ (مشرک) کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (یہ) ہمیشہ سے چلتا ہوا جادو ہے۔“[2]

اسلام نے معجزات کو تصدیق کے اعتبار سے جو ثانوی حیثیت دی ہے تو اس کی وجہ قرآن کریم سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ معجزات سے کسی قوم کو بہت کم ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ اس لیے کہ جن لوگوں کو ایمان قبول کرنا ہوتا ہے، ان کے لیے عقل و بصیرت کی دلیل ہی کافی ہوتی ہے اور جنھیں ہدایت قبول نہ کرنی ہو، انھیں چاند کے ٹکڑے کر کے دکھا دینے سے بھی ہدایت نصیب نہ ہوگی۔

معجزات کی تعداد

سرور کائنات ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے شمار معجزات عطا ہوئے۔ حافظ ابن حجر ﷫ نے لکھا ہے کہ امام بیہقی اور علامہ زاہدی ﷫ نے معجزات نبوی کی تعداد ایک ہزار، امام نووی ﷫ نے بارہ سو سے زائد اور بعض نے تین ہزار تک بیان کی ہے۔ بہت سے علماء، مثلاً: ابو نعیم اصفہانی اور امام بیہقی ﷫ وغیرہ نے ان تمام معجزات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔[3]

امام جلال الدین سیوطی ﷫ نے الخصائص الکبریٰ میں ایک ہزار معجزات شمار کیے ہیں۔ ان میں سے بیشتر ایسے ہیں جو مستند اور معتبر راویوں سے روایت کیے گئے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کا بھی اس زمانے کے کسی آدمی سے انکار ثابت نہیں۔ اس طرح مجموعی طور پر معجزات کی روایات کو تواتر کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

معجزات کو عقلی اور نقلی یا حسی اعتبار سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ امتیاز اور افتخار بھی حاصل ہے کہ

[1] الانعام 35:6 [2] القمر 2:54، [3] فتح الباری 712/6

آپ کو دونوں قسم کے معجزات مرحمت فرمائے گئے۔

1 عقلی معجزات سے مراد ایسی مافوق العادت باتیں ہیں جن کے فہم و ادراک کا ذریعہ انسانی عقل و شعور ہے، پھر جیسا کہ اوپر بیان ہوا شریعت محمدیہ نے نبوت و رسالت کے لیے غور و فکر اور عقل و شعور سے کام لینے کو اساسی اہمیت دی ہے اس لیے معجزات نبوی کی یہ صورت انتہائی اہم اور وقیع ہے۔

2 نقلی یا حسی معجزات سے مراد ایسے معجزات ہیں جن کو حواس خمسہ کے ذریعے محسوس کیا جا سکتا ہے اور جن کی خبر سچی شہادتوں کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے۔

چند معجزات ایسے ہیں جن کا تذکرہ احادیث مبارکہ میں موجود ہے لیکن قرآن مجید نے بھی انھیں خاص طور پر اجاگر کیا ہے۔ اور کچھ کا ذکر سیرت و تاریخ کی کتابوں میں ہے۔ آیئے ان معجزوں کا خوبصورت تذکرہ پڑھتے ہیں۔

معجزات نبوی ﷺ

"قرآن مجید" عظیم معجزہ

یوں تو دنیا میں بہت سے انبیاء ﷺ آئے، ان میں صابر بھی تھے اور صفی اللہ بھی، ان میں کلیم اللہ بھی تھے اور روح اللہ بھی، ان میں خلیل اللہ بھی تھے اور اللہ تعالیٰ کے مجتبیٰ بھی، لیکن بارگاہ ایزدی سے جلالت، عظمت اور بلندی و رفعت کا جو مقام سرور کائنات ﷺ کو عطا ہوا، وہاں تک کسی اور رسول یا نبی کی رسائی نہ ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اللہ رب العزت اپنی ذات و صفت میں یکتا اور وحدہٗ لاشریک ہے، اسی طرح ہادی عالم ﷺ آسمان نبوت و رسالت پر اپنی صفات نبوت اور کمالات علمیہ میں دوسروں سے ممتاز، فائق اور برتر ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سرور عالم ﷺ کی رسالت و نبوت کی تائید و توثیق کے لیے آپ کو جو کھلی نشانیاں عطا فرمائیں، ان سب کی عظمت مسلّم ہے مگر معجزۂ قرآنی میں جو علمی کمالات وصفات، جو جلالت وعظمت اور انسانی دنیا کے لیے جو فوائد و خصائص پوشیدہ ہیں، وہ انبیاء ﷺ کو عطا ہونے والے معجزات سمیت کسی معجزے میں نظر نہیں آتے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جس طرح خود اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات بے مثل اور بے مثال ہے، اسی طرح اس کا یہ بابرکات کلام، جو امت محمدیہ کو رحمت عالم ﷺ کے ذریعے میسر آیا، اپنی ذات اور اپنے کمالات و اوصاف میں عدیم المثال ہے۔ یقیناً قرآن مجید نبی کریم ﷺ کا سب سے عظیم، لافانی اور ابدی معجزہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُهُ

وَحْيًا أَوْحَاهُ اللَّهُ إِلَيَّ، فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

"ہر نبی کو ایسے ایسے معجزات عطا کیے گئے کہ (انھیں دیکھ کر) لوگ ان پر ایمان لائے (بعد کے زمانے میں ان کا کوئی اثر نہیں رہا) اور مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے، وہ وحی (قرآن) ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کی ہے (اس کا اثر قیامت تک باقی رہے گا)، اس لیے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے تابع فرمان

لوگ دوسرے پیغمبروں کے تابع فرمانوں سے زیادہ ہوں گے۔"[1]

اس لیے قرآن حکیم اپنے الفاظ و کلمات، جملوں اور اسلوب بیان کے اعتبار سے بھی بے مثال ہے اور اپنے مضامین و افکار کی بنا پر بھی دنیا کا سب سے زیادہ محیر العقول معجزہ اور رہتی دنیا تک انسانوں کے لیے ہدایت و رہنمائی کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے۔

قرآن کریم نبی اکرم ﷺ کا زندہ معجزہ ہونے کی بنا پر ہمیشہ امت کی خصوصی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ اس بارے میں اس کے معجزہ ہونے پر جو گفتگو کی جاتی ہے، وہ "وجوہ اعجاز قرآن" کہلاتی ہے۔ ہر سیرت نگار یا مفسر قرآن نے اس موضوع پر اپنے اپنے انداز میں بہت عمدہ بحث کی ہے اور کوشش کی ہے کہ اس پیکر فصاحت و بلاغت کے اعجاز کی وجوہ کو نمایاں کیا جائے۔ ان تمام مصنفین کی کاوشوں میں، گو اپنی اپنی انفرادیت کی جھلک بھی پائی جاتی ہے، مگر مجموعی طور پر چند باتوں میں سب کا اشتراک ہے۔

قرآن حکیم اپنے الفاظ کے انتخاب، موقع محل سے ان کی مطابقت، جملوں کی بندش، ترکیبوں کی ندرت اور ان کی حسب منشا تاثیر کے اعتبار سے فصاحت و بلاغت کے نصف النہار پر ہے۔ اسی لیے یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جس نے لوگوں کو مقابلے کا چیلنج دیا، مگر کوئی بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکا۔

سیرت و احادیث کی کتابوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل عرب نے جب پہلی مرتبہ قرآن کریم کا معجز نما بیان سنا تو انگشت بدنداں رہ گئے اور کلام ربانی کی فصاحت و بلاغت کے آگے ان کی گردنیں جھک گئیں۔ انھوں نے اس کے سامنے اپنے شعری دیوان پھینک دیے اور کئی پختہ کلام شاعروں نے شاعری ہی چھوڑ دی۔ یہ قرآن کریم کی زبردست تاثیر کا ایک ادنیٰ سا مظاہرہ تھا۔

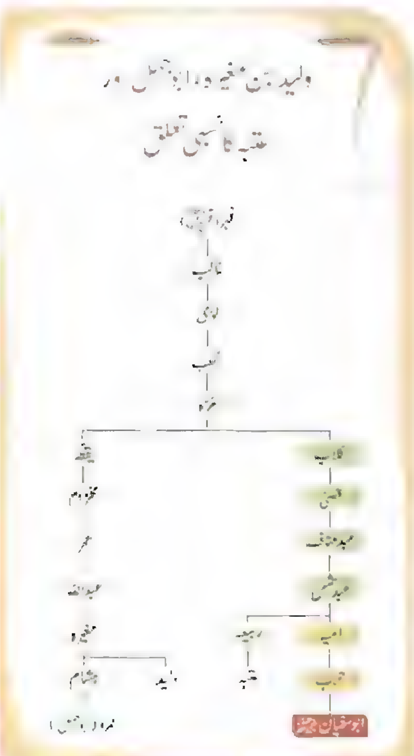
یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ فصاحت و بلاغت عربوں کی ایسی منفرد خوبی تھی جو ان کی فطرت بن گئی تھی۔ ہر بچہ پیدائشی طور پر فصیح زبان سنتا اور بولتا تھا۔ زبان و بیان کے لحاظ سے ان کا کوئی قبیلہ کسی دوسرے قبیلے سے مرعوب نہیں ہوتا تھا۔ اس کے باوجود وہ لوگ قرآن حکیم کو سن کر اس کی سچائی اور حسن بیان میں کھو گئے۔

اہل عرب میں عام طور پر کلام کی تین قسمیں رائج تھیں: 1 نظم (اشعار)، 2 نثر (روزمرہ کی بول چال، خطوط اور خطابت کی زبان)، 3 سجع، یعنی مقفیٰ و مسجع عبارت، جو عام طور پر کاہن بولتے تھے۔ اس میں الفاظ زیادہ سے زیادہ پر شوکت، مگر معانی انتہائی بے وقعت اور کمزور ہوا کرتے تھے۔

1 صحیح البخاری: 4981

قرآنِ حکیم نے ان سب سے منفرد اور بالکل مختلف اسلوبِ بیان کی جلوہ آرائی کی جو نہ تو شعر ہے، نہ مروجہ نثر اور نہ تجع، بلکہ یہ کلام کہیں چھوٹی چھوٹی آیات (قطعات) پر مشتمل ہے تو کہیں بڑی بڑی آیات سے جڑا ہوا ہے، مگر ہر جگہ الفاظ کی رونق اور چمک دمک کے ساتھ ساتھ معانی کا ایک بحرِ بے کراں ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دیتا ہے۔ اسی بنا پر فصحائے عرب کو اس کلام کی صنف متعین کرنے میں بے حد دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔

قرآن مجید کی سورتوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: طوال مفصل (سورۂ حجرات سے سورۂ تہ جیسا دون تک)، اوساط مفصل (سورۂ نازعات سے ضحیٰ تک)، قصار مفصل (ضحیٰ سے ناس تک)۔ اس تقسیم میں بعض نے اختلاف بھی کیا ہے۔ قرآنی آیات کو بھی تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: طویل آیات، مثلاً سورۂ بقرہ میں۔ اوساط آیات، مثلاً سورۃ الاعراف اور سورۃ الانعام میں۔ قصار آیات، مثلاً سورۂ رحمٰن اور سورۂ مرسلات میں۔ ان سب میں قرآنی آیات کے الفاظ و حروف کا ایک خاص اسلوب ہے اور معانی کی وسعت کے ساتھ ساتھ آیات کے الفاظ و حروف اور ان کی اصوات ایک خاص سماعی فضا اور ایک خاص لذت پیدا کرتی ہیں۔ جب یہ آیات پڑھی جاتی ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی دریا رواں دواں ہو، آواز کے اتار چڑھاؤ سے بلاشبہ کسی آبشار کے گرنے کا سماں بندھتا ہے۔ اسی بنا پر شاعری کی قسم سے نہ ہونے کے باوجود یہ اکلوتی کتاب ہے جسے پڑھنے (تلاوت کرنے) کا خاص فن پیدا ہوا اور اس نے اتنا عروج و قبول حاصل کیا کہ ہر زمانے میں ہزاروں افراد اس شعبۂ علم سے وابستہ رہے ہیں اور روز بروز اس کو ترقی نصیب ہو رہی ہے۔



ایک مرتبہ ولید بن مغیرہ نے قرآن کی کوئی آیت سنی تو وہ اس سے بے حد متاثر ہوا۔ ابوجہل نے جب اسے متاثر دیکھا تو قرآنی آیت کا اثر دور کرنے کے لیے کہنے لگا: یہ تو شعر کی کوئی قسم ہے۔ ولید بولا: واللہ! تم میں مجھ سے زیادہ عربی اشعار کا جاننے والا کوئی نہیں۔ شعر سے اس کلام کو کوئی مناسبت ہی نہیں۔ ایک موقع پر کسی نے نبی ﷺ کو کاہن، جادوگر، یا مجنون کہنے کی تجویز پیش کی تو ولید نے مخالفت کرتے ہوئے کہا: نہ یہ کاہن ہے، کیوں کہ اس کلام کو کاہنوں کے کلام سے کوئی نسبت ہی نہیں، نہ یہ جادوگر اور مجنون ہے۔

سردارِ قریش عتبہ بن ربیعہ نے یہ کلام سنا تو بے اختیار بولا: واللہ! آج تک میں نے ایسا کلام کبھی نہیں سنا، نہ تو یہ شعر ہے اور نہ سحر۔ اسی طرح ابوذر رضی اللہ عنہ کے بھائی اُنیس رضی اللہ عنہ نے، جو خود بھی ایک بلند پایہ شاعر تھے، اسلوبِ قرآن کے بارے میں گواہی دی: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بہت بلند پایہ ہے۔ اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ سچ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن جھوٹے ہیں۔[1]

قرآنِ حکیم کے ہر ایک مطلع و مقطع میں ایک خاص قسم کا حسن و جمال اور توازن واعتدال پایا جاتا ہے۔ وزن وقوافی سے مبرا ہونے کے باوجود الفاظ کی غنائیت اور جملوں کی موزونیت ہر جگہ فراوانی کے ساتھ محسوس ہوتی ہے۔ قرآنی آیت کی غنائیت کا یہ عالم ہے کہ باوجود اس بات کے کہ اکثر لوگ عربی زبان سے ناواقف ہیں، پھر بھی تلاوتِ قرآن کی سماعت کرنے والا ہر شخص اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

عام طور پر یکساں الفاظ اور قصوں کی بار بار تکرار ذوقِ لطیف پر گراں گزرتی ہے، مگر قرآنِ حکیم کی ایک منفرد خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں بہت سے مقامات پر الفاظ اور بعض جملوں کا اعادہ کیا گیا ہے، لیکن اس انداز سے کہ اس سے قرآن کے حسن و لطافت میں کمی آنے کے بجائے مزید اضافہ ہوا ہے، مثلاً: سورۂ رحمٰن میں آیت ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ ''تو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کا اکتیس بار، سورۃ المرسلٰت میں آیت ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ ''اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی بربادی ہے۔'' کا دس مرتبہ، سورۂ شعراء میں آیت: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ''یقیناً اس میں ایک عظیم نشانی ہے، مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔'' کا آٹھ مرتبہ اور سورۂ قمر میں آیت ﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ ''اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کیا ہے، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟'' کا چار مرتبہ اعادہ کیا گیا ہے، اس کے باوجود ان مقامات پر کلام کے حسن و بلاغت میں کمی کے بجائے اضافہ ہوا ہے اور ہر جگہ ان آیات کی تکرار نے کلام میں ایک طرح کی غنائیت اور معانی میں کئی جہتیں پیدا کر دی ہیں۔ الفاظ کے تکرار کے ساتھ ساتھ اکثر جگہ مضمون اور قصوں کی تکرار بھی کی گئی، مگر اس سے ہر جگہ کوئی نہ کوئی نیا نکتہ پیدا ہوتا ہے اور تکرار و تشابہ کے باوجود مضمون کی وسعت و گہرائی میں فرق نہیں آتا۔ قاضی بدرالدین بن جماعہ رحمہ اللہ کی اس موضوع پر ایک مستقل کتاب (المقتنص في فوائد تكرار القصص) ہے جس میں قصص کو بار بار دہرانے کے فوائد بیان کیے گئے ہیں۔[2]

1 المعتصر، 129، 130. 2 الإتقان للسيوطي: 3/224، 230.

الفاظ وحروف کی اس درجہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم کی ایک نمایاں خصوصیت اس کی جامعیت و کاملیت بھی ہے۔ یہ شرف آج تک دنیا کی کسی اور کتاب کو نصیب نہیں ہوا۔ جامعیت کے سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ ﴾

''اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر طرح کی مثال پھیر پھیر کر بیان کی ہے۔''[1]

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴾

''اور وہ (کافر) جب آپ کے پاس کوئی مثال (اعتراض) لے کر آتے ہیں تو ہم (جواب میں) آپ کو حق اور (اس کی) بہت اچھی توجیہ وتفسیر بتا دیتے ہیں۔''[2]

واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی ہر دینی، عائلی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی مشکل کا تسلی بخش حل اس کتاب میں وضاحت سے بتلا دیا گیا ہے، اس لیے یہ کتاب ایک جامع منشور اور دستور حیات کی حیثیت رکھتی ہے، البتہ اس کتاب کے اشارات وتلمیحات اور اس کے کنایات ومجازات کو سمجھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو پیش نظر رکھنا اشد ضروری ہے۔ خود قرآن مجید کی تصریحات کے مطابق تعلیمات نبویہ قرآن سے کوئی الگ چیز نہیں بلکہ اسی کا تتمہ اور شرح ہیں۔ اسی بنا پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ »

''میں تم میں دو بنیادی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر تم ان کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے اور وہ دو چیزیں یہ ہیں: اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔''[3]

اس جامعیت کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے عروج کمال کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

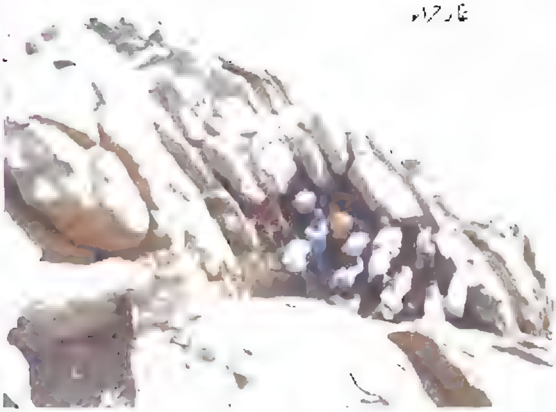
﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔''[4]

یہ خصوصیت صرف قرآن حکیم ہی کو حاصل ہے کہ اس پر اتمام دین ہوا، ورنہ پہلی امتیں اس خوشخبری سے محروم رہیں۔

1 بنی اسرائیل 89:17. 2 الفرقان 33:25. 3 الموطا للامام مالک 480/2. 4 المائدة 3:5

قرآن حکیم کے مضامین میں اس وسعت و تنوع کے باوجود اس کے مضامین میں کسی جگہ تعارض و تناقض نہیں ہے، بلکہ قرآن کریم کی آیات ایک دوسرے کی تصدیق و تفسیر کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن حکیم میں ایک واقعہ بعض اوقات ایک سے زائد مرتبہ بیان ہوتا ہے، ہر چند اس کا موقع و محل اور سیاق و سباق مختلف ہوتا ہے۔ اس کے باوجود اصل واقعے اور اس کے متعلقات میں کوئی معمولی سا بھی فرق نہیں پایا جاتا۔ اس کے ساتھ یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ یہ قرآن یکبارگی ایک ہی وقت اور ایک ہی موقع کی تصنیف نہیں، بلکہ اس کا نزول تیئیس سال کے عرصے میں بتدریج پایہ تکمیل کو پہنچا ہے۔ اس کا آغاز غارِ حراء کے گوشۂ تنہائی سے ہوا اور تکمیل حجۃ الوداع کے موقع پر ہزاروں افراد کے مجمع میں ہوئی۔ اس دوران میں کئی نشیب و فراز آئے۔ حالات کی کروٹوں کے باوجود اس میں باریک سے باریک فرق اور کوئی خفیف سے خفیف اختلاف بھی موجود نہیں ہے۔ اگر یہ قرآن کسی فردِ بشر کا من گھڑت کلام ہوتا تو اس میں لازماً فرق اور اختلاف پیدا ہو جاتا جیسے کہ ہمیں شعراء کے کلام میں اس طرح کے کئی فرق اور اختلافات نظر آتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:



غارِ حراء

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا

''اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔''[1]

بعض مستشرقین نے قرآن کریم کو منتشر مضامین و موضوعات کا مجموعہ قرار دیا ہے، حالانکہ قرآن حکیم کا ایک اپنا مخصوص اندازِ بیان ہے جسے سمجھنے کے لیے اس کا گہرا مطالعہ ضروری ہے اور قرآن حکیم کا یہی اسلوب اور منہج اس کا عظیم الشان معجزہ ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ قرآنی علوم و معارف پانچ انواع میں منقسم ہیں: علم الاحکام (زندگی سے متعلقہ مسائل کے احکام)، علم المخاصمہ (علم تقابلِ ادیان)، التذکیر بایام اللہ (مختلف قوموں پر آنے والے عذابوں کے تذکرے سے لوگوں کو وعظ و نصیحت)، التذکیر بآلاء اللہ (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر

1 [illegible] 390/4، 392۔

کر کے ان کے ذریعے سے لوگوں کو نصیحت)، التذکیر بالموت و مابعدہٗ (موت اور اس کے بعد آنے والی زندگی کے تذکرے سے لوگوں کو وعظ و نصیحت)۔[1]

واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی ہر آیت، بلکہ ہر سطر میں ایسے ایسے ظاہری اور معنوی محاسن پوشیدہ ہیں جنہیں محسوس تو کیا جا سکتا ہے، مگر الفاظ کے پیرائے میں پوری طرح بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی حلاوت شعوری و ادراکی بھی ہے اور وجدانی بھی۔

ان سب خصوصیات کی یکجائی سے قرآن مجید ایک ایسے کلام کے طور پر دنیا میں موجود ہے جس کا کوئی ثانی و مثیل نہیں ہے اور بار بار کے اعلانات کے باوجود دنیا کے کفر اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کر سکی۔ یہ سب کی سب وہ نادر خوبیاں ہیں جو کسی انسانی کلام میں جمع نہیں ہو سکتیں بلکہ یہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے اپنے محبوب کو بطور معجزہ عطا فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ کی امیت

رسول اللہ ﷺ تمام تر علمی، روحانی اور فکری محاسن و کمالات کے باوجود ''امی'' (ناخواندہ) تھے، بچپن سے لے کر حیات طیبہ کے آخری دن تک آپ ﷺ نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیے۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے براہ راست خود علم سکھایا۔ آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت کی تمام ذمہ داریاں خالق کائنات نے خود پوری کیں، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ

''وہ لوگ جو اس رسول امی نبی (محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں۔''[2]

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ

''اور آپ اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے، نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے۔''[3]

نیز فرمایا:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ

1 الفوز الکبیر فی اصول تفسیر، ص 21، مطبوعہ لاہور 1371ھ 2 الاعراف 157:7 3 العنکبوت 48:29.

"اور ہم نے اس (رسول) کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ (یہ) اس کے لائق تھے۔"[1]

قریش مکہ نبی ﷺ کو ابتدا سے جانتے تھے، اس لیے اگر ناخواندہ ہونے کا یہ دعویٰ خلاف واقعہ ہوتا تو قریش خود اس کی تردید کر دیتے۔ مگر تاریخ میں کسی بھی دشمن اسلام کی طرف سے صراحت تو کجا، اشارے کنائے سے بھی یہ بات نہیں ملتی کہ آپ ﷺ نے کسی شخص کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے تھے۔

سیرت طیبہ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ پیدائشی طور پر امی ہونے کے باوجود آپ ﷺ کی ذات سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹے۔ آپ علم و عرفان اور حکمت و ایقان کا سرچشمہ ہیں۔ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے ہر طرح کے علوم و فنون جاری ہوئے۔ یہ بھی رسول کریم ﷺ کا ایک عظیم معجزہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی تمام علوم و فنون سے آگاہ فرمایا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ

"اور آپ کو وہ کچھ سکھایا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے۔"[2]

چنانچہ دنیا جانتی ہے کہ نبی ﷺ نے محض وحی الٰہی کے ذریعے جو باتیں بیان فرمائیں، انھیں ہر دور کے حکماء اور فلاسفہ نے خوب خوب قبول کر دکھایا۔ بڑے بڑے ماہرین نے ان کا ماہرانہ جائزہ لیا، ان کا خالص علمی اور فکری طریقے پر تجزیہ کیا مگر آپ کا یہ ذخیرۂ علم و حکمت ہر کسوٹی اور کلام کے ہر معیار پر پورا اترا۔ اس طرح آپ ﷺ کی طرف اترنے والی وحی اور اس کے ذریعے دیا جانے والا عالمگیر اخوت، دیانت، شرافت اور تقویٰ و پارسائی کا پیغام ہی آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی سب سے پکی اور سب سے بڑی دلیل ہے۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وحی الٰہی خود ہی اپنی دلیل اور اپنی سب سے بڑی دلیل ہے۔۔۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ اس دلیل کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔[3]

جنات سے بھی آسمان سے خبریں چرانے کی ممانعت

جنات ایک لطیف اور غیر مرئی مخلوق ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے انھیں بعض انسانوں پر ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ کچھ جنات جو قرآن مجید سن کر ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے تھے، قرآن مجید نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

1 یٰسٓ 69:36 2 النساء 4:113 3 تفصیل کے لیے دیکھیے: [illegible] 80/1

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا

"(اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) غور سے سنا تو انھوں نے کہا: بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ وہ رشد و ہدایت کی راہ دکھاتا ہے، لہٰذا ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور ہم کسی کو بھی اپنے رب کا ہرگز شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔"[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کی تفصیل اس طرح مروی ہے:

سوق عکاظ کے آثار



نخلہ وادی



رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ سوق عکاظ کی طرف تشریف لے گئے۔ اس وقت شیاطین اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی گئی، ٹوٹنے والے تارے ان پر بھیج دیے گئے۔ شیاطین (ناکام) لوٹے تو (ان کے ساتھی) پوچھنے لگے کہ تمھیں کیا ہوا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی گئی ہے، ہم پر تارے (شہاب ثاقب) بھیجے جا رہے ہیں۔ (ابلیس نے) کہا: تمھارے اور آسمانوں کی خبروں کے درمیان رکاوٹ کسی (زبردست) واقعے کی وجہ سے آئی ہے، لہٰذا زمین کی مشرقی اور مغربی سمتوں میں چل کر دیکھو کہ یہ کیا واقعہ رونما ہوا ہے؟ شیاطین زمین کے مشرق اور مغرب میں چل پھر کر دیکھنے لگے کہ یہ کیا معاملہ ہے جو ان کے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہو گیا ہے۔ جو شیاطین تہامہ کی طرف روانہ ہوئے تھے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مقام نخلہ میں اس وقت دیکھا جب آپ کا ارادہ سوق عکاظ کی طرف تشریف لے

تہامہ کے پہاڑ

1 الجن 72: 1، 2.



جنے کا تھا۔ آپ وہاں اپنے صحابہ کو نماز فجر پڑھا رہے تھے۔ جب انھوں نے قرآن سنا تو پوری توجہ سے کان لگا دیے۔ (قرآن سن کر) وہ بول اٹھے: بس یہی ہے وہ چیز جو تمھارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہوگئی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی قوم کے پاس جا کر کہا: اے ہماری قوم کے لوگو! ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کا رستہ بتاتا ہے، سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ وحی نازل فرمادی:

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ

"(اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) غور سے سنا۔"

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو جنوں کی بات بذریعہ وحی بتائی گئی تھی۔[1]

چنانچہ سنن ابی داود وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جنات کی حاضری کا واقعہ کئی بار پیش آیا۔ ان موقعوں پر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ ہوتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں اس مقام پر مسجد الجن ہے جہاں نبی اکرم ﷺ جنات سے ملاقات فرمایا کرتے تھے۔



مسجد الجن (مدینہ منورہ)

رسول اللہ ﷺ کے سامنے جنات کا ظاہر ہونا اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان کا اظہار کرنا خلاف عادت امور میں سے ہے جو تائید ایزدی کے بغیر ناممکن ہے۔

شہاب ثاقب کی کثرت

رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک غیر معمولی معاملہ، جس نے سرکش جنات کو جستجوئے حق پر آمادہ کیا جیسا کہ درج بالا سطور میں بیان ہوا ہے، شہاب ثاقب کی کثرت کا تھا۔ یہ بھی نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی علامتوں میں سے ایک ہے۔ قرآن مجید اس بات کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے:

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّن كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ۝ لَّا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ مِن كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُورًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۝ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ

1 - صحیح ... 611

"بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت دے کر سجایا ہے۔ اور ہر سرکش شیطان سے خوب حفاظت کرنے کے لیے۔ وہ عالم بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور انھیں مار بھگانے کے لیے ان پر ہر طرف سے (شہاب) پھینکے جاتے ہیں اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ مگر جو کوئی (ایک آدھ بات) اچانک اچک کر لے جائے تو نہایت چمکتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لگ جاتا ہے۔"[1]

ایک دوسرے مقام پر اس صورت حال کو جنات کے الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَّشُهُبًا ۝ وَّأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا

"اور بے شک ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہریداروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔ اور یقیناً ہم آسمان کے ٹھکانوں میں سن گن لینے کو بیٹھا کرتے تھے، چنانچہ اب جو بھی سننے کی کوشش کرتا ہے، وہ ایک شہاب کو اپنی گھات میں پاتا ہے۔"[2]

سفر معراج

آپ ﷺ کی مبارک زندگی کا سب سے انوکھا اور منفرد واقعہ جو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے، وہ آپ ﷺ کا سفر معراج ہے، انسانی طاقت سے ماورا یہ عجیب و غریب سفر ایک ہی رات، بلکہ چشم زدن میں مکمل ہوا۔ یہ سفر خواب نہیں تھا، کیونکہ خواب میں کسی شخص کا سفر، سفر نہیں کہلاتا، نہ خواب میں دیکھی ہوئی چیز کو اسراء (سیر کرنا) کہتے ہیں۔



مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کا ایک رخ

معراج کا سفر مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک اور بیت المقدس سے عرش معلی تک دو مرحلوں میں مکمل ہوا۔ ان میں سے پہلے مرحلے کا قرآن مجید میں صراحتاً ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِيْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا

1 الصّٰفّٰت 37:6-10 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا 3/30-40۔



تھا کہ (معاذ اللہ) آپ ﷺ کا کام ہی تمام کر دیا جائے، مگر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ دشمنوں سے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی بلکہ آپ کو ان کے نرغے سے بحفاظت نکال کر مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ دوران سفر میں بھی کئی مواقع ایسے آئے جب دشمن آپ ﷺ کے سر پر پہنچ گئے، مگر تائید ایزدی نے آپ ﷺ کو دشمنوں کی دسترس سے محفوظ رکھا، ارشاد تعالیٰ ہے:

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ

"اور (اے نبی! یاد کیجیے) جب وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، آپ کے بارے میں تدبیر کر رہے تھے تاکہ وہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو (مکہ سے) نکال دیں، اور وہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا۔"[1]

اثنائے سفر میں ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب دشمن عین آپ کے سر پر پہنچ گئے تھے۔ وہ آپ ﷺ کے اتنے قریب تھے کہ اگر وہ جھک کر دیکھتے تو آپ ﷺ کو ضرور دیکھ لیتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے عین سر پر پہنچ جانے کے باوجود انھیں ناکام و نامراد لوٹا دیا۔ اس واقعے کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ
لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا



"اگر تم اس (نبی) کی مدد نہیں کرو گے تو تحقیق اللہ نے اس کی (اس وقت) مدد کی (تھی) جب کافروں نے اس کو (مکہ سے) نکال دیا تھا، (وہ) دو میں سے دوسرا تھا، جبکہ وہ دونوں غار (ثور) میں تھے، جب وہ (نبی) اپنے ساتھی (ابوبکر) سے کہہ رہا تھا: غم نہ کر، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اس پر اپنی سکینت نازل کی اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنھیں تم نے نہیں دیکھا۔"[2]

ان دونوں آیتوں میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اگرچہ دشمن پوری طرح آپ ﷺ کی گھات میں لگا ہوا تھا، مگر نبی اکرم ﷺ کو تائید ایزدی حاصل تھی، اسی بنا پر آپ ﷺ حیات مبارکہ کے نازک ترین مرحلے سے خیر و عافیت کے ساتھ گزر گئے۔[3]

1 الانفال 30:8 2 التوبہ 40:9 3 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 250/4، 326.

ندامت اٹھانے والے خائب و خاسر ہو گئے

مکہ کے شریر اور بدکردار لوگ مسلح ہو کر رسول کریم ﷺ کے گھر کا محاصرہ کیے کھڑے تھے۔ وہ اس تاک میں تھے کہ جونہی آپ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائیں، وہ سب یکدم آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑیں۔ اور آپ ﷺ کی شمع زندگی گل کر دیں۔ ادھر آپ ﷺ سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیات تلاوت کرتے ہوئے گھر سے نکلے اور مٹھی بھر خاک ان لوگوں پر پھینکتے ہوئے بخیر و عافیت آگے چل دیے۔ جونہی آپ ﷺ کے کاشانۂ مبارک کا گھیراؤ کرنے والوں پر خاک پڑی، ان کی بصارت زائل ہو گئی۔ اچانک ایک شخص اس طرف سے گزرا تو پوچھنے لگا: اے قریش کے لوگو! تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟ انھوں نے بتایا: ہم محمد ﷺ کی گھات میں کھڑے ہیں۔ وہ شخص چیخ کر بولا: ارے بدبختو! اللہ تمھیں غارت کرے، محمد ﷺ تو کب کے یہاں سے جا چکے۔ یہ سن کر شریروں کا جتھا ہکا بکا رہ گیا۔ صبح ہوئی تو ان لوگوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بستر پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سو رہے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ ذلیل و رسوا ہو کر واپس چلے گئے۔[1]

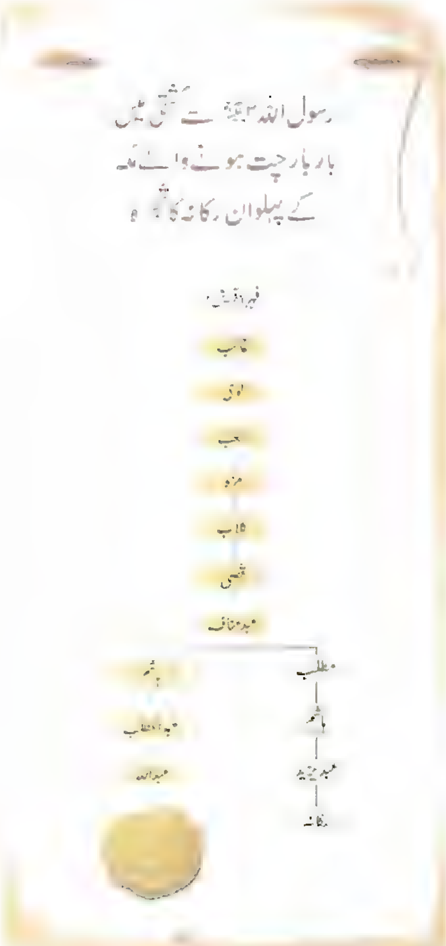
مکڑی کا جالا

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو قریش مکہ کے کھوجی آپ ﷺ کو ڈھونڈتے ہوئے غار ثور تک آ پہنچے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ یہ لوگ غار کے دہانے پر آئے تو وہاں مکڑی کا جالا دیکھا۔ ان لوگوں میں سے بعض افراد نے کہا کہ یہ جالا تو محمد کی ولادت سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ اگر کوئی غار میں داخل ہوتا تو اس جگہ جالا نہ ہوتا۔ چنانچہ یہ لوگ بے نیل و مرام واپس چلے گئے۔[2]

ابوجہل پر دہشت چھا گئی

ایک موقع پر ابوجہل نے ایک اراشی سے اونٹ خریدے لیکن اسے اونٹوں کی قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنے لگا۔ اراشی مکہ میں اجنبی تھا۔ وہ بہت پریشان ہوا اور قریش کے لوگوں سے داد فریاد کرنے لگا۔ انھوں نے اس غریب کو کورا سا جواب دے دیا۔ یہ شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بپتا سنائی۔ رسول اللہ ﷺ اس شخص کو ساتھ لے کر فوراً ابوجہل کے گھر پہنچ گئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابوجہل فوراً باہر آیا اور آپ ﷺ کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ابوجہل سے فرمایا: "اس شخص کو اس کا حق دے دو۔" ابوجہل آپ ﷺ سے اس قدر مرعوب ہوا کہ اس نے اراشی کو اسی وقت اونٹوں کی رقم ادا کر دی۔[3]

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 1/263، 264۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 4/272۔ 3 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 3/415، 416۔



رسول اللہ ﷺ نے رکانہ پہلوان کو پچھاڑ دیا

رکانہ بن عبد یزید قریش کے بڑے طاقتور پہلوان تھے۔ ایک گھاٹی سے چلے آرہے تھے کہ ان کی ملاقات نبی اکرم ﷺ سے ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''رکانہ! تم دینِ حنیف کیوں قبول نہیں کرتے؟'' انھوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ کا پیغام میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ ﷺ نے انھیں کشتی کے مقابلے کی پیش کش کی اور فرمایا: ''اگر میں تمھیں پچھاڑ دوں تو کیا تم یقین کرلو گے کہ میں جو دعوت دیتا ہوں، وہ بالکل سچ اور برحق ہے؟'' رکانہ نے کہا: جی ہاں! پھر رکانہ سے آپ ﷺ نے کشتی لڑی اور اسے آن واحد میں چت کر دیا۔ رکانہ کھسیانے ہوگئے اور دوبارہ کشتی کا چیلنج دینے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں پھر پچھاڑ دیا۔ رکانہ نے تیسری بار بھی مقابلہ کیا لیکن چت ہوگئے۔ رکانہ بہت حیران ہوگئے کہ مجھ جیسے مانے ہوئے پہلوان کو رسول اللہ ﷺ نے کتنی آسانی سے تین دفعہ ڈھا دیا۔ بالآخر وہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوگئے۔[1]

گوشت نے زہر سے آگاہ کر دیا

یہودیوں کی سازشیں، شرارتیں، عہد شکنیاں اور غداریاں ایسے سنگین جرائم کی حیثیت رکھتی تھیں جن کی کم سے کم

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا: 3/417-419۔



اور زہر سے زہر ہو گئی تھی سزائے موت کے سوا کچھ نہ تھی لیکن رحمت عالم ﷺ نے اپنی خلقی رحم دلی اور شفقت و مرحمت کا برتاؤ کرتے ہوئے ان لوگوں کو فتح خیبر کے بعد بھی اسباب معیشت و اقتصاد سے محروم نہیں فرمایا بلکہ انھیں بدستور باغوں اور کھیتوں میں کام کرنے کی اجازت دے دی۔ لیکن اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی نے ان لوگوں کو اندھا کر دیا۔ اس کا ایک مظاہرہ اس وقت سامنے آیا جب ایک یہودی عورت زینب بنت حارث کو یہودیوں نے ورغلایا اور یہ بدبخت عورت رسول اللہ ﷺ کی شمع زندگی بجھانے پر آمادہ ہو گئی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی ضیافت کی اور ایک زہر آلود بھنی ہوئی بکری آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ آپ ﷺ دستی کا گوشت بہت پسند تھا، جونہی آپ ﷺ نے بکری کی دستی کھانی چاہی، آپ ﷺ کو اس گوشت کے ٹکڑے نے خود بتا دیا کہ میں زہر آلود گوشت ہوں۔ آپ ﷺ نے اس گھناؤنے جرم کے باوجود اس بدبخت خاتون کو معاف کر دیا۔[1]

اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی حفاظت فرمائی

نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ ایک مہاجر صحابی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ احد کے دن عبداللہ بن شہاب زہری چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ مجھے محمد کا پتہ بتاؤ۔ اگر وہ میرے ہاتھوں بچ گئے تو پھر میری خیر نہیں ..... حالت یہ تھی کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ اس کے قریب اکیلے ہی کھڑے ہوئے تھے لیکن وہ چیختا چلاتا آگے بھاگا چلا جا رہا تھا۔ صفوان بن امیہ نے اسے ٹوکا تو وہ کہنے لگا کہ ہم چار آدمیوں کی ٹولی محمد کو قتل کرنے کا تہیہ کر کے آئی تھی۔ مگر محمد ہمیں نظر ہی نہیں آئے۔ نافع رضی اللہ عنہ ایک بدری صحابی کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ احد کے دن رسول اللہ ﷺ پر چاروں طرف سے تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی مگر کوئی تیر رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچ پایا۔ سارے تیر ادھر ادھر جا گرتے۔[2]

شکاری خود شکار ہو گیا

ایک مہم کے موقع پر رسول اللہ ﷺ ایک درخت تلے آرام فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی تلوار ایک ٹہنی میں

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلو پیڈیا: 433،432/8۔ [2] تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلو پیڈیا: 401،400/6۔

دامن اُحد میں مسجد اور احاطۂ شہداء



﴿وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا﴾

''اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ایک مخفی پردہ ڈال دیتے ہیں۔''[1]

ام جمیل قریب پہنچی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے پوچھنے لگی: اے ابن ابو قحافہ! تمھارے ساتھی کا کیا معاملہ ہے؟ مجھے پتہ چلا ہے کہ اس نے میری ہجو کی ہے اور میرے بارے میں شعر کہے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے مل جائے تو میں اس پتھر سے اس کا منہ کچل دوں گی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میرے ساتھی شاعر ہیں نہ شعروں کی کوئی سدھ بدھ رکھتے ہیں، نہ انھوں نے تیری کوئی ہجو کی ہے۔ ام جمیل بولی: کیا اس نے یہ نہیں کہا: ﴿فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ﴾ ''اس کی گردن میں چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔'' سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ جملہ انھوں نے نہیں کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اس سے پوچھو، کیا اسے تمھارے علاوہ کوئی اور شخص نظر آرہا ہے؟ وہ مجھے نہیں دیکھ سکتی۔ اللہ جل جلالہ نے میرے اور اس کے درمیان پردہ حائل کر دیا ہے۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بات ام جمیل سے پوچھی تو وہ بولی: اے ابن ابو قحافہ! کیا تم مجھ سے مذاق کرتے ہو؟ اللہ کی قسم! یہاں میں تمھارے علاوہ کسی کو موجود نہیں پاتی۔ پھر کہنے لگی: بھلا میری ہجو کون کرسکتا ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ میں قریش کے سردار کی بیٹی ہوں۔ اس کے بعد وہ یہ شعر پڑھتی ہوئی چلی گئی:

مُذَمَّمًا عَصَيْنَا … وَأَمْرَهُ أَبَيْنَا … وَدِينَهُ قَلَيْنَا

''ہم نے مذمم کی نافرمانی کی ہے، اس کی بات کا انکار کیا ہے اور اس کے دین سے بغض رکھا ہے۔''

بعدازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا تَعْجَبُونَ كَيْفَ يَصْرِفُ اللَّهُ عَنِّي شَتْمَ قُرَيْشٍ وَلَعْنَهُمْ، يَشْتِمُونَ مُذَمَّمًا وَيَلْعَنُونَ مُذَمَّمًا، وَأَنَا مُحَمَّدٌ»

''کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ کس طرح اللہ جل شانہ نے مجھے قریش کی بدزبانی اور لعن طعن سے محفوظ فرما دیا ہے۔ قریش مذمم کو گالیاں دیتے اور مذمم کی ہجو کرتے ہیں اور میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔''[2]

1 بنی اسرائیل 17:45. 2 صحیح البخاری: 3533، السیرۃ لابن ہشام 1/356، دلائل النبوۃ للبیہقی: 2/195-197، سنن النسائی و مسند أحمد 2/164، 10/256، فتح الباری: 8/941-944.

غزوات میں نصرت الٰہی کا نزول

غزوۂ بدر کے موقع پر نزول ملائکہ

رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقع پر انتہائی عاجزی کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو وحی کی کہ وہ اہل ایمان کو ثابت قدم رکھنے کے لیے ان کی مدد کو جائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إذ يوحي ربك إلى الملائكة أني معكم فثبتوا الذين آمنوا سألقي في قلوب الذين كفروا الرعب فاضربوا فوق الأعناق واضربوا منهم كل بنان﴾

''(اے نبی!) جب تمھارا رب فرشتوں کی طرف وحی کر رہا تھا کہ بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں، چنانچہ تم انھیں ثابت قدم رکھو جو ایمان لائے ہیں۔ میں جلد ہی ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا جنھوں نے کفر کیا، چنانچہ تم (ان کی) گردنوں پر وار کرو اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے مزید ارشاد فرمایا:

﴿ولقد نصركم الله ببدر وأنتم أذلة فاتقوا الله لعلكم تشكرون ۝ إذ تقول للمؤمنين ألن يكفيكم أن يمدكم ربكم بثلاثة آلاف من الملائكة منزلين ۝ بلى إن تصبروا وتتقوا ويأتوكم من فورهم هذا يمددكم ربكم بخمسة آلاف من الملائكة مسومين ۝ وما جعله الله إلا بشرى لكم ولتطمئن قلوبكم به وما النصر إلا من عند الله العزيز الحكيم﴾

''اور اللہ نے بدر میں عین اس وقت تمھاری مدد کی جب تم کمزور تھے، پس تم اللہ سے ڈرو تاکہ تمھیں شکر ادا کرنے کی توفیق ہو۔ (اے نبی!) جب آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے: کیا تمھارے لیے کافی نہ ہوگا کہ تمھارا رب (آسمان سے) تین ہزار فرشتے اتار کر تمھاری مدد کرے؟ کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور دشمن تم پر فوراً چڑھ دوڑے تو اسی لمحے تمھارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کرے گا جن پر خاص نشان لگے ہوں گے۔ اور اللہ نے اسے تمھارے لیے خوش خبری بنایا تاکہ اس سے تمھارے

1 الأنفال 12:8

دوں کو تسلی ہو اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت زبردست، نہایت حکمت والا ہے۔"[1]

جب نبی ﷺ اپنے مرکز قیادت میں اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری میں مصروف تھے اور اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کر رہے تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف وحی کی:

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ

"جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمھاری فریاد قبول کر لی (اور کہا) کہ بے شک میں ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کروں گا۔"[2]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ہلکی سی غنودگی آئی، پھر آپ ﷺ نے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا:

[illegible]

"ابوبکر! خوش ہو جاؤ۔ اللہ کی مدد آ گئی ہے۔ یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہیں اور ان کے سامنے کے دونوں دانت گرد و غبار سے اٹے ہوئے ہیں۔"[3]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"یہ جبریل ہیں جو اپنے گھوڑے کو سر (لگام) سے پکڑے ہوئے ہیں اور ہتھیار بند ہیں۔"[4]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک صحابی بدر کے دن اپنے آگے بھاگنے والے مشرک کے تعاقب میں بھاگ رہا تھا۔ اچانک اس نے اوپر سے کوڑے کی آواز سنی۔ اس کے ساتھ ہی ایک گھڑ سوار کی آواز بھی آئی جو کہہ رہا تھا: [illegible] "حیزوم! آگے بڑھو۔" مسلمان نے اچانک دیکھا کہ وہی بھاگنے والا مشرک شانوں کے بل چت گرا ہوا تھا۔ اس صحابی نے لپک کر دیکھا تو اس مشرک کی ناک زخمی اور چہرہ پھٹا ہوا تھا جیسے اسے کسی نے کوڑا مارا ہو اور (کوڑے کے زہر آلود ہونے کی وجہ سے) اس کا سارا جسم سبز ہو چکا تھا۔ اس انصاری صحابی نے یہ واقعہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں گوش گزار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"تم نے سچ کہا۔ یہ تیسرے آسمان سے مدد آئی تھی۔"[5]

1 آل عمران 3: 123-126. 2 الأنفال 8: 9. 3 السيرة لابن هشام 2/627. 4 صحيح البخاري: 3995. 5 صحيح مسلم: 1763.

میری تلوار رہ رہ کر میرے ہاتھوں سے گری جاتی تھی اور میں اسے بار بار تھامتا تھا۔[1]

امام اسحاق بن راہویہ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! اونگھ نے مجھ پر غلبہ پالیا اور ایک روایت میں ہے: جب ہم احد کے روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور ہمیں خوف نے گھیر رکھا تھا، عین اس وقت ہم پر نیند مسلط کر دی گئی۔ ہم میں سے ہر شخص کی ٹھوڑی اس کے سینے سے لگ گئی۔ اللہ کی قسم! میں اسی عالم غنودگی میں معتب بن قشیر کا یہ جملہ سن رہا تھا: لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا میں نے یہ بات یاد رکھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی:

يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا

''وہ کہتے ہیں کہ اگر اس معاملے میں ہمارا کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔''[2]

آندھی کے ذریعے نصرت

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور ہمیشہ دعا کیا کرتے تھے۔ بالخصوص حالت جنگ میں بڑی کثرت سے دعا مانگتے تھے۔ غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کی مشکلات اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ ماضی میں کبھی ایسی مثال پیش نہیں آئی۔ شدید محاصرے کی حالت میں کرب و بے چینی کا یہ عالم تھا کہ کلیجے منہ کو آنے لگے تو اللہ کے رسول ﷺ نے بارگاہِ الٰہی میں گریہ وزاری کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کی دعا قبول فرمائی۔ مصائب کے بادل چھٹ جانے کی خوشخبریاں آگئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے دشمن کا رخ پھیر دیا، ان کی جماعتیں تتر بتر کر دیں، ان پر سخت ٹھنڈی ہوا مسلط کر دی، ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور اپنی بارگاہِ عالی سے خاص لشکر نازل فرمائے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے احزاب ہی میں سے ایک نوجوان کو اسلام کی دولت سے نوازا جس نے اپنا اسلام مخفی رکھ کر کفار کی صفوں میں اختلاف کا زہر پھیلا دیا۔ اس طرح دشمن اپنی آگ میں خود ہی بھسم ہو گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی زبردست طوفانی آندھی چلائی کہ سرد اور تاریک رات میں اس کے تھپیڑوں سے مشرکین کی دیگیں الٹ گئیں۔ خیمے اکھڑ گئے۔ آگ بجھ گئی اور ان کے خیمے مٹی تلے دب گئے۔ مشرکین اس طویل جنگ سے پہلے ہی بد دل ہو چکے تھے، ادھر آندھی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ابوسفیان حواس باختہ ہو گیا، اس نے کوچ کا اعلان کر دیا۔ گویا یہ آندھی اللہ تعالیٰ کا ایک لشکر تھی جسے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے خلاف بھیجا تھا۔ اس آندھی کی وجہ سے انھیں شدید نقصانات اٹھانے پڑے۔ ان میں سخت مایوسی اور بددلی پھیل گئی۔

[1] صحیح البخاری: 4068۔ [2] المطالب العالیۃ لابن حجر: 219/4، المعجم الکبیر للطبرانی: 166/3۔

غزوۂ حنین میں فتح و نصرت

غزوۂ حنین نبی ﷺ کی زندگی کا واحد غزوہ ہے جس میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی، اسی بنا پر بعض صحابۂ کرام ؓ کو اپنی ظاہری قوت پر بھروسہ ہو گیا تھا، لیکن جس وقت لشکر اسلام بنو ہوازن کے تیر اندازوں کی زد میں آیا اور تیروں کی بارش شروع ہوئی تو مسلمانوں کے ہراول دستے کے قدم اکھڑ گئے، اس کے ساتھ ہی قلب لشکر میں موجود مجاہدین نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا اور میدان جنگ میں صرف رسول اللہ ﷺ اور آپ کے چند جان نثار باقی رہ گئے تھے۔ ایک لحاظ سے مسلمان تقریباً یہ جنگ ہارنے ہی والے تھے کہ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت نازل ہوئی اور آپ ﷺ کے بلانے پر بھاگنے والوں کے قدم واپس مڑنے لگے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کی صفوں کو دوبارہ منظم کیا، چند کنکریاں لے کر دشمن کی طرف پھینکیں اور فرمایا:

انْهَزَمُوا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ، انْهَزَمُوا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ

''محمد (ﷺ) کے رب کی قسم! وہ شکست کھا گئے۔ رب کعبہ کی قسم! مشرک شکست کھا گئے۔''

سیدنا عباس ؓ کہتے ہیں کہ میں نے میدان جنگ میں نظر دوڑائی، جنگ ابھی تک زوروں پر تھی لیکن اللہ کی قسم! جب آپ ﷺ نے کنکریاں پھینکیں تو (وہ مشرکوں کی آنکھوں میں جا لگیں،) ان کی تلواریں کند ہو گئیں (ان کا زور ٹوٹ گیا) اور وہ منہ پھیر کر بھاگنے لگے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خچر پر ان کا تعاقب کر رہے تھے۔[1]

اور پھر لشکر اسلام نے یک بارگی حملے سے دشمن کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس جنگ میں فتح و نصرت یقیناً امداد غیبی کی رہین منت تھی، اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا

''یقیناً اللہ نے بہت سے مقامات پر تمھاری مدد کی ہے اور حنین کے دن (بھی) جب تمھاری کثرت نے تمھیں خوش فہمی میں ڈال دیا تھا، تو وہ تمھارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر پلٹے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی اور اس نے اپنے لشکر اتارے جنھیں تم نے نہیں دیکھا۔''[2]

[1] صحیح مسلم: 1775 [2] التوبة 9: 26,25

معجزات خیر و برکت

سیرت نگاروں نے صراحت کی ہے کہ وہ احادیث جن میں رسول اللہ ﷺ سے برکت کے ظہور کا ذکر ہے، کثیر تعداد میں مروی ہیں۔[1] اس نوع کی روایات کو قریب قریب ہر محدث نے اپنے اپنے مجموعۂ احادیث میں نمایاں جگہ دی ہے۔ اس سلسلے میں چند واقعات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

گھی کے برتن میں برکت

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام مالک رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کو اپنے گھی کے ایک برتن میں گھی ہدیہ کیا کرتی تھیں۔ پھر ان کے بیٹے آتے اور سالن مانگتے، ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تو وہ اس برتن کا رخ کرتیں جس میں سے وہ آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتی تھیں تو اس برتن میں گھی موجود پاتیں، اس سے ان کے گھر میں سالن کا انتظام ہوتا رہتا، یہاں تک کہ انھوں نے اس برتن کو خوب اچھی طرح نچوڑ کر صاف کر لیا۔ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں گئیں تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا: ''کیا تم نے اسے (پورا) نچوڑ لیا؟'' وہ بولیں: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم اسے نہ نچوڑتیں تو اس میں ہمیشہ گھی موجود رہتا۔''[2]

دوران سفر کھانے میں برکت

سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ شرکاء کی تعداد ایک سو تیس افراد تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تم میں سے کسی کے پاس کچھ کھانا ہے؟'' ایک شخص کے پاس بمشکل ایک صاع کے قریب کچھ کھانا نکلا۔ اتنے میں ایک مشرک اپنے ریوڑ کے ساتھ وہاں سے گزرا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے ایک بکری خرید کر ذبح کی۔ سیدنا عبدالرحمن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس مختصر سے کھانے میں سے ہم سب نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا، پھر بھی کھانا بچ گیا۔ وہ بچا ہوا کھانا ہم نے اپنے ساتھ لے لیا۔[3]

1 [illegible]: 141، 2 [illegible]: 2280، 3 صحیح بخاری: 5382

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے جَو میں برکت

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوئے تو میرے گھر کے طاق میں صرف تھوڑے سے جَو موجود تھے۔ میں عرصۂ دراز تک انھیں کھاتی رہی، وہ ختم ہی نہیں ہوتے تھے۔ میں نے حیران ہو کر انھیں ماپا تو وہ ختم ہو گئے۔[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دی گئی کھجوروں میں برکت

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو برکت کی دعا کے ساتھ تھوڑی سی کھجوریں عطا فرمائیں۔ اللہ کی شان دیکھیے کہ وہ کھجوریں اتنی بڑھیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مدتوں اس توشہ دان میں سے کھجوریں نکال نکال کر کھاتے رہے۔ 50 وسق تو انھوں نے اللہ کی راہ میں خیرات کر ڈالیں مگر اس کے باوجود توشہ دان میں کھجوریں کم نہ ہوئیں۔[2]

کھجوروں کے ڈھیر لگ گئے

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ پر ان کے والد کے قرضوں کا بڑا بوجھ تھا اور قرض خواہ جابر رضی اللہ عنہ سے بڑی سختی سے ادائے قرض کا مطالبہ کرتے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس صورت حال کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ اپنی کھجوریں الگ الگ کر دو۔ عجوہ کھجوریں الگ کرو اور دوسری کھجوریں بھی الگ کرو۔ پھر مجھے اطلاع دے کر بلا لو۔'' جابر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دے دی۔ آپ ﷺ ان کے باغ میں تشریف لے آئے۔ آپ کھجوروں کے ایک ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور جابر سے فرمایا: ''جاؤ سارے قرض خواہوں کو بلا لاؤ۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے سب کو کھجوریں دینی شروع کیں۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی برکت سے سب کی کھجوریں ادا ہو گئیں، پھر بھی میرے باغ میں کھجوروں کا بہت بڑا ڈھیر باقی بچ گیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کیا کہ ادائے قرض کے بعد بھی میرے باغ میں کھجوروں کا بڑا ذخیرہ بدستور موجود ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے لب مبارک پر مسکراہٹ پھیل گئی۔[3]

تھوڑی سی کھجوریں تمام اہل خندق کے لیے کافی ہو گئیں

سعد بن مینا کہتے ہیں کہ بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے یہ واقعہ سنایا کہ میری ماں عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بلایا، کچھ کھجوریں دیں، پھر فرمایا: بیٹی! یہ ناشتہ اپنے والد اور اپنے ماموں عبداللہ بن رواحہ کو پہنچا دو۔ میں وہ کھجوریں لے کر

1 صحیح البخاري: 6451، صحیح مسلم: 2973، مسند احمد: 108/6 2 مسند احمد: 324/2 3 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 6/405-408۔



جا رہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزری۔ آپ ﷺ نے مجھے بلایا اور دریافت فرمایا: ''بیٹی! یہ تمھارے پاس کیا چیز ہے؟'' میں نے وہ کھجوریں آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں اور بتا دیا کہ یہ میری والدہ نے میرے والد اور میرے ماموں کے لیے بھیجی ہیں۔ یہ بہت تھوڑی کھجوریں تھیں۔ آپ ﷺ نے ایک کپڑا طلب فرمایا۔ پھر اس کپڑے پر وہ کھجوریں اپنے دست مبارک سے پھیلا دیں۔ پھر آپ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا: ''خندق کھودنے والوں کو آواز دو اور کہو کہ وہ آکر ناشتہ کر لیں۔'' وہ سب حضرات تشریف لے آئے اور کھجوریں کھانے لگے۔ جوں جوں وہ کھجوریں کھاتے جاتے تھے، کھجوریں اور زیادہ بڑھتی جاتی تھیں۔ وہ سب حضرات اچھی طرح کھا کر چلے گئے، پھر بھی یہ حال تھا کہ کھجوریں کپڑے سے باہر گری جا رہی تھیں۔[1]

حلوے کے پیالے میں برکت

عبداللہ بن معتب کہتے ہیں کہ ام عامر اشہلیہ رضی اللہ عنہا نے کھجور اور پنیر کا حلوہ بنا کر نبی ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمے میں تشریف فرما تھے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حسب خواہش یہ حلوہ کھایا اور باقی حلوہ رسول اللہ ﷺ کو پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے وہ حلوہ اٹھایا اور خیمے سے باہر تشریف لے گئے۔ پھر آپ ﷺ نے اعلان کرایا کہ اصحاب خندق آج رات کا کھانا رسول اللہ ﷺ کے ہاں کھائیں۔ وہ سب حضرات تشریف لائے۔ سب نے خوب جی بھر کر حلوہ کھایا۔ اس کے باوجود وہ حلوہ جوں کا توں باقی بچا رہا۔[2]

بڑھاپے کے باوجود بال کالے رہے

ایک معرکے میں ابوالیمان عقربہ جہنی رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے۔ ان کے بیٹے بشر رضی اللہ عنہ باپ کی لاش کے پاس بیٹھ کر رونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ اس طرف سے گزرے تو فرمایا: ''بشر! چپ ہو جاؤ۔ کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ میں تمھارا

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 7/283،284۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 7/285۔

باپ اور عائشہ تمھاری ماں بن جائے۔'' وہ عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! میں اس بات پر بالکل راضی ہوں۔ ان کی زبان میں لکنت تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے دم کیا تو ان کی لکنت جاتی رہی۔ ایک دن اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ جب ان پر بڑھاپا چھا گیا تو سارے بال سفید ہوگئے لیکن جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ پھیرا تھا، اس جگہ کے بال مرتے دم تک کالے ہی رہے۔ وہ 85ھ میں فلسطین میں فوت ہوئے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بکری کا گوشت

سیدنا ابوالیسر ؓ کا بیان ہے کہ ایک شام ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر میں تھے کہ ایک یہودی کی بکریاں آگئیں۔ وہ اس قلعے میں جا رہی تھیں جس کا ہم نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمیں ان بکریوں کا گوشت کون کھلائے گا؟'' ابوالیسر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: حضور! یہ کام میں کروں گا۔ پھر میں شتر مرغ کی طرح بھاگنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دعا دی: ''اے اللہ! ہمیں اس کے ذریعے سے فائدہ پہنچا۔''



اذخر گھاس

میں نے جلد ہی دونوں بکریاں پکڑ لیں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ صحابہ کرام ؓم نے انھیں ذبح کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ گوشت صحابہ کرام نے بھی کھایا۔ ابوالیسر 55ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔[2]

نوجوان کی تقدیر چمک اٹھی



ثمام (جھاڑی نما گھاس)

سیدہ ام سلمہ ؓا فرماتی ہیں کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف فرما تھے۔ ایک لڑکا آیا۔ اس نے ہمیں اونٹ اور بکریوں کے گوشت کا ہدیہ پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس لڑکے کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔ اس نے بوسیدہ چادر اوڑھ رکھی تھی۔ آپ ﷺ نے اس لڑکے سے دریافت فرمایا: ''تمھارے گھر والے کہاں ہیں؟'' وہ بولا: میں نے انھیں ضجنان کے نواح میں چھوڑا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''اب اس علاقے کا کیا حال ہے؟'' لڑکے نے جواب دیا: وہاں خاردار درختوں پر ہرے بھرے پتے ہیں، اذخر گھاس خوب اُگی ہوئی ہے۔ ثمام گھاس بھی اُگ آئی ہے۔ ترش پودے بھی اُگے ہوئے

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلو پیڈیا 357/6۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلو پیڈیا 377/8۔

ہیں۔ زمین تر ہے۔ اونٹ اور بکریاں وہاں سے خوب سیر ہو کر آتی ہیں۔ زمین میں پانی کی بہتات ہے۔ وہاں مویشی چرنے جاتے ہیں تو زمین کی قدرتی رطوبت کی وجہ سے انھیں پانی پینے کی ضرورت بہت کم پیش آتی ہے.....
رسول اللہ ﷺ اس نوجوان کی خوش بیانی سے بہت خوش ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا: ''اس نوجوان کو بہترین پوشاک پہناؤ۔'' اسے بہت عمدہ پوشاک پہنا دی گئی۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کرنے لگا: میں برکت کے حصول کے لیے آپ ﷺ کے دست مبارک کو چھونا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے اسے قریب کر لیا۔ پھر اس نے آپ ﷺ کا دست مبارک خوب چوما۔ آپ ﷺ نے دعا دی: ''اللہ تجھے برکت عطا فرمائے۔'' بعد میں وہ نوجوان لمبی عمر کو پہنچا اور بہت برگزیدہ شخصیت بن گیا۔ وہ ولید بن عبدالملک کے دور خلافت میں فوت ہوا۔[1]

پانی کے برتن سے چشمہ جاری ہو گیا

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مقام زوراء میں تھے کہ آپ ﷺ کے سامنے پانی کا ایک برتن لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس میں ہاتھ ڈالا تو پانی آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان جوش مارنے لگا۔ پھر اس چھوٹے سے برتن سے تقریباً تین سو افراد نے وضو کیا۔[2]

ایک دوسری روایت میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نماز عصر کے وقت پانی کی اتنی قلت ہوئی کہ وضو کے لیے بھی پانی دستیاب نہ تھا۔ اس موقع پر ایک چھوٹے سے برتن میں پانی لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس میں اپنا ہاتھ رکھا تو اس سے چشمہ رواں ہو گیا اور تمام لشکر اسلام نے خوب وضو کیا۔[3]

اسی طرح سیدنا زیاد بن حارث الصدائی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک سفر کے دوران میں پانی کا ایک برتن دیا جس میں سے انھوں نے وضو کیا، پھر آپ ﷺ نے اس برتن میں ہاتھ ڈالا تو پانی جوش مار کر ابلنے لگا۔[4]

پانی کے چھوٹے سے برتن سے ستر افراد نے وضو کیا

اسی طرح ایک اور سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تقریباً 70 صحابۂ کرام تھے۔ اسی دوران میں ایک جگہ نماز کا وقت ہو گیا۔ مگر وہاں پانی موجود نہ تھا۔ ایک صحابی ایک پیالے میں تھوڑا سا پانی لے کر آئے۔ آپ ﷺ نے اس سے وضو کیا، پھر آپ نے چار انگلیاں دراز کیں اور فرمایا: ''اٹھو وضو کر لو۔'' چنانچہ تمام لوگوں نے آپ ﷺ کی

1 تعلیقات کے لیے دیکھیے: سیرت النبی ﷺ بیہقی: 86,85/8۔ 2 صحیح البخاري: 3572۔ 3 صحیح البخاري: 3573۔ 4 مسند احمد: 169,168/4۔

مبارک انگلیوں سے نکلنے والے پانی سے با سانی وضو کرلیا۔[1]

ایک مشکیزے سے ہزاروں کیلئے پانی کا حصول

ایک غزوے کے دوران میں پانی کی شدید قلت پیدا ہوگئی، اس وقت لشکر اسلام ایک چٹیل میدان میں خیمہ زن تھا۔ تلاش بسیار کے بعد ایک عورت ملی جو پانی کا مشکیزہ اٹھائے ہوئے گھر جا رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ یہاں آس پاس کہیں پانی موجود نہیں ہے اور یہ کہ اس کے گھر کا فاصلہ ایک دن اور رات ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس عورت کو آپ ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپ ﷺ نے اس کے مشکیزے پر ہاتھ پھیرا اور اس کا منہ کھولنے کا حکم دیا۔ اس وقت وہاں تقریباً 40 آدمی تھے، ان سب نے شکم سیر ہوکر پانی پیا اور اپنے تمام مشکیزے اور برتن بھی بھر لیے۔ پھر مشکیزے کا منہ بند کر دیا گیا۔ پھر بھی مشکیزہ جوں کا توں رہا۔ یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھ کر وہ عورت مسلمان ہوگئی۔[2]

مبارک انگلیوں سے چشمہ پھوٹ پڑا

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: حدیبیہ کے روز ہمیں سخت پیاس لگی۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک چھوٹے برتن میں پانی موجود تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے وضو کیا تو لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں آگئے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا بات ہے؟'' لوگوں نے عرض کیا: ہمارے پاس وضو کے لیے پانی ہے نہ پینے کے لیے، بس سارا پانی وہی ہے جو اس وقت آپ ﷺ کے برتن میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ برتن میں ڈال دیا تو ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے پانی چشمے کی طرح پھوٹ کر بہ رہا ہے۔ پھر ہم سب نے جی بھر کے پانی پیا اور وضو بھی کیا۔ سالم بن ابی الجعد کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا جابر سے پوچھا: اس دن آپ حضرات کتنی تعداد میں تھے؟ انھوں نے فرمایا: اس دن ہم سب پندرہ سو افراد تھے لیکن اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تب بھی اچھی طرح سیراب ہو جاتے۔[3]

سوکھا ہوا چشمہ تموج میں آگیا

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ ہمیں ظہر اور عصر بعد ازاں مغرب اور عشاء کی نماز جمع کرکے پڑھاتے رہے۔ ایک دن آپ ﷺ نے عشاء کی نماز کے بعد فرمایا: ''ان شاء اللہ کل تم چاشت کے وقت تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے، تم میں سے جو شخص وہاں پہنچ جائے، وہ میرے

1 صحيح البخاري: 5274. 2 صحيح البخاري: 3571. 3 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 8/485-487.

پہنچنے تک اس چشمے سے پانی نہ نکالے۔‘‘ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صبح کے وقت وہاں پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ دو منافق آدمی ہم سے پہلے ہی وہاں پہنچے ہوئے ہیں اور چشمے سے قطرہ قطرہ پانی رس رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: ’’کیا تم نے چشمے سے پانی نکالا ہے؟‘‘ انھوں نے اعتراف کیا کہ ہم نے تھوڑا سا پانی نکالا ہے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں پر ناراضی کا اظہار فرمایا۔ پھر آپ ﷺ کے حکم پر صحابۂ کرام نے چشمے سے قطرہ قطرہ پانی جمع کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس پانی میں اپنا چہرۂ اقدس اور مبارک ہاتھ دھوئے۔ برکت کی دعا کی اور یہی پانی چشمے میں ڈال دیا۔ جونہی یہ پانی ڈالا گیا، چشمہ جوش میں آ کر یکدم اُبل پڑا اور تیزی سے بہنے لگا۔ پھر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جی بھر کے پانی پیا اور اپنے اونٹوں کو بھی پلایا۔[1]

خشک کنویں سے پانی اُچھل پڑا

رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک وادی میں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یہاں تو دور دور تک پانی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو تیر مرحمت فرمایا۔ وہ صحابی تیر لے کر اس علاقے کے ایک کنویں میں اتر گئے اور کنویں کے بیچ میں رسول اللہ ﷺ کا عطا کردہ تیر گاڑ دیا۔ جیسے ہی یہ تیر کنویں میں پیوست ہوا پانی جوش مار کر اُبل پڑا، پھر صحابۂ کرام بھی جی بھر کے پانی پیتے رہے اور ان کے اونٹ بھی سیراب ہوتے رہے۔[2]

حدیبیہ کے کنویں میں پانی کی فراوانی

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فتح مکہ یقیناً عظیم الشان فتح تھی لیکن ہم اس دن کی بجائے حدیبیہ کے دن بیعت رضوان کو فتح و ظفر مندی کا دن سمجھتے ہیں۔ اس دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ 1400 سرفروش تھے۔ ہم نے وہاں ایک کنویں سے اتنا پانی نکالا کہ کنویں میں ایک بوند بھی باقی نہ بچی۔ یہ اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ملی تو آپ اس کنویں کے کنارے پر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے ایک برتن میں پانی منگایا۔ اس پانی سے وضو کیا، کلی کی اور دعا کی۔ پھر پانی کنویں میں ڈال دیا۔ کنویں میں پانی کی اس قدر فراوانی ہوئی کہ ہم بھی جی بھر کے پانی پیتے رہے اور ہمارے اونٹ بھی پانی پی پی کر نہال ہو گئے۔[3]

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 9/505-509۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 8/77-81۔
3 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 8/78۔

سیدہ ام معبد کی لاغر بکری کا معجزہ

اللہ کی راہ کے مقدس ترین مہاجر محمد رسول اللہ ﷺ مکہ پر الوداعی نظر ڈال کر مدینہ جا رہے تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ عبداللہ بن اریقط لیثی راستے کی نشاندہی کر رہا تھا۔ چلتے چلتے یہ مقدس و مختصر قافلہ ام معبد کے خیمے کے قریب سے گزرا۔ اس خوش بخت خاتون کا اصل نام عاتکہ تھا لیکن یہ ام معبد کی کنیت سے معروف تھی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس خاتون سے کچھ گوشت اور کھجوریں قیمتاً طلب فرمائیں۔ ام معبد بولی: ہمارے پاس کچھ نہیں ہے، اگر کچھ ہوتا تو میں آپ حضرات کی بڑی خوشی سے ضیافت کرتی۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ ام معبد کے خیمے میں ایک بکری کھڑی ہے۔ آپ ﷺ نے اس بکری کا دودھ دوہنے کی اجازت مانگی۔ ام معبد کہنے لگی: اگر اس بکری میں دودھ کی کوئی رمق ہے تو ضرور دوہ لیجیے، وہ تو سوکھی ہوئی بکری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بکری کے تھن چھو کر برکت کی دعا کی۔ پھر ایک بڑا برتن منگوا کر اسے دوہنا شروع کر دیا۔ اس قدر وافر دودھ نکلا کہ آپ ﷺ نے ام معبد کو، پھر اپنے ساتھیوں کو خوب دودھ پلایا، بعد ازاں خود نوش فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے دوبارہ دودھ دوہا۔ ام معبد کے سارے برتن دودھ سے لبریز ہو گئے۔ وہ سارا دودھ آپ ﷺ نے ام معبد کے حوالے کیا، پھر اسے اللہ حافظ کہہ کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ام معبد اپنے گھر میں دودھ کی بہتات دیکھ کر حیرت زدہ بیٹھی تھی کہ اس کا شوہر اپنی بکریوں کا ریوڑ لے کر واپس آ پہنچا۔ وہ بھی خلاف توقع دودھ کی فراوانی دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے ام معبد سے کہا کہ ہماری بکری تو اتنی لاغر تھی کہ اس میں دودھ کی ایک بوند بھی نہیں تھی۔ پھر اتنا سارا دودھ کہاں سے آ گیا؟ ام معبد نے رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کا حال سنایا اور کہا کہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو، یہ اسی اُجلے اور ارفع انسان کا فیض ہے۔[1]

عسفان کی ایک تصویر



غذائی قلت ختم ہوئی

رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی کا سفر شروع کیا تو عسفان میں پڑاؤ کے دوران غذائی قلت پیدا ہوئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے شدید بھوک کی حالت بیان کی اور اونٹوں کو ذبح کرنے کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ یہ صورت حال جان کر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت ابن کثیر 235-230/4۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اونٹ ذبح کرنے کی اجازت مت دیجیے۔ کیونکہ اس طرح سواریاں کم پڑ جائیں گی اور سفر دوبھر ہو جائے گا اور اگر ہمیں دشمن کا سامنا ہو گیا تو بڑی نازک صورت حال پیدا ہو جائے گی۔ اگر آپ ﷺ مناسب خیال فرمائیں تو سب لوگوں سے ان کی پسماندہ غذا منگوا لیں۔ ایک جگہ جمع کریں اور برکت کی دعا فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز منظور کر لی اور سب کو حکم دیا کہ اپنا بچا کچھا زادِ راہ لے آؤ۔ چمڑے کا دستر خوان بچھایا گیا، پھر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنا اپنا کھانے پینے کا سامان لے آئے۔ کوئی مٹھی بھر کھجور لایا، کوئی قدرے زیادہ۔ ہم نے دستر خوان پر یہ سارا سامان خورونوش ایک ڈھیری کی شکل اختیار کر گیا۔ چودہ سو صحابہ کرام کے لیے یہ چھوٹی سے ڈھیری ناکافی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے برکت کی دعا کی۔ پھر سب نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اپنے برتن بھی بھر لیے مگر غذا کی ڈھیری میں کوئی کمی نہیں آئی۔ یہ دعائے رسول کی برکت تھی۔ [1]

ایک بکری ایک ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے کافی ہو گئی

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب خندق کھودی جا رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا شکمِ مبارک بھوک کی شدت سے کمر سے لگا ہوا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر میں فوراً گھر گیا۔ ہمارے ہاں ایک بکری تھی، میں نے اسے ذبح کر دیا اور میری بیوی نے گھر میں موجود ڈھائی کلو کے قریب جو لے کر ان کا آٹا پیس لیا۔ اب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ضیافت کی درخواست کرنے کے لیے جانے لگا تو میری بیوی نے کہا: اس بات کا دھیان رکھنا کہ میں رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے روبرو شرمندہ نہ ہونے پاؤں۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور چپکے سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے ایک بکری ذبح کی ہے اور میری بیوی نے ایک صاع جو کا آٹا پیسا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے گھر میں کچھ نہیں، آپ ﷺ چند صحابہ کرام کو لے کر میرے گھر تشریف لے چلیے اور ماحضر تناول فرمائیے۔ میری درخواست سن کر رسول اللہ ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا: ”اے اہلِ خندق! جابر نے تمھاری ضیافت کی ہے۔ آؤ! تم سب میرے ساتھ چلو۔“ اس اعلان کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ کو تاکید فرمائی کہ جب تک میں نہ آجاؤں، ہنڈیا چولھے سے مت اُتارنا۔ نہ آٹے کی روٹی پکانا۔ میں واپس گھر آیا تو رسول اللہ ﷺ خندق پر موجود سب صحابہ کو لے کر میرے گھر تشریف لے آئے۔ بیوی نے صحابہ کرام کی کثرت دیکھ کر مجھے ملامت کی۔ میں نے بیوی کو بتا دیا کہ میں نے تمھارے کہنے کے مطابق عمل کیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے سب کو ضیافت پر مدعو فرما لیا۔ میری بیوی نے آٹا رسول اللہ ﷺ کی خدمت

[1] صحیح مسلم: 27، ومسند احمد 58/5، تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: سیرت انسائیکلوپیڈیا 8/155-156۔

میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے آٹے میں اپنا لعاب مبارک ملایا اور برکت کی دعا کی۔ پھر ہنڈیا کے پاس تشریف لے گئے۔ اس میں بھی اپنا لعاب مبارک ڈالا اور برکت کی دعا کی۔ پھر میری بیوی سے فرمایا: ''ایک روٹی پکانے والی کو بلاؤ تاکہ وہ تمھارے ساتھ مل کر روٹیاں پکائے اور تم ہنڈیا سے سالن پیالے میں نکالتی رہو اور ہنڈیا کو چولہے سے مت اتارنا۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک ہزار تھی۔ اللہ کی قسم! سب نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ پھر بھی ہماری ہنڈیا لبالب بھری رہی اور آٹا بھی حسب سابق پورے کا پورا موجود رہا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اب خود بھی کھاؤ اور دیگر لوگوں کو بھی تحفتاً بھیجو کیونکہ وہ بھی بھوکے ہیں۔''[1]

تھوڑے سے حلوے سے تین سو صحابہ کا پیٹ بھر گیا



سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے مجھ سے فرمایا کہ یہ بڑا اچھا موقع ہے، اس وقت ہمیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنا چاہیے۔ میں نے اس تجویز کی تائید کی۔ انھوں نے ایک ہنڈیا میں کھجوریں، گھی اور پنیر ملا کر حلوہ بنایا۔ میں نے یہ حلوہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے رکھ دو۔'' پھر فرمایا کہ ''فلاں فلاں افراد کو بلا لاؤ اور راستے میں جو شخص ملے اسے بھی بلا لو۔'' میں نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی، پھر واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ سارا گھر لوگوں سے بھرا ہوا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں مبارک ہاتھ حلوے پر رکھے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے برکت کی دعا کی۔ پھر حاضرین سے فرمایا: ''آپ سب دس دس افراد کی ٹولیاں بنائیں اور ہر آدمی اپنے آگے سے کھائے۔'' سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 286,285/7۔

حاضرین کی تعداد تین سو کے لگ بھگ تھی، سب نے وہ حلوہ خوب کھایا۔[1]

بکری کی دستی

رسول اللہ ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مجھے بکری کی دستی دے دو۔ اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو دستی دے دی۔ آپ ﷺ نے یہ دستی تناول فرمانے کے بعد پھر دستی طلب فرمائی۔ اسامہ کہتے ہیں: میں نے دوبارہ دستی پیش کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دستی بھی تناول فرمائی۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ''مجھے دستی دو۔'' اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے دو مرتبہ دستی طلب فرمائی، میں نے دونوں مرتبہ دستی پیش کر دی۔ بکری کی تو دو ہی دستیاں ہوتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''اگر تم یہ بات نہ کہتے اور دستی اٹھانے کے لیے جھکتے تو جتنی دیر تک میں دستیاں مانگتا رہتا تم بدستور دستیاں پاتے چلے جاتے۔''[2]

سست رفتار اونٹنی تیز ہو کر سب سے آگے نکل گئی

ابن ہشام نے بیان کیا ہے کہ حلیمہ سعدیہ جب آپ ﷺ کو گود لے کر واپس ہوئیں تو ان کی سواری، جو پہلے ان کی ہمجولیوں کی سواریوں سے پیچھے رہ جاتی تھی، اب سب سے آگے آگے تھی۔ ان کی ہمجولیاں بار بار تعجب کا اظہار کرتی تھیں کہ کیا یہ وہی سواری نہیں ہے جو آتی مرتبہ تمھارے پاس تھی؟ حلیمہ کہتیں: ہاں، یہ وہی سواری ہے مگر اب اس کی شان ہی نرالی ہے۔[3]

تھکا اونٹ سب پر سبقت لے گیا

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں محو سفر تھا۔ میں پانی ڈھونے والے اونٹ پر سوار تھا جو بالکل تھک چکا تھا اور چلنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ سب لوگ آگے چلے گئے۔ میں (علاج کے لیے) اسے داغنے لگا مگر اس کی حالت سے مجھے تشویش لاحق ہوگی۔ ادھر سے رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ سب لوگوں سے پیچھے تھے۔ آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا: ''تمھارے اونٹ کو کیا ہوا؟'' میں نے عرض کیا: یہ بیمار ہے، سست ہے، تھک

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 121،120/7۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 481-479/8، 274/...۔ 3 ... : 173،172/...۔

چکا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کے سینے پر کچھ پانی ڈالا، پھر اسے ہلکی سی ضرب لگائی اور دعا فرمائی۔ وہ اونٹ اچھل کر کھڑا ہو گیا، پھر فرمایا: ''اب اللہ کا نام لے کر سوار ہو جاؤ۔'' میں نے عرض کیا: میں تو اس بات پر بھی راضی ہوں کہ وہ قافلے کے ساتھ ساتھ خالی چلتا رہے اور میں پیدل چلتا رہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سوار ہو جاؤ۔'' میں سوار ہو گیا۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں اسے بڑی مشکل سے رسول اللہ ﷺ سے آگے بڑھنے سے روک رہا تھا۔ میں اس سے پہلے اور بعد میں کبھی اس سے بہتر، تیز رفتار اور مطیع جانور پر سوار نہیں ہوا۔ وہ تمام اونٹوں سے سبقت لے گیا، اب وہ سب سے آگے ہی چلا جا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اب تیرا اونٹ کیسا ہے؟'' میں نے کہا: بہت اچھا ہے، اسے آپ کی برکت حاصل ہو گئی ہے۔[1]

مریل گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ اہل مدینہ کسی افواہ سے گھبرا گئے۔ رسول اللہ ﷺ فوراً ابوطلحہ کے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ یہ گھوڑا بڑا سست تھا۔ جب آپ ﷺ واپس آئے تو فرمایا: ''بھئی! ہم نے تو اسے سمندر پایا۔'' اس کے بعد کبھی کوئی گھوڑا دوڑ میں اس سے آگے نہیں بڑھ سکا۔[2]

بکری کے بچے نے دودھ دیا

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں بکریاں چرا رہا تھا کہ آپ ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور مجھ سے پینے کے لیے کچھ دودھ مانگا، مگر میں نے معذرت کر دی کہ مجھے مالک کی طرف سے اس کی

1 صحیح البخاري: 2097 و 2967، صحیح مسلم: (57)-1466، دلائل النبوة لأبي نعيم: 157,156/2، الخصائص الكبرى للسيوطي: 58/2، دلائل النبوة للبيهقي: 152/6۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا: 493/8۔

2 صحيح البخاري: 2867، صحيح مسلم: 2307، مسند أحمد: 147/3۔



خلیفہ عبدالحمید ثانی کی تعمیر کردہ مسجد عنبریہ (مدینہ منورہ)

اجازت نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''اچھا بکری کا کوئی بچہ ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں ہے۔ آپ ﷺ نے اسے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ میں نے بکری کا بچہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا تو آپ کے ہاتھ کی برکت سے اس بکری کے بچے نے دودھ دیا۔ پھر یہ دودھ پہلے آپ ﷺ نے، پھر سیدنا ابوبکر ؓ نے، بعدازاں میں نے پیا۔[1]

بابرکت لقمہ

سیدنا ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر مجھ پر تین دن کا فاقہ گزرا۔ میں گرتا پڑتا صفہ پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ثرید کا ایک بڑا پیالہ لائے ہیں اور اہل صفہ کو کھلا رہے ہیں۔ اہل صفہ کھانا ختم کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ثرید کا پیالہ بالکل صاف ہو گیا، بس کناروں پر تھوڑا سا ثرید لگا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے جمع کر کے ایک لقمہ بنایا اور مجھ سے فرمایا: ''لو! بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ!'' اللہ کی قسم! میں وہ لقمہ لگاتار کھاتا رہا یہاں تک کہ میرا پیٹ بھر گیا۔[2]

دودھ کا پیالہ اہل صفہ کے لیے کافی ہو گیا

سیدنا ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں بھوک سے نڈھال ہو کر ایک راستے پر بیٹھ گیا۔ وہاں سے ابوبکر اور عمر ؓ گزرے۔ میں نے ان حضرات کو اس خیال سے روکا کہ یہ مجھے کچھ کھلا پلا دیں لیکن دونوں حضرات میرا مدعا نہیں سمجھے اور آگے چلے گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ بھانپ گئے کہ میں بھوکا ہوں۔ آپ ﷺ مجھے اپنے ساتھ اپنے کاشانۂ مبارک میں لے گئے۔ آپ ﷺ کے گھر میں بطور ہدیہ آیا ہوا دودھ کا ایک پیالہ موجود تھا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''جاؤ! اہل صفہ کو بلا لاؤ!'' میں سوچنے لگا: دودھ کا صرف ایک پیالہ ہے، یہ صفہ والے پی لیں گے تو بھلا مجھے کیا نصیب ہوگا؟ میں یہی سوچتے سوچتے اہل صفہ کو بلا لایا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا: ''لو یہ دودھ صفہ والوں کو پلاؤ۔'' وہ سب دودھ پی کر واپس چلے گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ پیالہ مجھے مرحمت فرمایا۔ میں دودھ پیتا رہا، پیتا رہا حتی کہ میرا پیٹ بھر گیا۔ بعدازاں رسول اللہ ﷺ نے یہ دودھ نوش فرمایا۔[3]

کمزور سواری سب پر مقدم ہو گئی

سیدنا جعیل بن زیاد اشجعی ؓ کی کمزور سواری پر رسول اللہ ﷺ کی برکت کا واقعہ خود ان کی زبان سے سنیے، وہ

1 الطبقات لابن سعد 1/122۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 4/502۔ 3 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 4/...۔

کہتے ہیں: میں ایک جنگی سفر میں انتہائی کمزور گھوڑی پر سوار تھا اور سب لوگوں سے پیچھے تھا۔ رسول اللہ ﷺ مجھ سے آن ملے۔ آپ نے چابک اٹھایا، گھوڑی کو ہلکی سی ضرب لگائی اور فرمایا: ''اے اللہ! اس میں برکت دے۔'' پھر تو یہ تھا، وہ اس قدر تیز ہو گئی کہ میں سب لوگوں سے آگے جا رہا تھا۔ پھر میں نے اس کی نسل سے بارہ ہزار دینار کے گھوڑے بیچے۔[1]



تھوڑے سے پانی میں بے انتہا اضافہ

سیدنا ابوقتادہ ؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ''تمھارے پاس تھوڑا بہت پانی ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں! لوٹے میں کچھ پانی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ لوٹا اٹھا لاؤ۔'' میں لوٹا لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا: ''آؤ! یہاں سے پانی لو اور وضو کرو۔'' آپ ان کے برتنوں میں پانی ڈالنے لگے۔ سب لوگوں نے وضو کر لیا اور لوٹے میں کچھ پانی پھر بھی بچ گیا۔ آپ نے فرمایا: ''ابوقتادہ! اسے سنبھال کر رکھو، یہ عجیب شان دکھلائے گا۔'' پھر انھوں نے مزید ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک وقت ایسا آیا کہ صحابۂ کرام نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم پیاس سے مرنے لگے ہیں اور سواریاں بھی چلنے سے عاجز آ چکی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''فکر نہ کرو، کچھ نہیں ہوگا۔'' پھر فرمایا: ''ابوقتادہ! وہ لوٹا لاؤ۔'' میں وہی لوٹا اٹھا کر پھر آپ ﷺ کے پاس لے گیا۔ آپ نے فرمایا: ''میرے پیالے کا کپڑا کھول دو۔'' میں کپڑا اتار کر پیالہ آپ ﷺ کی خدمت میں لایا۔ آپ لوٹے سے اس پیالے میں پانی ڈالنے لگے اور لوگ پینے لگے۔ جب بہت زیادہ ہجوم ہو گیا اور دھکم پیل ہونے لگی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! اطمینان سے اپنے اپنے برتن بھرو۔

1 المعجم الكبير للطبراني 315/2، حديث: 2172، مجمع الزوائد: 262/5، دلائل النبوة للبيهقي: 153/6، السنن الكبرى للنسائي: 8818

ہر شخص سیر ہو کر جائے گا۔'' لوگوں نے خود بھی خوب پانی پیا، اپنے گھوڑوں، گدھوں اور اونٹوں کو بھی پلایا حتی کہ ان کے پاس جو لوٹے، مشکیزے، ڈولچی اور برتن تھا اسے بھی پانی سے لبالب بھر لیا۔ اب صرف میں اور رسول اللہ ﷺ رہ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابو قتادہ! پیو۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! پہلے آپ نوش فرمائیں۔ فرمایا: [illegible] ''پلانے والا آخر میں پیا کرتا ہے۔'' میں نے پیا، پھر میرے بعد آپ ﷺ نے پانی پیا۔ اب بھی لوٹے میں پہلے جتنا پانی باقی تھا۔ اور اس وقت حاضرین تین سو تھے۔[1]

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوازن سے جنگ کرنے گئے۔ ہمیں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ ﷺ کے پاس ایک کوزے میں تھوڑا سا پانی لایا گیا۔ آپ کے حکم سے وہ پانی پیالے میں ڈال دیا گیا۔ ہم وضو کرنے لگے حتی کہ سب نے وضو کر لیا۔[2]

خشک کنویں سے پانی جاری ہو گیا

زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، میں نے رسالت مآب ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے کنویں کی حالت یہ ہے کہ سردیوں میں تو اس کا پانی ہمارے لیے کافی ہوتا ہے اور ہم موسم سرما میں اکٹھے رہتے ہیں۔ گرمیوں میں اس کا پانی بہت کم رہ جاتا ہے تو ہمیں اردگرد کے دوسرے کنوؤں پر منتشر ہو کر رہنا پڑتا ہے۔ اب ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور اردگرد کے سب لوگ ہمارے دشمن بن گئے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ ہمارے کنویں کا پانی ہمیں ہر موسم میں کفایت کرے تاکہ ہم اکٹھے رہ سکیں اور ہمیں ادھر ادھر نہ جانا پڑے۔ آپ ﷺ نے سات کنکریاں منگوائیں۔ انھیں اپنے مبارک ہاتھ میں ہلایا اور ان پر کچھ پڑھا، پھر فرمایا: ''ان کنکریوں کو لے جاؤ۔ جب کنویں پر آؤ تو اللہ کا نام لے کر ایک ایک کر کے ڈالتے جاؤ۔'' وہ کہتے ہیں: ہم نے اسی طرح کیا۔ اس کے بعد ہمیں اس کنویں کا فرش کبھی نظر نہیں آیا۔[3]

مشکیزوں کے پانی میں اضافہ

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم ایک سفر میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھے۔ لوگوں نے آپ سے پیاس کی شکایت کی۔ آپ نے پڑاؤ ڈالا، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے شخص (ایک روایت کے مطابق وہ خود عمران بن حصین ہی تھے) کو بلایا اور فرمایا: ''جاؤ پانی تلاش کرو، تمھیں فلاں جگہ ایک شتر سوار عورت ملے

1 صحیح مسلم، 681، سنن [illegible]، مسند احمد 454/9. 2 دلائل النبوۃ للبیہقی 118،119/4. 3 دلائل النبوۃ للبیہقی 127/4، [illegible] 14/2، [illegible] 190.



گی۔ اس کے پاس پانی کے دو مشکیزے ہوں گے۔ اسے یہاں لے آؤ۔'' ہم چل پڑے۔ رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے مقام پر ہمیں شتر سوار عورت مل گئی۔ اس کے پاس پانی کے بھرے ہوئے دو مشکیزے تھے۔ انھوں نے اس سے پوچھا پانی کہاں ہے؟ وہ بولی: کل اس وقت میں کنویں پر تھی۔ ہمارے گھر کے مرد پیچھے گئے ہوئے ہیں۔ انھوں نے اس عورت سے کہا: تم ہمارے ساتھ چلو۔ اس نے پوچھا: کدھر؟ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں۔ وہ کہنے لگی: وہ جسے صابی کہا جاتا ہے؟ انھوں نے کہا: وہی مراد ہیں۔ اب تم چلو۔ خیر! وہ اسے لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آ گئے اور آپ سے پورا واقعہ بیان کیا۔

مسلمانوں نے اسے اونٹ سے اتارا۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک برتن منگوایا اور عورت کے مشکیزوں سے تھوڑا سا پانی اس میں ڈالا، پھر آپ ﷺ نے کلی کی اور کلی کا پانی برتن میں ڈال دیا، پھر دوبارہ وہ پانی مشکیزوں میں ملا دیا، پھر مشکیزوں کے اوپر والے منہ باندھے، نچلے منہ کھول دیے اور لوگوں میں اعلان کر دیا گیا: ''خود بھی پیو اور جانوروں کو بھی پلاؤ۔''

سب نے خود بھی پیا اور جانوروں کو بھی پلایا۔ ہم سب نے اپنے اپنے تمام برتن اور مشکیزے بھی پانی سے بھر لیے۔ وہ عورت ایک طرف کھڑی یہ عجیب و غریب منظر دیکھ رہی تھی اور حیران ہو رہی تھی کہ اس کے پانی سے کیا سلوک ہو رہا ہے۔ اللہ کی قسم! جب مشکیزے سے پانی پینا بند کیا گیا تو ہمیں یوں محسوس ہوا کہ یہ مشکیزہ پہلے سے بھی زیادہ لبالب بھرا ہوا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اس خاتون کے لیے کھانے پینے کی چیزیں جمع کرو۔'' لوگوں نے مختلف چیزیں جمع کر دیں۔ عجوہ کھجوریں، آٹا، ستو وغیرہ یہ سب کچھ ایک کپڑے میں باندھ کر عورت کو اونٹ پر بٹھا دیا گیا اور یہ گٹھڑی اس کے آگے رکھ دی گئی، پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ہم نے تمھارے پانی میں کوئی کمی نہیں کی۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے پانی پلایا ہے۔'' وہ عورت اپنے اہل خانہ کے پاس پہنچی اور کہنے لگی: ''میں نے بڑا عجیب و غریب منظر دیکھا ہے۔

دو آدمی ملے اور مجھے اس شخص کے پاس لے گئے جسے لوگ صابی کہتے ہیں۔ اس نے میرے مشکیزے سے عجیب و غریب طریقے سے پانی نکالا۔ اللہ کی قسم! یا تو وہ سب سے بڑا جادوگر ہے یا واقعی اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ہے۔" کچھ عرصے کے بعد وہ عورت اور اس کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔[1]

جو میں اضافہ

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کھانے کی کوئی چیز مانگی۔ آپ نے اسے نصف وسق (تقریباً ایک من تیئیس کلو) جو دیے۔ عرصہ دراز تک وہ، اس کی بیوی اور ان کے مہمان سب وہی جو کھاتے رہے۔ وہ ختم ہونے میں نہ آتے تھے۔ آخر کار وہ یہ جانچنے کے لیے جو ماپنے لگے کہ آخر یہ کتنے ہیں جو ختم ہی نہیں ہوتے۔ نبی اکرم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا:

[illegible]

"اگر تم انھیں نہ ماپتے اور ساری زندگی کھاتے رہتے تب بھی وہ جو ختم نہ ہوتے۔"[2]

گوشت اور نبیذ میں اضافہ

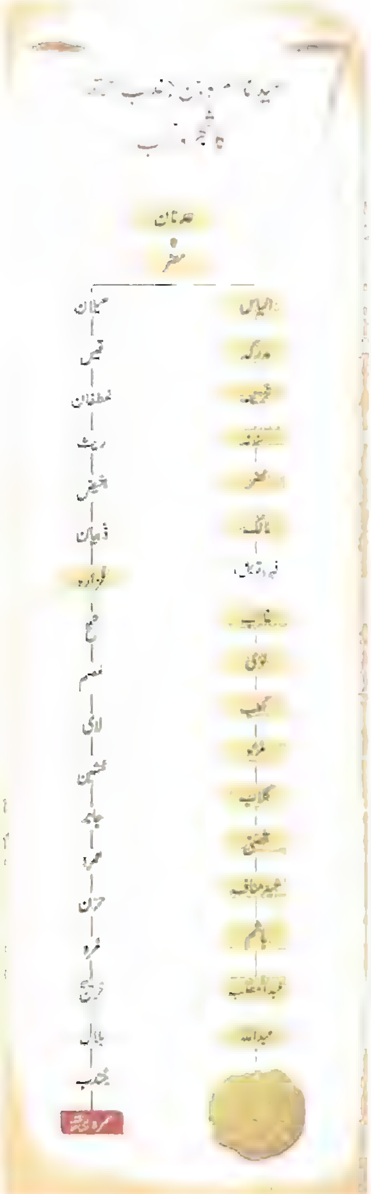
سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبدالمطلب کے سارے خاندان کو دعوت پر اکٹھا کیا۔ ان میں ایسے ایسے پیٹو لوگ بھی تھے جو تن تنہا پوری بکری کھا جاتے اور پورا مٹکا پانی پی جاتے تھے۔ آپ نے صرف ایک مد (نصف کلو) غلے سے ضیافت کا کھانا تیار کیا۔ یہ کھانا ان سب نے کھایا اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ لیکن تمام مہمانوں کے کھا چکنے کے بعد بھی ضیافت کا کھانا جوں کا توں باقی پڑا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے اسے چھوا تک نہیں، پھر آپ ﷺ نے صرف ایک پیالہ نبیذ منگوائی۔ ان سب نے خوب سیر ہو کر پی لیکن پیالہ بدستور نبیذ سے یوں لبریز تھا جیسے کسی نے اسے منہ بھی نہیں لگایا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "اے بنو عبدالمطلب! مجھے خصوصاً تمھاری طرف اور عموماً سب لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ یہ کھانے پینے کا معجزہ تم ابھی دیکھ ہی چکے ہو۔ تم میں سے کون میری بیعت کرے گا کہ وہ دین حنیف کے کام میں میرا بھائی اور ساتھی بنے؟" کوئی بھی نہ اٹھا۔ آخر کار میں اٹھ کھڑا ہوا۔ میں ان سب سے چھوٹا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "بیٹھ جاؤ۔" آپ نے تین دفعہ یہی سوال دہرایا۔ ہر دفعہ صرف میں ہی کھڑا ہوتا رہا اور آپ ﷺ فرماتے رہے: "بیٹھ جاؤ۔" تیسری دفعہ آپ نے اپنا دست مبارک

1 صحیح البخاری، 357، صحیح مسلم، 682۔ 2 صحیح مسلم، 2281

میرے ہاتھ پر رکھ دیا اور مجھ سے بیعت لے لی۔[1]

ثرید کا بابرکت پیالہ

سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ثرید کا ایک پیالہ لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے عام لوگوں کے لیے رکھ دیا گیا۔ صبح سے ظہر تک لوگ باری باری گروہ در گروہ آتے رہے اور ثرید کھاتے رہے۔ ایک گروہ اٹھتا تو دوسرا آ جاتا مگر وہ پیالہ ختم نہ ہوا۔ کسی نے سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے از راہ تعجب پوچھا: ''اس میں اتنا اضافہ کیسے ہوا؟'' سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تعجب کیسا؟ اس میں اضافہ وہاں سے ہوتا تھا۔'' یہ کہتے ہوئے انھوں نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا۔[2]



ایک بکری کی کلیجی 130 صحابۂ کرام نے کھائی

عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سفر کے دوران ایک اعرابی سے ایک بکری خریدی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کلیجی بھوننے کا حکم دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ایک سو تیس صحابہ نے وہ کلیجی سیر ہو کر کھائی مگر پھر بھی بچ گئی۔[3]

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے کھانے میں برکت

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے سامنے کی بات ہے کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا (میری والدہ) سے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بڑی کمزور معلوم ہوتی ہے، میں نے ان پر بھوک کے آثار دیکھے ہیں۔ کیا تمھارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ وہ بولیں: ہمارے ہاں تو مشکل سے آدھ کلو جو کا آٹا ہوگا۔ انھوں نے کہا: چلو! وہی گوندھ کر پکاؤ۔ ممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

1 مسند احمد: 159/1، 2 جامع الترمذي: 3625، سنن الدارمي: 57، 3 صحيح البخاري: 5382، صحيح مسلم: 2056.

ہماری درخواست پر ہمارے ہاں تشریف لے آئیں اور کچھ تناول فرمائیں۔ ام سلیم نے آٹا گوندھ کر روٹی پکائی۔ بس یہ ایک روٹی تھی۔ ابوطلحہ نے مجھ سے کہا: جاؤ رسول اللہ ﷺ کو بلا لاؤ۔ میں گیا، رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اور آپ ﷺ کے پاس خاصی تعداد میں لوگ بیٹھے تھے۔ میں جا کر کھڑا ہو گیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ابوطلحہ آپ کو بلا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''اٹھو۔'' آپ ﷺ چل پڑے۔ میں آپ ﷺ کے آگے آگے بھاگا اور جا کر ابوطلحہ کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں سمیت تشریف لا رہے ہیں۔ وہ بولے: رسوا کر دیا۔ میں نے کہا: بھلا میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد کیسے نہ مانتا۔ خیر! ابوطلحہ استقبال کو اٹھے۔ وہ آپ ﷺ کے ساتھیوں کی بہتات دیکھ کر گھبرا گئے۔ آپ کے قریب چلتے ہوئے انھوں نے آہستہ سے کہا: اے اللہ کے رسول! روٹی تو صرف ایک ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے گا۔'' رسول اللہ ﷺ دروازے کے پاس پہنچے تو صحابہ سے فرمایا: ''بیٹھ جاؤ۔'' رسول اللہ ﷺ اکیلے داخل ہوئے۔ ابوطلحہ نے کہا: ام سلیم! رسول اللہ ﷺ تو سب ساتھیوں کو ساتھ لے کر تشریف لائے ہیں۔ ادھر ہمارے پاس اتنا وافر کھانا نہیں جو سب کو کھلا سکیں۔ وہ بولیں: اللہ جانے اور اس کا رسول ﷺ۔ رسول اللہ ﷺ نے کھانا لانے کو کہا تو وہی ایک روٹی لے کر حاضر ہو گئیں۔ آپ ﷺ نے ایک بڑا پیالہ منگوایا اور اس میں روٹی رکھ دی، پھر دریافت فرمایا: ''کیا تھوڑا سا گھی ہوگا؟'' ابوطلحہ نے جواب دیا: تھیلی میں تھوڑا بہت گھی تو تھا۔ پھر وہ تھیلی اٹھا لائے۔ رسول اللہ ﷺ اور ابوطلحہ نے مل کر تھیلی کو نچوڑا تو تھوڑا سا گھی نکل آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے گھی اپنی انگشت مبارک پر لگا کر روٹی پر ملا تو روٹی پھولنے لگی۔ آپ نے فرمایا: ''بسم اللہ۔'' روٹی مزید پھول گئی۔ آپ بار بار ایسا ہی کرتے رہے۔ مجھے پیالے میں روٹی کی حرکت صاف نظر آ رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دس صحابہ کو بلاؤ۔'' میں دس افراد کو بلا لایا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک روٹی کے درمیان رکھا اور فرمایا: ''اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کناروں سے روٹی کھاتے رہے حتی کہ وہ سیر ہو گئے۔ اس طرح آپ دس دس افراد کو بلاتے جاتے اور وہ کھاتے جاتے تھے۔ اس طرح اسی (80) سے زیادہ صحابہ نے سیر ہو کر کھانا کھایا لیکن روٹی کا وہ درمیانی حصہ بدستور باقی رہا جس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک رکھا ہوا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ، ابوطلحہ، ام سلیم اور میں نے بھی سیر ہو کر روٹی کھائی، پھر بھی خاصی روٹی بچ گئی جو ہم نے اپنے پڑوس کے گھروں میں بھیجی۔[1]

[1] صحیح البخاری، حدیث: 3578، وصحیح مسلم، حدیث: 2040

خالی تھیلیاں گھی سے لبریز ہو گئیں

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک بکری تھی۔ میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اس کا گھی چمڑے کی ایک تھیلی میں رکھنا شروع کر دیا۔ تھیلی بھر گئی تو انھوں نے وہ تھیلی ایک لونڈی کے حوالے کی اور فرمایا: بیٹی! یہ تھیلی رسول اللہ ﷺ کو دے آؤ تاکہ آپ ﷺ اسے بطور سالن استعمال کرلیا کریں۔ وہ لونڈی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچی اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ گھی کی تھیلی ام سلیم نے آپ کے لیے بھیجی ہے۔ آپ نے اپنے اہل خانہ سے فرمایا: ”یہ تھیلی خالی کر دو۔“ تھیلی خالی کر کے واپس کر دی گئی۔ لونڈی خالی تھیلی واپس لے کر آئی تو ام سلیم گھر پر نہیں تھیں۔ لونڈی نے خالی تھیلی کھونٹی پر لٹکا دی۔ ام سلیم گھر واپس آئیں تو دیکھا کہ تھیلی اسی طرح بھری ہوئی ہے اور اس میں سے گھی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ انھوں نے پوچھا: بیٹی! میں نے تم سے کہا تھا کہ یہ تھیلی رسول اللہ ﷺ کو دے آؤ۔ وہ بولی: میں دے آئی تھی۔ آپ کو یقین نہیں تو خود جا کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیجیے۔ ام سلیم لڑکی کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کے ہاں پہنچیں اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے اس لڑکی کے ہاتھ آپ کے پاس گھی کی ایک تھیلی بھیجی تھی۔ فرمایا: ”ہاں! یہ بچی تھیلی لائی تھی۔“ ام سلیم نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو سچی ہدایت دے کر بھیجا ہے! وہ تھیلی تو بدستور گھی سے بھری ہوئی ٹپک رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ام سلیم! کیا تمھیں اس بات پر تعجب ہے کہ جس طرح تم نے اللہ کے نبی کو کھانے کی چیز بھیجی اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمھیں بھی بھیج دی۔ کھاؤ اور کھلاؤ۔“ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں گھر واپس آئی تو اس تھیلی سے کئی پیالے بھر بھر کر لوگوں میں تقسیم کیے، پھر بھی تھیلی میں اتنا گھی بچ رہا کہ ہم ایک یا دو مہینے تک اسی گھی کو بطور سالن استعمال کرتے رہے۔[1]

کھانے پینے کی مختلف چیزوں میں برکت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمام اصحاب صفہ کو بلانے کا حکم دیا۔ میں بلا لایا، پھر ہمارے سامنے ایک پلیٹ رکھی گئی، میرا خیال ہے اس میں ایک مد (تقریباً نصف کلو) جو ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس میں ڈالا اور حکم دیا: بسم اللہ ”اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔“

ہم نے جی بھر کے کھایا۔ ہم ستر اسی آدمی تھے، پھر ہم نے اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔ جب پلیٹ رکھی گئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! آج شام آل محمد کے ہاں کھانے کی کوئی چیز نہیں۔“

1 مسند ابی یعلی: 7/217، 218

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: جب آپ کھا کر فارغ ہو چکے تو پلیٹ میں کتنا کھانا موجود تھا؟ انھوں نے جواب دیا: جتنا رکھا گیا اتنا ہی بچا تھا، البتہ اس میں انگلیوں کے نشانات تھے۔[1]



سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ اہل صفہ نے مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ گزارش کرنے کے لیے بھیجا کہ ہم بھوکے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں ادھر ادھر دیکھا اور پوچھا: ''کوئی چیز ہے؟'' چنانچہ روٹی کے ایک دو ٹکڑے اور تھوڑا سا دودھ بھیجا گیا۔ آپ نے روٹی کے ٹکڑوں کو توڑ کر باریک کیا، پھر اس پر دودھ ڈال دیا اور اسے اپنے ہاتھ سے ملا کر ثرید کی طرح بنا دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: ''واثلہ! اپنے دس ساتھی بلا لاؤ۔'' میں بلا لایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[illegible]

''اللہ کا نام لے کر کناروں سے کھاؤ۔ چوٹی باقی رہنے دو۔ برکت اوپر کی طرف سے نازل ہوتی ہے اور اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔''

وہ کھانے لگے۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ کھا کر اکتا گئے، اور اٹھ کر چلے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دس اور لے آؤ۔'' انھیں بھی آپ نے یہی ہدایت فرمائی۔ وہ بھی کھانے لگے اور خوب سیر ہو کر کھا چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیا کوئی اور باقی ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں! دس افراد۔ فرمایا: ''انھیں بھی لے آؤ۔'' آپ نے انھیں بھی وہی ہدایت فرمائی۔ انھوں نے بھی خوب سیر ہو کر کھایا اور چلے گئے۔ اس کے باوجود برتن میں بدستور کھانا بچا ہوا تھا۔ اس بات پر تعجب کرتے ہوئے میں بھی چلا گیا۔[2]

کھانے سے تسبیح کی آواز

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے تو ہمیں اس کھانے کی تسبیح سنائی دیتی تھی۔[3]

1 المعجم الکبیر للطبرانی 49/2، مجمع الزوائد 308/8، المصنف لابن ابی شیبۃ 470/11. 2 المعجم الکبیر للطبرانی 86/22، [illegible] 208، مجمع الزوائد 305/8، المستدرک للحاکم 117,116/4. 3 صحیح البخاری 3579، جامع الترمذی 3633.

نباتات، جمادات اور حیوانات سے متعلق معجزات

جمادات گو بظاہر شعور و ادراک سے محروم ہیں، مگر قرآن حکیم میں ان میں ایک خاص قسم کے شعور و ادراک کی موجودگی کا تذکرہ کیا گیا ہے جو اپنے خالق و مالک کی پہچان، اس کی تسبیح خوانی اور اللہ کے تکوینی احکام بجا لانے پر مشتمل ہے۔ موجودہ سائنس بھی بعض جمادات میں کسی قدر قوتِ احساس کی قائل ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جمادات اپنے رب کی مرضی کو پہچانتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرنے میں جمادات بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

نباتات میں گو ایک ابتدائی درجے کا شعور و ادراک موجود ہوتا ہے، مگر پھر بھی ان میں ایسا شعور و ادراک نہیں ہوتا کہ وہ آدمی آدمی میں فرق کر سکیں، لیکن نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کو نباتات نہ صرف جانتے تھے، بلکہ حیرت انگیز طریقے پر آپ ﷺ کے احکام کی تعمیل بھی کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ کہیں سے گزرتے تھے تو راستے کا ہر درخت اور ہر پتھر آپ ﷺ کو سلام کرتا تھا۔

حیوانات نباتات سے شعور و ادراک میں خاصا اونچا درجہ رکھتے ہیں، مگر ان میں بھی، اچھے اور برے، نیک اور بد کا شعور نہیں دیکھا گیا، البتہ آپ ﷺ کے خوارق عادت امور (معجزات) میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ جانوروں نے نہ صرف آپ ﷺ کے مرتبے کو جانا، بلکہ آپ سے اپنے مالکوں کی شکایات بھی کیں۔

چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے

مشرکین مکہ اسلام کی دن بدن پھیلتی ہوئی دعوت سے خائف ہو گئے، انھوں نے دعوت اسلام کو روکنے کے لیے طرح طرح کے حربے اختیار کرنے شروع کیے۔ ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اور ان کے ساتھیوں نے ایک طریقہ یہ سوچا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایسے انوکھے اور انہونے مطالبات پیش کیے جائیں جنھیں رسول اللہ ﷺ انجام دینے سے عاجز و قاصر رہیں، اس طرح وہ خود بخود منظر عام سے پیچھے ہٹ جائیں گے اور ان کی دعوتِ حق بھی آپ ہی آپ گرد فراموشی میں دب جائے گی۔ چنانچہ انھوں نے رسالت مآب ﷺ سے کہا کہ اگر



420 میٹر بلند جبل ابوقبیس (مکہ مکرمہ)

آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے یہ معجزہ پورا کر دکھایا۔ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا جبل ابی قبیس پر اور دوسرا ٹکڑا جبل قعیقعان پر چمکنے لگا۔ یہ زبردست معجزہ دیکھ کر بھی قریش کے دل مائل بہ حق نہیں ہوئے۔ شق قمر کا یہ واقعہ متعدد طرق سے مروی متواتر احادیث سے ثابت ہے۔[1]



جبل قعیقعان (مکہ مکرمہ)

رسول اللہ ﷺ کے اشارے سے بت گر پڑے

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا ایک معجزہ یہ بھی عیاں ہوا کہ آپ بیت اللہ میں موجود جس بت کی طرف اشارہ کرتے تھے وہ فوراً گر جاتا تھا۔ ابن ہشام نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ اس سے آپ ﷺ جس بت کے چہرے کی طرف اشارہ کرتے تھے، وہ گدی کے بل گر جاتا تھا اور جس بت کی گدی کی طرف اشارہ کرتے تھے، وہ چہرے کے بل گر پڑتا تھا۔[2]

قبر نے مرتد کو اگل دیا

عہد نبوی میں ایک نصرانی مسلمان ہوا۔ وہ کچھ دنوں تک کتابت وحی کی خدمت انجام دیتا رہا، مگر پھر مرتد ہو گیا اور یہ دعویٰ کرنے لگا کہ (معاذ اللہ) جو کچھ اس نے کتابت کیا ہے (سورۃ البقرہ، آل عمران)، اس کے سوا آپ ﷺ کچھ نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کے لیے عبرت بنانا چاہا تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بعدازاں اس کے ساتھیوں نے اسے دفن کر دیا، مگر اگلی صبح انھوں نے دیکھا کہ قبر کھلی پڑی ہے اور اس کی لاش قبر سے باہر پڑی ہوئی ہے۔ انھوں نے خیال کیا کہ ہو نہ ہو یہ ضرور کسی مسلمان کی کارروائی ہے۔ چنانچہ اب پہلے سے بھی زیادہ گہری قبر کھودی گئی اور اسے دفنا دیا گیا، مگر اگلی صبح میت پھر قبر سے باہر نکلی پڑی تھی۔ اس دن قبر کو مزید گہرا کیا گیا اور میت کو دفن کر دیا گیا، مگر تیسری صبح بھی میت کا یہی حال تھا۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے یقین کر لیا کہ یہ کسی انسان کی کارروائی

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 3/380-384۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 9/160-161۔

نہیں ہو سکتی اور اسے یونہی پکار سنا دیا گیا۔[1]

کنکریوں سے تسبیح کی آواز

ایک مرتبہ ایک مجلس میں آپ ﷺ نے سات کنکریاں اٹھائیں تو ان میں سے تسبیح کی آواز آنے لگی، آپ ﷺ نے انھیں رکھ دیا تو وہ آواز رک گئی۔[2]

درخت اپنی جڑوں سے اکھڑ کر چل پڑے

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ پانی لیے ہوئے آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ کو قضائے حاجت کے لیے میدان ہموار ہونے کی بنا پر کوئی آڑ نہ ملی تو آپ ﷺ نے دور کھڑے ہوئے دو درختوں کو اشارہ کیا۔ وہ وہاں سے چل کر آئے اور باہم مل گئے۔ آپ ﷺ نے ان کی اوٹ میں فراغت حاصل کی۔ پھر انھیں اپنی جگہ چلے جانے کا حکم دیا، چنانچہ دونوں درخت اپنی جگہ واپس چلے گئے۔[3]

اسلام کی حقانیت پر درختوں کی گواہی

ایک موقع پر ایک بدو نے آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل طلب کی۔ آپ ﷺ ایک درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے پوچھا: ''کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟'' یہ ارشاد سن کر درخت کی تمام شاخیں زمین سے لگ گئیں۔ آپ ﷺ نے درخت کو اپنی اصلی حالت پر لوٹ آنے کا حکم دیا، چنانچہ وہ درخت اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آیا۔ یہ دیکھ کر وہ بدو مسلمان ہو گیا۔[4]

رسول اللہ ﷺ کو شجر و حجر بھی سلام کرتے تھے

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت ملنے سے پیشتر کی زندگی بھی اتنی اجلی، بے داغ اور مشک بار تھی کہ قرآن کریم نے آپ ﷺ کی اسی پاکیزہ زندگی کو نبوت کے ثبوت کے طور پر پیش کر دیا۔ یوں تو تاج نبوت پہننے سے پہلے ہی آپ ﷺ کی شان ہویدا ہوگئی۔ خود نبی کریم ﷺ ہی کا ارشاد عالی ہے کہ نبوت سے پہلے ایک پتھر مجھے سلام کرتا تھا، میں اس پتھر کو خوب اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکہ کے مضافات میں گیا تو کھلی آنکھوں یہ منظر دیکھا کہ جو پہاڑ یا درخت راستے میں آتا تھا...

1 صحیح البخاري 3617، [illegible] 3663. 2 [illegible] البخاري: 1/324. 3 صحیح مسلم 3012. تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 8/483,484. 4 السنن الدارمي 1/9,10، جامع الترمذي [illegible]

آپ سے حجر مخاطب ہو کر کہتا تھا ''اے اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی ہو!''[1]

امام ابن اسحاق بحوالہ عبدالملک بن عبیداللہ ثقفی سے روایت کرتے ہیں کہ آغازِ نبوت کے دن قریب تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ قضائے حاجت کے لیے مکہ کی گلیوں سے دور نکل جاتے اور راستے میں جس درخت یا پتھر کے قریب سے گزرتے تو وہ پکارتا: اے اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی ہو۔ پھر جبریل امین آپ ﷺ پر وحی لے کر نازل ہوئے۔[2]

کھجور کا تنا فراقِ رسول ﷺ میں رو پڑا

مسجد نبوی کی چھت کھجور کے تنوں پر استوار کی گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ انھی تنوں میں سے ایک ستون کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے اور خطبہ دیتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی سہولت کے لیے لکڑی کا ایک منبر تیار کر دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ تنے کو چھوڑ کر منبر پر رونق افروز ہونے لگے۔ کھجور کا تنا آپ ﷺ کی جدائی برداشت نہ کر سکا اور اس پر گریہ طاری ہو گیا۔ اس وقت اس تنے سے ایسی الم انگیز صدا نکلی جو مسلسل بلند آواز سے نکل رہی تھی۔ یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ منبر سے اتر آئے۔ تنے کے پاس پہنچے، اسے سینۂ مبارک سے لگایا تو اسے قرار آ گیا۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تنا اس لیے رو رہا تھا کہ اس کے پاس اللہ رب العزت کا ذکر ہوتا تھا اور یہ اسے سنتا تھا۔''[3]

درخت نے نبی کی شہادت دی

مشرکین مکہ بڑے سنگ دل تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں اتنے اندھے ہو گئے کہ انسانیت کے ادنیٰ تقاضے بھی بھلا بیٹھے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن شقی القلب مشرکوں نے رحمۃ للعالمین ﷺ پر اتنا ظالمانہ تشدد کیا کہ وجود اطہر زخمی ہو گیا اور زخموں سے خون کی بوندیں ٹپکنے لگیں۔ جبریل امین فوراً حاضر خدمت ہوئے۔ دریافت کیا: آپ ﷺ کی یہ حالت کس نے کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے یہ سلوک میرے ہی شہر مکہ کے لوگوں نے کیا ہے۔ جبریل علیہ السلام نے وادی میں ایک درخت کی نشاندہی کی اور آپ ﷺ سے عرض کیا: اس درخت کو آواز دیجیے اور اسے اپنے پاس بلائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے درخت کو اپنے پاس آنے کا حکم دیا۔ وہ اسی وقت اپنی جگہ سے اکھڑ کر چل پڑا اور آپ ﷺ کے پاس آ پہنچا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: اب اسے واپس جانے کا

1 [illegible] 2 [illegible] 3 [illegible]

حکم دیجیے۔ آپ ﷺ نے درخت کو واپس جانے کا حکم دیا تو وہ لوٹ گیا اور اپنے مقام پر جا پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے لیے یہی نشانی کافی ہے۔''[1]

درخت ایک دوسرے سے جڑ گئے

حجۃ الوداع کے سفر میں رسول اللہ ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے اسامہ! میرے لیے پتھروں کا ڈھیر ڈھونڈو۔'' اسامہ کہتے ہیں: میں پتھروں کا ڈھیر تلاش کرتا رہا مگر پتھروں کا ڈھیر ملا، نہ کوئی ایسی جگہ مل سکی جو اوٹ کا کام دے سکتی۔ میں نے اس صورت حال سے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کھجوروں کے درختوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ تمھیں حکم دیتے ہیں کہ باہم مل جاؤ تاکہ تم رسول اللہ ﷺ کے لیے پردہ پوشی کا کام دے سکو۔ اللہ کے رسول رفع حاجت کے لیے آنا چاہتے ہیں۔'' اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔ اللہ کی قسم! آپ ﷺ کا حکم سن کر وہ درخت اپنی جڑوں اور مٹی سمیت آپس میں ایک دوسرے سے یوں جڑ گئے جیسے وہ سب ایک ہی درخت ہیں۔ پھر میں پتھروں کے ڈھیر کی طرف متوجہ ہوا اور انھیں بھی رسول اللہ ﷺ کا حکم سنایا۔ اللہ کی قسم! وہ سارے پتھر ایک ایک کر کے درختوں سے اس طرح چمٹ گئے جیسے کوئی دیوار چن دی گئی ہو۔ اسامہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس صورت حال سے مطلع کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پانی کا لوٹا لے لو۔'' پھر ہم نکلے، درختوں کی طرف گئے۔ میں نے آگے بڑھ کر پانی کا لوٹا رکھ دیا اور واپس آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ رفع حاجت کے لیے آگے تشریف لے گئے۔ جب فارغ ہو کر واپس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسامہ! ان درختوں اور پتھروں سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ تمھیں حکم دیتے ہیں کہ اپنی جگہ پر واپس چلے جاؤ۔'' میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ تمام درخت اور پتھر اپنی اپنی جگہ واپس چلے گئے۔[2]

ٹہنیاں تلوار بن گئیں

غزوۂ احد میں سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں کھجور کی ایک شاخ مرحمت فرمائی جو ان کے ہاتھ میں پہنچ کر تلوار بن گئی، چنانچہ وہ اسی تلوار سے دشمن پر وار کرتے رہے حتی کہ شہید ہو گئے۔ اس تلوار کا نام عرجون تھا۔ یہ تلوار آپ کی اولاد میں وراثتاً چلتی رہی یہاں تک کہ معتصم بن ہارون الرشید کے سالار بغا الترکی

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 2/258، 259۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 10/197-200۔

نے یہ تلوار دو سو دینار کے عوض بیچ ڈالی۔[1]

اسی طرح غزوہ بدر میں مشرکوں سے لڑتے ہوئے عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک ٹہنی مرحمت فرما دی اور حکم دیا:

''جاؤ اسی ٹہنی سے لڑو۔''

سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر حیران ہوگئے کہ رسول اللہ ﷺ کی عطا کردہ ٹہنی شمشیر آبدار بن گئی۔ پھر وہ اسی ٹہنی سے مشرکوں پر مسلسل وار کرتے رہے۔ انھوں نے اس تلوار کا نام ''العون'' رکھا۔ یہ تلوار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک ان کے پاس رہی اور اسلام کے دشمنوں کا خون پیتی رہی حتیٰ کہ مرتدوں کے خلاف معرکہ آرائی میں ایک مرتد طلیحہ اسدی نے سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔[2]



ایسا ہی ایک واقعہ سلمہ بن اسلم بن حریش رضی اللہ عنہ کا ہے۔ غزوۂ بدر میں ان کی تلوار بھی جنگ کرتے کرتے ٹوٹ گئی۔ نبی اکرم ﷺ نے انھیں بھی کھجور کی ایک خشک ٹہنی دے دی اور فرمایا:

''اس سے دشمن پر وار کرو۔''

انھوں نے وہ ٹہنی ہاتھ میں لی تو دیکھتے ہی دیکھتے وہ تیغ بے دریغ بن گئی۔ جنگ کے اختتام تک وہ اس سے دشمنوں پر وار کرتے اور انھیں واصل جہنم کرتے رہے۔ یہ تلوار ہمیشہ ان کے پاس رہی حتیٰ کہ انھوں نے سیدنا ابو عبید ثقفی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لڑی جانے والی جنگ جسر (عراق) میں شہادت پائی۔[3]

خوشبودار شاخ اسلام لانے کا سبب بن گئی

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بتایا: ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 6/297، 298۔ [2] تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 5/482-484۔
[3] تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 5/484۔

نے پوچھا: مجھے یہ کس طرح معلوم ہوگا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اس خوشہ دار شاخ کو اپنے پاس بلالوں تو مان لو گے؟'' وہ بولا: ہاں! آپ ﷺ نے اس خوشے کو بلایا تو وہ درخت سے اترنے لگا اور نیچے آ گیا، پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف چل پڑا۔ کبھی وہ سجدے میں گر پڑتا، کبھی سیدھا ہو جاتا۔ آخر وہ آپ کے پاس پہنچ گیا۔ آپ نے اسے حکم دیا: ''واپس چلے جاؤ۔'' وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ اعرابی نے کہا: اللہ کی قسم! آج کے بعد میں کسی بات میں کبھی آپ کی تکذیب نہیں کروں گا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ یوں وہ ایمان لے آیا۔[1]

درخت نے جنوں کی اطلاع دی

عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے مسروق سے پوچھا: جنوں والی رات رسول اللہ ﷺ کو جنوں کے بارے میں کس نے خبر دی تھی؟ انھوں نے فرمایا: مجھے آپ کے والد محترم (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) نے بتایا تھا کہ ان کی اطلاع آپ ﷺ کو ایک درخت نے دی تھی۔[2]

درخت نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا

سیدنا یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ہم ایک منزل پر فروکش ہوئے تو رسول اللہ ﷺ سو گئے۔ ایک درخت دور سے زمین چیرتا ہوا آیا اور اس نے آپ ﷺ کو ڈھانپ لیا۔ بعدازاں وہ درخت واپس اپنی جگہ چلا گیا۔ آپ ﷺ بیدار ہوئے، میں نے یہ بات آپ ﷺ کو بتائی تو آپ نے فرمایا:

«هِيَ شَجَرَةٌ اسْتَأْذَنَتْ رَبَّهَا عَزَّ وَجَلَّ أَنْ تُسَلِّمَ عَلَيَّ، فَأَذِنَ لَهَا»

''اس درخت نے اپنے رب کریم سے اجازت طلب کی تھی کہ مجھے سلام کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت دے دی۔''[3]

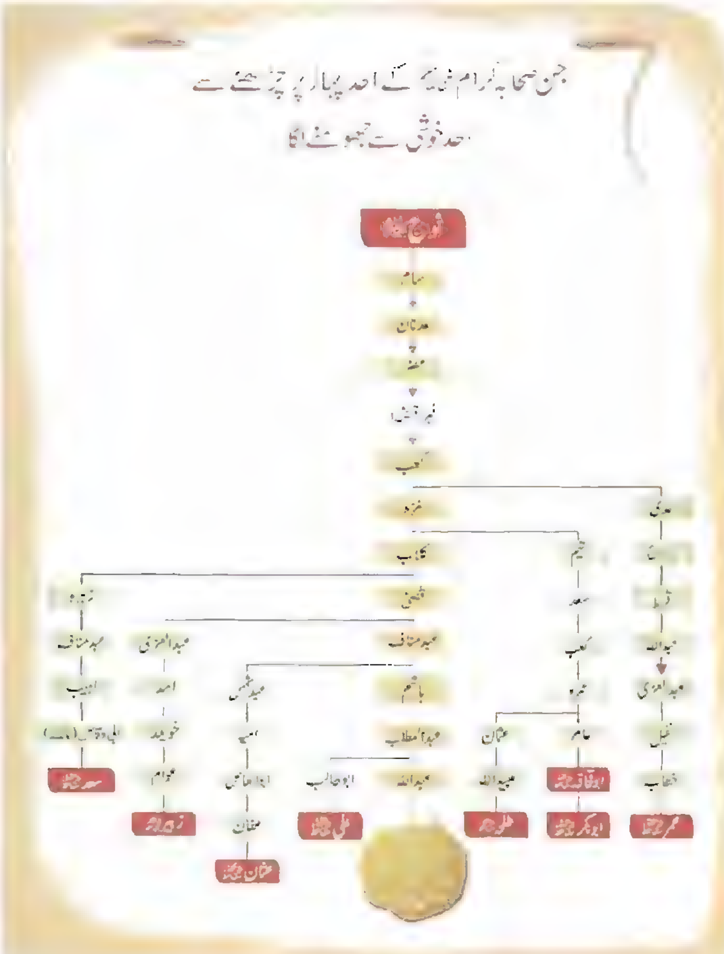
نبی ﷺ کی تشریف آوری پر پہاڑ کی حرکت

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ احد (یا حراء) پہاڑ پر چڑھے۔ آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ پہاڑ (خوشی سے) ہلنے لگا۔ نبی اکرم ﷺ نے زور سے اپنا پاؤں پہاڑ پر مارا اور فرمایا:

[1] جامع الترمذي: 3628. [2] صحيح البخاري: 3859. [3] مسند أحمد: 173/4، شرح السنة للبغوي 295/13، 296، حديث: 3718، دلائل النبوة لأبي نعيم: 138/2، دلائل النبوة للبيهقي 23/6.

"احد! پرسکون ہو جا، اس وقت تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔"[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔ اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ آپ کے ساتھ سیدنا علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "پرسکون ہو جا، تجھ پر اس وقت ایک نبی ہے، یا صدیق ہے، یا شہید ہے۔"[2]



لشکرِ کفار کنکریوں کی زد میں

ابن ابی حاتم، ابن زید سے بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے کنکریوں کی تین مٹھیاں لیں۔ پھر ایک مٹھی لشکروں کے لشکر کی دائیں طرف، دوسری بائیں طرف پھینکی اور تیسری مٹھی بھر کنکریاں لشکر کے سامنے پھینکتے ہوئے فرمایا: "چہرے بگڑ جائیں۔" بعدازاں لشکر کفار کو بدترین شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ اس وقت قریش کے لشکر میں موجود تھے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یکایک آسمان کی طرف سے ایسی آواز آئی جیسے کسی تھالی سے کنکریاں گر رہی ہیں۔ پھر ہم لوگ شکست کھا گئے۔[3]

[1] صحیح البخاري: 3675، جامع الترمذي: 3699، مسند أحمد: 59/1۔ [2] صحیح مسلم: 2417۔ اس حدیث میں پہاڑ کا نام احد کے بجائے حرا ہے۔ اضافی بات اس میں یہ بھی ہے کہ پہاڑ پر موجود سات افراد کے ساتھ آٹھویں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔
[3] تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت النبی ﷺ، ضیاء النبی 448/5، 449۔

رسول اللہ ﷺ نے سنگریزے پھینکے تو قلعہ فتح ہو گیا

خیبر میں شق کا قلعہ نزار بلندی پر تھا۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ اس قلعے کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکر مجاہدین یہاں پہنچا تو یہودیوں نے زبردست پتھراؤ کیا۔ پھر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ چند تیر رسول اللہ ﷺ کے لباس مبارک میں آ کر اٹک گئے۔ تاہم رسول اللہ ﷺ محفوظ رہے۔ آپ ﷺ نے مٹھی بھر سنگریزے ان پر پھینک دیے۔ معاً یہودیوں کے قلعے لرزنے لگے حتیٰ کہ زمین میں دھنسنے لگے۔ پھر مسلمانوں نے یہودیوں پر زبردست حملہ کیا اور فتح یاب ہوئے۔[1]

سرکش اونٹ سجدہ ریز ہو گیا

ایک انصاری خاندان تھا۔ اس کے پاس ایک ہی اونٹ تھا۔ خاندان کی معیشت کا دار و مدار اسی اونٹ پر تھا۔ ایک دن یہ اونٹ باؤلا ہو کر سرکش ہو گیا۔ یہ کسی کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دیتا۔ اس اونٹ کے مالکان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اونٹ کی سرکشی کا حال سنایا۔ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ فوراً اس باغ میں تشریف لے گئے جہاں یہ اونٹ کھڑا تھا۔ جب اونٹ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو لپک کر آیا اور آپ کے قدموں میں سجدہ ریز ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اس اونٹ کی پیشانی پکڑی اور اسے دوبارہ کام پر لگا دیا۔ صحابہ کرام نے یہ منظر دیکھا تو عرض کیا: یہ اونٹ ہو کر آپ ﷺ کو سجدہ کر رہا ہے تو ہم انسان ہو کر آپ ﷺ کو کیوں سجدہ نہ کریں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی انسان کو زیبا نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کو سجدہ کرے۔ اگر انسان کا سجدہ روا ہوتا تو میں خواتین کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں کیونکہ بیوی پر شوہر کے بہت زیادہ حقوق ہیں۔[2]

1 [illegible] 387/8۔ 2 [illegible]

قلعہ نزار، خیبر (سعودی عرب)



اونٹ کی فریاد

سیدنا یعلیٰ بن مرہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ اس دوران ایک اونٹ دکھائی دیا جو پانی سے لدا ہوا تھا۔ اس نے رسالت مآب ﷺ کو دیکھا تو لپک کر آیا۔ آپ ﷺ کے قدموں میں جھک گیا اور رو رو کر بلبلانے لگا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آپ سے کوئی گزارش کر رہا ہے۔ آپ ﷺ اونٹ کی یہ حالت دیکھ کر دریافت فرمانے لگے کہ یہ اونٹ کس کا ہے؟ اونٹ کا مالک آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے اس سے فرمایا: ''اونٹ تمھاری شکایت کر رہا ہے۔ اس سے اچھا سلوک کرو، یعنی اس سے مناسب کام لو اور پورا چارہ کھلاؤ۔''[1]

بھیڑیے کا اعلان حق

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بھیڑیے نے ایک بکری پر حملہ کیا اور اسے پکڑ لیا۔ چرواہا بھاگا اور بکری چھڑالی۔ بھیڑیا اپنی دم کے بل بیٹھ گیا اور بولا: تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ تم نے مجھ سے اللہ کا بھیجا ہوا رزق چھینا ہے۔ چرواہا حیرت سے بولا: تعجب ہے بھیڑیا دم کے بل بیٹھ کر مجھ سے انسانوں کی طرح باتیں کرتا ہے۔ بھیڑیا بولا: میں تمھیں اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز بات نہ بتاؤں۔ یثرب میں محمد ﷺ لوگوں کو گزشتہ زمانے کی باتیں بتاتے ہیں۔ چرواہا اپنی بکریاں ہانکتا ہوا مدینہ منورہ پہنچا۔ اس نے اپنی بکریاں ایک گوشے میں محفوظ کیں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ پورا واقعہ آپ ﷺ کے گوش گزار کر دیا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اعلان کرایا: ''سب لوگ جمع ہو جائیں۔'' پھر آپ ﷺ نے چرواہے سے فرمایا: ''وہی واقعہ ان کے سامنے بیان کرو۔'' اس نے پورا واقعہ سنایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے بالکل سچ کہا۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! قیامت سے قبل ایسا ضرور ہوگا کہ درندے انسانوں سے باتیں کریں گے۔ انسان کے اپنے کوڑے کا پھندنا اور جوتے کے تسمے اس سے باتیں کریں گے اور اس کی ران اسے بتائے گی کہ اس کے گھر والے اس کی عدم موجودگی میں کیا کچھ کرتے رہے۔''[2]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ جب بھیڑیے نے بکریوں کے چرواہے سے باتیں کرنی شروع کیں تو چرواہا بولا: اللہ کی قسم! آج سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ بھیڑیا باتیں کرتا ہو۔ بھیڑیا کہنے لگا: اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ پتھریلے میدانوں کے درمیان نخلستان (مدینہ) میں ایک آدمی تمھیں اگلی پچھلی باتیں بتاتا

[1] ...، 463،467/4 ... [2] ...، 88،84/3 ... 482،481/6 ...
... البیہقی 6/41، 42 ... 150/6 ... 103/2

ہے۔ چرواہا یہودی تھا۔ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور سارا واقعہ آپ ﷺ سے بیان کیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی تصدیق کی تو وہ مسلمان ہو گیا۔[1]

ہرنی کی گواہی

سیدنا ابوسعید خدری، انس اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے (یہ الفاظ انس رضی اللہ عنہ کے ہیں): ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ کی ایک گلی میں جا رہے تھے۔ ہم ایک خیمے کے پاس سے گزرے۔ خیمے کے ساتھ ایک ہرنی بندھی ہوئی تھی۔ جب اس نے آپ ﷺ کو دیکھا تو بولی: اے اللہ کے رسول! مجھے یہ لوگ پکڑ لائے ہیں۔ جنگل میں میرے دو بچے ہیں۔ میرے تھنوں میں دودھ جم چکا ہے۔ اب یہ مجھے ذبح بھی نہیں کرتے کہ میری موت قریب آ جائے، نہ مجھے چھوڑتے ہیں کہ واپس جنگل میں اپنے بچوں کے پاس چلی جاؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: ''اگر میں تمھیں چھوڑ دوں تو کیا تم دودھ پلا کر واپس آ جاؤ گی؟'' اس نے یقین دلایا: جی ہاں! اگر میں واپس نہ آؤں تو اللہ تعالیٰ مجھے دردناک عذاب میں مبتلا کرے۔[2]

ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا: آپ مجھے ان سے اجازت دلا دیں میں بچوں کو دودھ پلا کر واپس آ جاؤں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا واقعی تو ایسا کرے گی؟'' وہ کہنے لگی: اگر میں وعدہ پورا نہ کروں تو اللہ مجھے وہ عذاب دے جو بھتا وصول کرنے والوں کے لیے مخصوص ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''اس ہرنی کا مالک کون ہے؟'' خیمے والے بولے: اے اللہ کے رسول! ہم ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اس ہرنی کو چھوڑ دو، یہ اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آ جائے گی۔'' وہ بولے: اے اللہ کے رسول! کس کی ضمانت پر؟ فرمایا: ''میری!'' انھوں نے اسے کھول دیا۔ وہ گئی اور حسب وعدہ دودھ پلا کر واپس آ گئی۔ انھوں نے اسے پھر باندھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ دوبارہ وہاں سے گزرے تو دریافت فرمایا: ''اس ہرنی کے مالک کہاں ہیں؟'' وہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہم حاضر ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''یہ ہرنی میرے ہاتھ بیچتے ہو؟'' وہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! یہ آپ کے لیے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے کھول دو۔'' انھوں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ آپ کی اجازت سے چل دی۔ وہ اپنا پاؤں زمین پر مارتی اور کہتی جاتی تھی: ''میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور آپ (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔''

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے: اللہ کی قسم! میں نے اسے جنگل میں چلتے پھرتے دیکھا۔ وہ بار بار یہ کہتی تھی:

1 مسند احمد 306/2، ابن کثیر نے لکھا ہے: یہ روایت اہل سنن کی شرط پر پوری اترتی ہے، مگر انھوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ (البدایۃ والنہایۃ 150/6) 2 دلائل النبوۃ للبیہقی 34/6-35، دلائل النبوۃ لأبی نعیم 320/1

[illegible][1]

تھے وہ اپنے ہاتھوں سے چراغ زندگی میرا!

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ذبح کے لیے چند اونٹنیاں پیش کی گئیں۔ یہ اونٹنیاں ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر آپ ﷺ کے قریب سے قریب تر ہونے لگیں۔ ہر اونٹنی کی تڑپ اور طلب یہ تھی کہ سید البشر ﷺ سب سے پہلے اسے ذبح کریں۔ انسان تو انسان، چوپایوں تک کے دل میں آپ ﷺ پر مرمٹنے اور فدا ہو جانے کا ارمان تھا اور یہ وہ بے مثل اعزاز و امتیاز ہے جو امام الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کبھی کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔[2]

گھریلو جانور ادب سے بیٹھا رہتا تھا

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کے ہاں ایک پالتو جانور تھا۔ رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو وہ خوب کھیلتا تھا اور ادھر ادھر دوڑتا پھرتا تھا مگر جب اسے اندازہ ہوتا کہ آپ ﷺ گھر تشریف لے آئے ہیں تو اس ڈر سے کہ آپ کو تکلیف پہنچے گی، آرام سے بیٹھ جاتا اور جب تک رسول اللہ ﷺ گھر میں رہتے کوئی حرکت نہیں کرتا تھا۔[3]

1 [illegible]: 178/10، 177، الخصائص الکبرٰی للسیوطی: 39/2، [illegible]: 221/4، مسند أحمد: 350/4۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت النبی ﷺ [illegible]: 185/2۔ 3 [illegible]: 173/10، مسند أحمد: 113/6، [illegible]: 121/8، [illegible] 4660۔

شفائے امراض

رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہر قسم کی خیر و برکت کا منبع تھی۔ آپ ﷺ کے حسنات و برکات کا اثر و اطلاق مریضوں پر بھی ہوا۔ آپ ﷺ کے ہاتھوں بہت سی خطرناک بیماریوں میں مبتلا مریضوں کو شفا نصیب ہوئی۔ سابق انبیاء ؑ میں سے سیدنا عیسیٰ ؑ کے ہاتھوں بیماروں کو شفا نصیب ہوتی تھی۔ نبی اکرم ﷺ کے بابرکت ہاتھوں سے بیماروں کی شفایابی کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں۔

ٹوٹی ہوئی ٹانگ ٹھیک ہوئی

سیدنا عبداللہ بن عتیک ؓ کی ایک ٹانگ ابو رافع یہودی کے قتل کی مہم کے دوران میں بلندی سے چھلانگ لگانے کی وجہ سے ٹوٹ گئی تھی، اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک پھیرا تو وہ بالکل ٹھیک ہوگئی اور سیدنا عبداللہ بن عتیک ؓ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس میں کبھی کوئی تکلیف ہی نہیں ہوئی تھی۔[1]

آشوب زدہ آنکھوں کی تکلیف ختم ہوئی

غزوۂ خیبر کے دوران میں سیدنا علی ؓ کی آنکھیں آشوب زدہ تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے انھیں بلایا، ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا کی۔ اس کے نتیجے میں وہ فوری طور پر ٹھیک ہوگئیں۔[2]

آسیب کے اثر سے شفایابی

سیدنا اسامہ بن زید ؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا۔ جب ہم وادیٔ روحاء سے آگے بڑھے تو ایک عورت ملی۔ اس نے ایک بچہ اٹھا رکھا تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے آکر آپ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ اپنی سواری پر محو سفر تھے۔ وہ عورت کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! یہ میرا بیٹا ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! جس دن سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے، اس دن سے آج تک اس بچے نے بالکل حرکت نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواری روک لی اور اپنے مبارک ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر فرمایا

1 صحیح البخاری، 4039۔ 2 صحیح مسلم، 2404۔

[illegible] ”یہ بچہ مجھے دو۔“ چنانچہ اس خاتون نے وہ بچہ آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں میں رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے اس بچے کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور فرمایا: [illegible] ”اللہ کے دشمن! باہر نکل آ، میں اللہ کا رسول ہوں۔“ پھر آپ ﷺ نے اس بچے کو اس عورت کے سپرد کر دیا اور فرمایا: [illegible] ”اسے لے لو! اب تم اس بچے میں کوئی ناپسندیدہ چیز نہ دیکھو گی، ان شاء اللہ۔“ اس عورت نے بچے کو تھاما اور لوٹ گئی۔

اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر ہم چلے گئے اور ہم نے حج کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ واپس آئے تو ہم نے روحاء پر پڑاؤ ڈالا۔ اچانک وہی عورت پھر دکھائی دی۔ وہ ایک بھنی ہوئی بکری لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے وہ بکری آپ کے سامنے رکھ دی اور کہنے لگی: اللہ کے رسول! میں اس بچے کی ماں ہوں جسے میں نے آپ ﷺ کی روانگی کے وقت آپ سے ملایا تھا۔ آپ ﷺ نے اس عورت سے پوچھا: [illegible] ”تیرے بیٹے کا کیا حال ہے؟“ وہ کہنے لگی: اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! میں نے آج تک اسے کسی مشکوک حالت میں نہیں پایا۔[1]

اسی طرح کا واقعہ سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے، کہتے ہیں: جب نبی اکرم ﷺ نے طائف پر مجھے عامل مقرر کیا تو نماز کے دوران میں کوئی شے مجھے روکنے لگی یہاں تک کہ مجھے یہ بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ میں نے نماز میں کیا پڑھا ہے۔ میں نے یہ حالت دیکھی تو میں سفر کر کے مدینہ منورہ گیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: ”کیا تم ابن ابی العاص ہو؟“ میں نے کہا: جی ہاں یا رسول اللہ! پوچھا: ”کیسے آئے؟“ عرض کیا:

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا 10/197، 198۔



مدینہ اور بدر کے درمیان وادی الروحاء

مجھے نماز میں ایسی صورت حال پیش آجاتی ہے کہ مجھے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ میں نے نماز کی کتنی رکعات پڑھی ہیں۔ فرمایا "یہ شیطان ہے، ذرا میرے قریب آجاؤ۔" میں اپنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا، پھر میرے منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈالا اور تین بار کہا: "اللہ کے دشمن نکل جا" پھر فرمایا: "جاؤ جا کر اپنے کام سے لگو۔" سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس دن کے بعد سے اب تک مجھے نماز میں کبھی اختلاط محسوس نہیں ہوا۔[1]

جنون سے افاقہ

ایک صحابیہ اپنے بیٹے کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لائیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس کو صبح وشام جنون کا دورہ پڑتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے سینے اور سر پر ہاتھ پھیرا، اسی وقت اسے قے ہوئی اور پیٹ سے پلے کی طرح کی کوئی چیز نکل کر بھاگ گئی۔ بعد ازاں وہ تندرست ہوگیا۔[2]

گونگے کو قوت گویائی مل گئی

حجۃ الوداع میں جب نبی اکرم ﷺ جمرۃ العقبہ پر رمی سے فارغ ہوئے تو ایک خثعمی عورت اپنا بچہ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اس کو کوئی (اندرونی) تکلیف ہے جس کی بنا پر یہ بولتا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا، اس سے اپنے ہاتھ دھوئے، کلی کی اور پھر وہ پانی اس بچے کو پلانے کا حکم دیا۔ ایک سال کے بعد اس عورت سے اس حدیث کی راویہ ام جندب رضی اللہ عنہا نے بچے کا حال پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ بالکل ٹھیک ہوگیا ہے۔[3]

مرض نسیان سے شفایابی

نسیان یعنی پڑھی ہوئی یا سنی ہوئی باتوں کو بھول جانا بھی ایک مرض ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی دعا چند صحابہ کے لیے اس مرض کے ازالے کا سبب بن گئی، مشہور صحابی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے حافظے کی کمزوری کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "دامن پھیلاؤ۔" انھوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ ﷺ نے دامن میں اپنا ہاتھ ڈالا اور فرمایا: "اس کو سمیٹ لو۔" سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس دن کے بعد میں کبھی کوئی بات نہیں بھولا۔[4] اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نسبت مذکور ہے کہ ان کو نسیان کی بیماری لاحق تھی اور آپ ﷺ کی دعا یا دم کی برکت سے وہ بیماری زائل ہوگئی۔[5]

حارث رضی اللہ عنہ تندرست ہوگئے

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حارث رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے۔ آپ ﷺ نے ان کے

1 سنن ابن ماجہ: 3548. 2 مسند احمد 1/254، الدارمی 1/12. 3 سنن ابن ماجہ: 3522. 4 صحیح البخاری: 119، 7354، صحیح مسلم: 2492. 5 جامع الترمذی: 3570، المستدرک للحاکم 1/316.

زخم پر اپنا لعاب مبارک لگایا تو وہ معاً شفا یاب ہو گئے۔[1]

زخم مندمل ہو گیا

یزید بن عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر زخم کا نشان دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ کی پنڈلی پر یہ زخم کس طرح آیا؟ وہ فرمانے لگے کہ یہ زخم مجھے خیبر کے دن لگا تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ ﷺ نے میرے زخم پر تین مرتبہ دم کیا۔ اس وقت سے آج تک اس زخم سے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ بلا شبہ یہ رسول اللہ ﷺ کا ایک عظیم معجزہ تھا۔[2]

لعاب مبارک کا کرشمہ

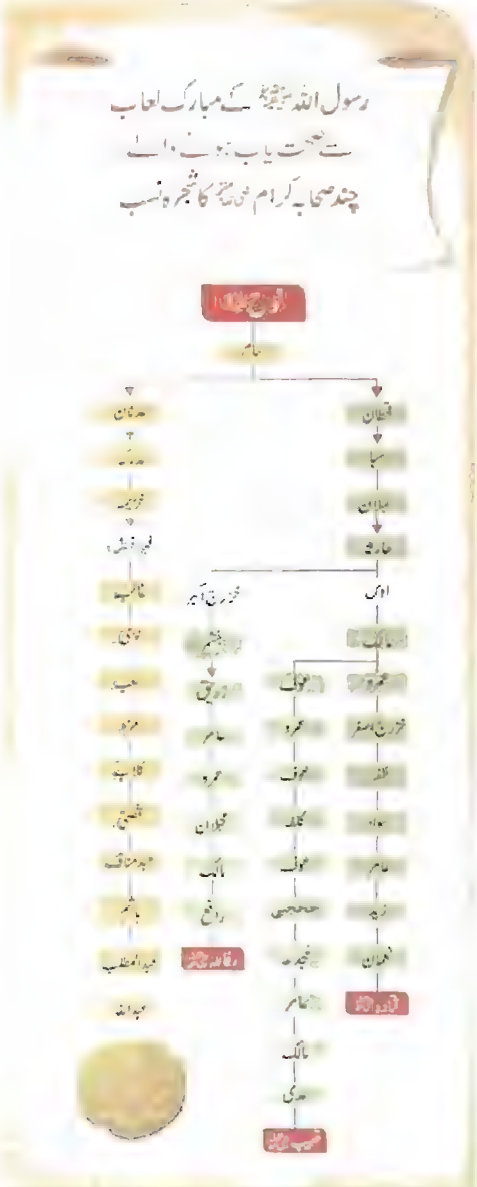
عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ثنیۃ الوداع پر ہمارا انتظار فرما رہے تھے۔ ہم وہاں پہنچے اور آپ ﷺ کو ساری کارگزاری سنائی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے تمھیں ظالم لوگوں سے نجات دلائی۔" عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنا زخم دکھایا۔ آپ ﷺ نے میرے زخم پر اپنا لعاب مبارک لگا دیا۔ میرا زخم مندمل ہو گیا۔ پھر مجھے زندگی بھر کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنا مبارک عصا عطا فرمایا اور تاکید کی: "یہ عصا سنبھال کر رکھنا، میں روز قیامت تمھیں اسی عصا کے ذریعے پہچانوں گا۔" چنانچہ جب عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو یہ عصا انھی کے ساتھ رکھ کر انھیں قبر میں دفن کر دیا گیا۔[3]



1 تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا 6/109۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا: 8/449۔ 3 تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا 7/509 تا 510۔

سانپ کے ڈسنے پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شافی علاج

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو پہلا پڑاؤ غار ثور میں ڈالا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے خود غار کے اندر گئے۔ جب انھوں نے یہ اطمینان حاصل کر لیا کہ اندر کوئی مضر چیز نہیں ہے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اب آپ اندر تشریف لے چلیں۔ آپ ﷺ اندر چلے گئے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ران پر سر رکھ کر سو گئے...... اچانک ایک سوراخ سے ایک سانپ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایڑی پر پھنکار ماری اور ڈس لیا۔ درد کی شدت سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ اقدس پر گرے۔ آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی۔ دریافت فرمایا: ''ابوبکر! کیا بات ہے؟'' صورت حال معلوم ہونے پر آپ ﷺ نے اس جگہ پر اپنا لعاب مبارک لگا دیا جہاں سانپ نے ڈسا تھا۔ لعاب مبارک کی برکت سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ساری تکلیف کافور ہو گئی۔[1]



لمس و لعاب کی برکت

خبیب بن عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ غزوۂ بدر کے دوران خبیب بن عدی پر کسی مشرک نے حملہ کیا تو ان کا ایک پہلو کٹ کر لٹک گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک لگا کر ان کا پہلو جوڑ دیا۔ خبیب تندرست ہو کر صحیح سلامت ہو گئے۔ اسی طرح قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کو غزوۂ بدر ہی میں کسی مشرک نے تیر مارا جو ان کی آنکھ میں لگا اور آنکھ کا ڈیلا باہر نکل آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں قریب بلایا اور

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت النبی ﷺ 269/1۔

اپنے دست مبارک سے نکالا ہوا ڈیلا دوبارہ ان کی آنکھ میں رکھ دیا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھ معاً ٹھیک ہو گئی اور مجھے یہ بھی یاد نہ رہا کہ میری کون سی آنکھ پھوٹی تھی۔ ان کے علاوہ رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ غزوۂ بدر کے دن انھیں تیر لگا جس سے ان کی آنکھ پھوٹ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر اپنا لعاب مبارک لگایا اور ان کے لیے دعا کی تو اس کے بعد انھیں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔[1]

بازو ٹھیک ہو گیا

محمد بن حاطب اپنی والدہ ام جمیل بنت مجلل رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں: ''ایک دفعہ ابلتی ہوئی ہنڈیا ان کے بیٹے محمد (راوی) کے بازو پر الٹ گئی۔ میں اسے لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ اپنا لعاب مبارک بچے کے ہاتھ پر لگاتے جاتے تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے:

[illegible]

''لوگوں کے رب! یہ تکلیف دور کر دے۔ تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیرے سوا کہیں سے شفا نہیں مل سکتی۔ ایسی شفا عطا فرما کہ کوئی اثر باقی نہ رہے۔''

وہ اپنے بیٹے محمد سے فرمایا کرتی تھیں: بیٹا! رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے بیٹھے ہی تیرا بازو بالکل ٹھیک ہو گیا۔[2]

جابر رضی اللہ عنہ کو ہوش آ گیا

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میری بیمار پرسی کے لیے ہمارے قبیلے بنو سلمہ میں تشریف لائے۔ میں اس وقت بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ آپ ﷺ نے پانی منگوایا، وضو فرمایا، پھر وضو والا کچھ پانی مجھ پر چھڑکا تو مجھے ہوش آ گیا۔

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت النبی ﷺ 5/434۔ [2] مسند احمد 4/259، ... 165، ... 3/387، روایت کی ... کے لیے دیکھیے صحیح البخاری، 5743، صحیح مسلم، 2191۔

احکام نبوی اور میڈیکل سائنس

جو شخص رسول اللہ ﷺ کی طب سے متعلقہ احادیث پر غور کرتا ہے، وہ وقتاً فوقتاً شریعت اسلامیہ کے اعجازی نکات واسرار سے آگاہی حاصل کرتا رہتا ہے۔ جدید میڈیکل سائنس کے نت نئے تحقیقی نتائج طب نبوی کی افادیت کی توثیق کرتے ہیں تو نبوت محمدی کی صداقت پر ایمان بڑھتا اور دل مطمئن ہوتا چلا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

اونٹوں کا پیشاب اور دودھ

امام بخاری، مسلم اور دیگر محدثین نے سریہ کرز بن جابر فہری کے واقعات میں روایت بیان کی ہے کہ عرینہ کے چند لوگ مدینہ آئے۔ انھیں مدینہ منورہ کی آب وہوا راس نہ آئی اور ان کے پیٹ خراب ہو گئے، جسم کمزور پڑ گئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سب ہمارے چرواہے کے ساتھ صدقے کے اونٹوں میں کیوں نہیں چلے جاتے؟ وہاں تم ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔''[1] وہ کہنے لگے: ٹھیک ہے۔ وہ وہاں چلے گئے اور ان کا دودھ اور پیشاب پیتے رہے حتی کہ تندرست ہو گئے...... یہ واقعہ شوال 6ھ کا ہے۔

یمن کی بستی مریبہ



درج بالا واقعے میں مذکور اونٹنی کا دودھ اور پیشاب کی افادیت کا جدید طبی ماہرین نے بھی اعتراف کیا ہے۔ ایک مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ بعض محققین اور سائنسدانوں نے جو تحقیقات کی ہیں، ان کے ابتدائی نتائج کے مطابق اونٹنی کے دودھ میں پائے جانے والے ایسڈز کی ترکیب انسولین کے ہارمونز سے ملتی جلتی ہے جسے شوگر کے مرض میں استعمال کرایا جاتا ہے۔[2] جامعہ جزیرہ کے طبی تحقیقاتی کالج کے سربراہ پروفیسر احمد عبداللہ احمدانی نے کہا ہے کہ

1 صحيح البخاري، 5685، صحيح مسلم، 1671، واللفظ له. 2 الاتحاد، شمارہ: 9515، 7 اپریل 2001.

استسقاء اور جگر کی بیماریوں کے علاج کے لیے اونٹنی کا پیشاب استعمال کیا گیا تو علاج میں کامیابی ملی۔ انھوں نے ایک تجربہ بھی بیان کیا کہ خون میں شکر پر اونٹ کے اثرات جاننے کے لیے پورا ایک سال اونٹنی کا دودھ استعمال کرایا گیا جس سے خون میں شکر کی مقدار میں بڑی کمی واقع ہوگئی۔ اس کے علاوہ انھوں نے اونٹنی کے دودھ اور پیشاب کے طبی خواص کی بھی وضاحت کی۔ ان کا کہنا تھا کہ استسقاء کی بیماری زلال یا پوٹاشیم کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور اونٹ کے پیشاب میں یہ دونوں عناصر وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔[1]

مکھی کے بارے میں حدیث

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب کسی کے برتن میں مکھی گر جائے تو وہ اسے مکمل طور پر ڈبو دے، پھر نکال کر پھینک دے کیونکہ اس کے ایک پر میں شفا اور دوسرے میں بیماری ہوتی ہے۔“[2]

ڈاکٹر خلیل ابراہیم ملا خاطر نے مکھی کے بارے میں کچھ جدید سائنسی انکشافات بیان کیے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی تصدیق کرتے ہیں۔ ان انکشافات میں بتایا گیا ہے کہ مکھی اپنے پاؤں کے کناروں، ناک کے کنارے، پروں کے کنارے اور اپنے فضلے میں جراثیم اٹھائے رکھتی ہے۔ یہ جراثیم بیماری کی بنیاد ہیں، خصوصاً ہیضہ، پیچش اور ٹائیفائیڈ کا سبب بنتے ہیں۔ مکھی کے اینٹی بائیوٹک عنصر کے متعلق نئے سائنسی انکشافات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مکھی میں شفا کا مادہ بھی پایا جاتا ہے۔ یہ اینٹی بائیوٹک مادے مکھی کے پیٹ میں موجود حلقوں کے جوڑوں اور سوراخوں سے نکلتے ہیں۔ یہ مادے مکھی کے جسم کے خلیوں میں موجود فطری اجزاء سے بنتے ہیں اور مکھی کے پچھلے حصے میں پروں کے نیچے ہوتے ہیں۔ یہ فطری اجزاء خلیے پر دباؤ پڑنے سے نکلتے ہیں۔ مکھی سے نکلنے والا یہ اینٹی بائیوٹک مادہ انتہائی قوی جراثیم کش مادہ مانا جاتا ہے اور یہ ثابت اور مختلف جراثیم کو ختم کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ اس میں وہ جراثیم ہوتے ہیں جنھیں صرف اس مکھی ہی نے اٹھایا ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ درج بالا حدیث کے الفاظ کے مطابق ہے جس سے اس حدیث کی اعجازی حیثیت اجاگر ہوتی ہے۔[3]

ایلوا

نبیہ بن وہب سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ”ہم ابان بن عثمان کے ساتھ سفر پر نکلے۔ جب ہم ملل کے مقام پر پہنچے تو عمر بن عبیداللہ کو آنکھوں کی تکلیف شروع ہوگئی۔ روحاء پہنچے تو تکلیف بڑھ گئی۔ انھوں نے ابان

1 دیکھیے انٹرنیٹ پر www.6qb.com 2 صحیح البخاری 5782. 3 دیکھیے: [illegible]



ایلوا (گوار گندل) کا پودا

بن عثمان کو پیغام بھیجا اور ان سے پوچھا کہ کیا کیا جائے؟ انھوں نے جواب بھیجا کہ آنکھوں پر ایلوے[1] کا لیپ کر لو۔ میرے والد عثمان رضی اللہ عنہ بتاتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا شخص جس کی آنکھوں میں تکلیف ہو جائے اور وہ احرام میں ہو، وہ آنکھوں پر ایلوے کا لیپ کرے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے چار سو سال بعد ابن سینا نے اپنی کتاب "القانون فی الطب" میں ایلوے کے طبی فوائد بیان کرتے ہوئے لکھا: یہ آنکھوں کے زخم، خارش، ان کے درد اور گوشۂ چشم کی کجی میں مفید ہے۔ یہ آنکھ کی رطوبت کو کم کرتا ہے۔ اس میں جلد کو نکھارنے اور خشک کرنے کی قوت پائی جاتی ہے۔ یہ نیند لاتا ہے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو دورانِ عدت رسول اللہ ﷺ میرے ہاں تشریف لائے۔ میں نے ایلوے کا لیپ کر رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''ام سلمہ! یہ کیا ہے؟'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ ایلوا ہے۔ اس میں خوشبو نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا:

[illegible]

''ہاں! یہ چہرے کو خوبصورت اور جوان رکھتا ہے۔ اسے صرف رات کے وقت استعمال کرو۔''[3]

سائنسدانوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ایلوا جلد میں پانی کو روک لیتا ہے جس سے جلد میں رطوبت اور تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ آج کل بازاروں میں ملنے والی بہت سی کریموں اور ادویات میں ایلوا پایا جاتا ہے۔

ٹیک لگا کر کھانا مضرِ صحت ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''بے شک میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔''[4]

سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ جب کھانے والا سیدھا بیٹھا ہو تو غذا کھانے کی نالی سے گزر کر سیدھی معدے

1 یہ ایلوے کا دوسرا نام صبر ہے۔ یہ گوار گندل کا گودا خشک کر کے بنایا جاتا ہے۔ اسے گھیکوار بھی کہتے ہیں۔ 2 صحیح مسلم، 1204
3 سنن النسائی: 3567، السنن الکبری للبیہقی: 11/424، حدیث: 15954۔ 4 صحیح البخاری، 5398۔

میں پہنچ جاتی ہے۔ یہ عمل افعالِ ہضم میں سہولت کا سبب بنتا ہے۔ اگر اس نے ٹیک لگا رکھی ہے یا وہ کھڑے کھڑے یا چلتے پھرتے کھا رہا ہے تو خوراک کے غذائی نالی سے گزرنے اور ہضم ہونے میں مشکل پیش آ سکتی ہے۔

مریض کو کھانے پر مجبور کرنا منع ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کیا کرو، اللہ تعالیٰ انھیں کھلاتا اور پلاتا ہے۔''[1]

سائنسی تحقیق کے نتیجے میں ثابت ہو چکا ہے کہ انسان کا جسمانی نظام اضطراب اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو تو کھانے پینے کی خواہش مر جاتی ہے اور یہ کیفیت اس وقت سنگین صورت اختیار کر لیتی ہے جب نظامِ ہضم بگڑا ہوا ہو، اس لیے اس صورت میں کھانے سے گریز اور پرہیز ہی مفید ہے۔

ختنہ

رسول اللہ ﷺ نے مرد کے ختنے کے بارے میں فرمایا: ''پانچ چیزیں انسانی فطرت کا تقاضا ہیں: ختنہ، زیرِ ناف بالوں کی صفائی، مونچھوں کا کاٹنا، ناخن تراشنا اور بغلوں کے بال اکھیڑنا۔''[2]

سائنس نے ثابت کیا ہے کہ مردوں کا ختنہ نہ کرانا بہت سی خرابیوں کا موجب ہے، مثلاً: آلۂ تناسل سے وقتاً فوقتاً خارج ہونے والا مواد قلفے کے پیچھے جمع ہو جاتا ہے جس سے حشفے میں مستقل سوزش پیدا ہو جاتی ہے اور ایسے ریشے بن جاتے ہیں جن سے پیشاب کی نالی کا سوراخ تنگ ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً پیشاب رک رک کر آنے لگتا ہے۔ یہ تکلیف ختنے والے لوگوں میں شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔

تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ ختنہ نہ کرانے سے پیشاب کی نالی کا کینسر بھی ہو سکتا ہے۔ جراثیم قلفے میں چھپ جاتے ہیں اور میاں بیوی کے ملاپ کے وقت رحم کی نالی، رحم اور بیضہ دانی میں پہنچ جاتے ہیں اور وہیں ٹھکانہ بنا لیتے ہیں۔ اس طرح حمل ٹھہرنے میں تاخیر ہو جاتی ہے بلکہ عورت بانجھ بھی ہو سکتی ہے۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے عورت کے ختنے کے بارے میں ہدایت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''ام عطیہ! تھوڑی سی کھال قطع کرو، زیادہ نہ کاٹو۔ اس عمل سے چہرے پر خوشگوار اثر پڑتا ہے اور خاوند کے لیے زیادہ موجبِ انبساط ہوتا ہے۔''[4]

رسول اللہ ﷺ کا بچیوں کے ختنے کرنے والی خاتون کو یہ ہدایات دینا جدید میڈیکل سائنس کی رو سے صحیح طبی اصول کے عین مطابق ہے کیونکہ یہ عمل عورتوں کی جسمانی اور نفسیاتی صحت کے لیے بہت مفید ہے۔ جدید میڈیکل

[1] صحیح الجامع الصغیر للالبانی: 2040، و سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: 354/2، حدیث: 727۔ [2] صحیح البخاری: 6297، و صحیح مسلم: 257۔ [3] الاعجاز العلمی فی الاسلام لعبد الصمد، ص: 38۔ [4] المعجم الصغیر للطبرانی: 82/2، حدیث: 122۔

سائنس کی رو سے فرعونی ختنہ عورتوں کے لیے نہایت مضر ہے جس کا مصر اور سوڈان کے بعض علاقوں میں رواج ہے۔

دوران حیض جنسی ملاپ

رسول اللہ ﷺ نے دوران حیض زن و شوہر کے تعلقات کے بارے میں فرمایا: "اصنعوا كل شيء إلا النكاح" "(دوران حیض) جماع کے سوا ہر کام کر سکتے ہو۔"[1]

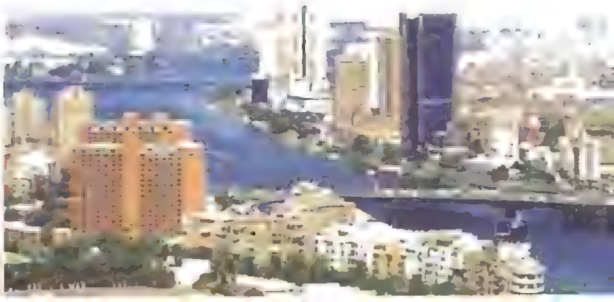
جدید میڈیکل سائنس نے اس امر کی توثیق کی ہے کہ حیض کے دوران جماع کرنے کے باعث جراثیم اس وقت رحم میں داخل ہو جاتے ہیں جبکہ وہاں کا دفاعی نظام ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اس طرح رحم کی نالی اور رحم میں موجود خون جراثیم کی نشو ونما اور اضافے کا سبب بنتا ہے۔ مزید برآں اس حالت میں جماع کرنے سے یہ گندگی مرد کی طرف بھی منتقل ہو سکتی ہے۔ اس حالت میں جماع کبھی کبھی فم رحم کے کینسر کا موجب بھی بن جاتا ہے۔

کتے کا جھوٹا برتن

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس کا پانی گرا دیا جائے، پھر اس برتن کو سات دفعہ دھویا جائے[2] اور ایک دفعہ مٹی بھی لگائی جائے۔"[3]

سائنسی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ کتا انسان میں بہت سی بیماریاں منتقل کرتا ہے۔ ان میں خارش اور باؤلا پن بھی شامل ہے۔ باؤلا پن ایک خطرناک بیماری ہے اور کست ایڈاتک کی بیماری جو ایک کیڑے ٹینیا اکینوکوکس کے انڈوں کے داخل ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ کیڑا عموماً کتے کی آنتوں میں پایا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی کئی بیماریں ہیں جو کتے کے کاٹ کھانے سے جنم لیتی ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مٹی انڈوں اور جراثیم کو ختم کرنے میں بہت مؤثر ہے کیونکہ مٹی کے ذرات ان میں گھل مل جاتے ہیں، اس طرح جراثیم کو ختم کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

[1] صحیح مسلم: 302، [2] صحیح مسلم: 280، [3] سنن النسائی: 338



قاہرہ اور دریائے نیل



ایوان صدر کا [illegible] (خرطوم، سوڈان)

دورِ جدید کے سائنسدانوں نے قبروں کی مٹی کا تجزیہ کیا تاکہ جراثیم کا پتہ لگایا جا سکے۔ انھیں توقع تھی کہ اس مٹی میں بہت سے نقصان دہ جراثیم ہوں گے کیونکہ بہت سے لوگ طرح طرح کی بیماریوں سے مرتے ہیں۔ سائنسدانوں کی پوری تحقیق کے باوجود مٹی میں ان موذی جراثیم کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ مٹی میں نقصان دہ جراثیم ختم کرنے کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو مردوں کے جراثیم کا خطرہ بہت بڑھ جاتا اور صورتحال کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔

شکاری پرندوں اور درندوں کی حرمت

رسول اللہ ﷺ نے پرندوں میں سے ہر پنجے والے پرندے اور درندوں میں سے ہر کچلی والے جانور کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔[1]

جدید علم الاغذیہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ قومیں جن حیوانات کا گوشت کھاتی ہیں وہ ان جانوروں کی طبعی صفات سے ضرور متاثر ہوتی ہیں کیونکہ ان جانوروں میں ایسے زہریلے مادے اور اندرونی افرازات (Secretions) پائے جاتے ہیں جو خون میں اثر کرتے ہیں، پھر وہ کھانے والوں کے معدوں میں منتقل ہو جاتے ہیں اور ان کے اخلاق پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

انسانی پیدائش

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(جماع کے وقت خارج ہونے والی) پوری منی سے بچہ نہیں بنتا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کوئی بچہ پیدا کرنا چاہے تو (عزل جیسا) کوئی بھی حیلہ بچے کی پیدائش کو روک نہیں سکتا۔''[2]

سائنسی طور پر بھی یہ ثابت ہے کہ اللہ پاک منی کے ایک بہت ہی چھوٹے ذرے سے بچہ پیدا کرتا ہے۔ جب ایک دفعہ منی خارج ہوتی ہے تو اس میں بیس کروڑ سے زیادہ جرثومے موجود ہوتے ہیں جبکہ عورت کے بیضہ کے ساتھ ملنے والا جرثومہ ان میں سے صرف ایک ہی ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق تخلیق کے لیے چن لیتا ہے، بے شک پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو ایک تناسب سے پیدا فرمایا۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ بیضہ اور جرثومہ مل کر لازماً بچہ بنیں۔ جدید تحقیقات کے مطابق 78 فیصد بیضے ہر حمل سے ساقط ہو جاتے ہیں اور تقریباً 50 فیصد بیضے اس طرح چپ چاپ ساقط ہو جاتے ہیں کہ ماں کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اسے حمل ٹھہر گیا تھا۔

1 صحیح مسلم، 1932، سنن النسائی، 4353، واللفظ لہ۔ 2 صحیح مسلم، 1438

پیش گوئیاں

نبی اکرم ﷺ پیدائشی طور پر اُمّی تھے۔ آپ نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا، نہ آپ نے کسی سے سابقہ کتابوں کا علم حاصل کیا۔ آپ ﷺ کی اس ''امیت'' کا آپ ﷺ کے دشمنوں کو بھی اقرار تھا۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے سابق انبیاء ؑ اور ان کی شریعتوں کے متعلق صاف صاف صحیح اور صریح باتیں بیان کیں جو کوئی اور نہیں بتا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ کو مشرکین اور یہود کے مذموم ارادوں اور پچھلی امتوں اور پیغمبروں کے حالات وواقعات سے آگاہ فرمایا بلکہ آپ کو آیندہ کے بعض حالات وواقعات کے بارے میں بھی اطلاعات فراہم کیں۔ ارشاد فرمایا:

لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله امنين

''اگر اللہ نے چاہا تو تم حالت امن میں مسجد حرام میں ضرور بالضرور داخل ہوگے۔''

اسی طرح فرمان الٰہی ہے:

علم ان سيكون منكم مرضى واخرون يضربون في الارض يبتغون من فضل الله واخرون يقاتلون في سبيل الله

''اسے علم ہے کہ تم میں سے کتنے بیمار ہوں گے اور کتنے زمین میں اللہ کا فضل ڈھونڈتے پھریں گے، اور کتنے اور اللہ کی راہ میں لڑیں گے۔''

اس آیت کریمہ میں قتال کا ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ جب یہ سورت نازل ہوئی تھی اس وقت قتال کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

اسی طرح فرمان الٰہی ہے:

سيهزم الجمع ويولون الدبر

''عنقریب وہ جماعت شکست کھائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔''

یہ آیت کریمہ مکی ہے۔ چنانچہ بدر کے موقع پر مشرکین کو شکست وریخت سے دوچار ہونا پڑا۔ اسی طرح اللہ

تبارک و تعالیٰ نے یہ خبر بھی دی کہ ہم اس کتاب قرآن مجید کو تاقیامت محفوظ و مامون رکھیں گے۔ فرمان الٰہی ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

"بے شک ہم ہی نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔"

چنانچہ دعوت اسلام کے آغاز سے لے کر اب تک ولید بن مغیرہ اور نضر بن حارث جیسے بدبخت لوگوں نے قرآن کے مقابلے میں اپنا کلام لانے کی بے حد کوشش کی مگر وہ قرآن کریم جیسا ایک نسخہ بھی نہیں لا سکے۔ نہ ہی وہ قرآن کریم میں کوئی تبدیلی کر سکے۔ جس مقدس کتاب کی حفاظت اللہ نے خود اپنے ذمے لے رکھی ہو اس میں تبدل و تحرف کیسے ممکن ہے؟

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ

"باطل اس کے پاس پھٹک بھی نہیں سکتا، اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، یہ بڑے حکمت والی، انتہائی محمود ہستی کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے۔"[1]

ذیل میں ہم رسول اللہ ﷺ کی چند پیش گوئیاں ذکر کرتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے آیندہ اور گزشتہ حالات و واقعات سے آگاہ کیا جاتا تھا تاکہ آپ اپنی امت کی بہتر راہنمائی فرما سکیں۔

غلبۂ اسلام کی عظیم الشان پیش گوئی

فارس اور روم اس وقت کی دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ روم کے لوگ عیسائی تھے۔ اہل فارس مجوسی مشرک تھے۔ ان دونوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ اہل فارس رومیوں پر غالب آگئے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اہل فارس کے غلبے کی خبر ملی تو غمگین ہوئے لیکن کفار مکہ فارس کی فتح پر بہت خوش ہوئے۔ وہ صحابۂ کرام سے کہنے لگے: ہمارے اہل فارس بھائی اہل کتاب بھائیوں پر غالب آگئے ہیں۔ ان کی طرح ہم بھی آپ لوگوں پر غلبہ پالیں گے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

الم ۝ غُلِبَتِ الرُّومُ ۝ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ۝ فِي بِضْعِ سِنِينَ ۗ لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ۚ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ۝ بِنَصْرِ اللَّهِ ۚ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَهُوَ

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 3/203-211

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ وَعْدَ اللَّهِ ۖ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ ۝

''الٓمّٓ۔ رومی مغلوب ہو گئے۔ قریب ترین سرزمین (شام کے علاقے اذرعات) میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد جلد غالب ہوں گے چند برسوں میں، اقتدار اللہ ہی کے لیے ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور اس (غلبے والے) دن مومن بھی (اپنی فتح پر) خوش ہوں گے اللہ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے، مدد کرتا ہے اور وہ نہایت غالب، بہت رحم کرنے والا ہے۔ (یہ) اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ وہ دنیا کی زندگی کا ظاہری پہلو ہی جانتے ہیں اور وہ آخرت سے بالکل غافل ہیں۔''[1]


اذرعات (شام) کا تاریخی شہر

اسی سورہ میں آگے چل کر ارشاد فرمایا:

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

''اور مومنوں کی مدد کرنا ہم پر لازم تھا۔''[2]

ان آیات میں دو پیش گوئیاں کی گئی تھیں۔ ایک رومیوں کے غلبے کی پیش گوئی اور دوسری مکی کے غلبے کے زمانے میں مسلمانوں کے لیے فتح کی خوشخبری۔

سورۂ روم کا نزول مکی دور کے تقریباً وسط میں اس وقت ہوا جب کوئی شخص یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ وہ بے بس مسلمان جنھیں سر چھپانے کے لیے ٹھکانہ بھی میسر نہیں ہے، کسی وقت قریش مکہ کو شکست دے سکتے ہیں۔ اسی طرح روم کے بھی فارس پر غلبہ پانے کے دور دور تک کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے لیکن حیرت انگیز طور پر یہ دونوں پیش گوئیاں، 2ھ/622-623ء میں حرف بحرف پوری ہوئیں۔ جس دن غلبہ روم کی خبر آئی، اسی دن مسلمانوں نے دنیائے کفر کو بدر کے میدان میں بڑی زبردست شکست سے دوچار کیا۔[3]

غزوۂ احزاب

سورۂ قمر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1 تفسیر الطبری، الروم 30:1-5، الدر المنثور، الروم 30:1-6، تاریخ الطبری 1/594. 2 الروم 30:47. 3 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 3/385-392۔

أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ

"کیا وہ (مشرکین) کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لینے والی جماعت ہیں؟ عنقریب وہ جماعت شکست کھا جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔"[1]

سورۂ قمر ترتیب نزولی کے اعتبار سے انتیسویں سورت ہے۔ گویا یہ سورت مکی دور کی ابتدا میں اس وقت نازل ہوئی جب مسلمان بہت ناطاقت کمزور تھے اور اس وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ کبھی مسلمان بھی کفار کے اتنے بڑے مجمع کو شکست دے سکیں گے، مگر اس سورہ میں نہ صرف دشمنوں کے اس اکٹھ جوڑ کی خبر دی گئی ہے، بلکہ ان کے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانے کی بھی پیش گوئی فرمادی گئی۔ سورۂ احزاب میں، جو اسی موقع پر اتری، ارشاد ہے:

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا

"اور مومنوں نے جب لشکر دیکھے تو کہا: یہ تو وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا، اور اس (چیز) نے ان کے ایمان اور فرماں برداری کو اور زیادہ بڑھا دیا۔"[2]

اس جگہ اسی پیش گوئی کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ 5ھ/628ء میں جب تمام کفار نے اکٹھا کر کے اسلامی ریاست مدینہ منورہ پر یلغار کی تو اس پیش گوئی کی صداقت دنیا کی آنکھوں کے سامنے آگئی اور یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

فتح مکہ کی پیش گوئی

نبی کریم ﷺ نے 6ھ/628ء میں خواب دیکھا کہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے امن و سکون سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور سب نے امن و اطمینان کے ساتھ عمرہ ادا کیا۔ اور اپنے سروں کو منڈایا یا ان کا قصر کیا۔ اس خواب کو منشائے الٰہی خیال کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے عمرہ ادا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو 1400 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ ادائے عمرہ کے لیے تیار ہو گئے۔ کفار مکہ کو جب رسول اللہ ﷺ کے اس سفر مقدس کا پتہ چلا تو وہ لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔ بالآخر طویل گفت و شنید کے بعد دونوں لشکروں کے مابین صلح کا دس سالہ معاہدہ طے پا گیا جس کی بعض دفعات بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ اس پر بعض صحابہ کرام بہت جذباتی ہو رہے تھے۔ اس وقت دونوں لشکروں میں بہت زیادہ فرق تھا اور کوئی شخص ان حالات میں فتح مکہ کے متعلق سوچ بھی نہ سکتا تھا،

1 القمر 54: 44، 45۔ 2 الاحزاب 33: 22۔

لیکن عین انھی دنوں میں سورۂ فتح نازل ہوئی، جس کی پہلی آیت میں فتح مکہ کی پیش گوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا

"(اے نبی!) بلاشبہ ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا کر دی ہے۔"[1]

چنانچہ اس سورت کے نزول کے صرف دو سال بعد مکہ مکرمہ بغیر کسی بڑی خون ریزی کے فتح ہو گیا۔

فتح خیبر کی اطلاع

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں اس صلح حدیبیہ کو مصلحت اور انجام کے اعتبار سے فتح مبین قرار دینے کے ساتھ ہی یہ وعدہ بھی فرمایا کہ مسلمان مستقبل میں خیبر فتح کر کے بہت سامان غنیمت حاصل کریں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا

"اللہ نے تم سے بہت سے غنائم کا وعدہ فرمایا ہے کہ تم انھیں حاصل کرو گے، چنانچہ اس نے جلد ہی وہ غنائم تمھیں عطا کر دیے اور لوگوں کے ہاتھ تمھارے خلاف اٹھنے سے روک دیے تاکہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی ہو جائے اور وہ تمھیں صراط مستقیم کی ہدایت دے۔"[2]

ابن اسحاق نے مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لا رہے تھے تو آپ پر مکہ و مدینہ کے درمیان سورۃ الفتح نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے خیبر کی فتح کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا .....[3]

"اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سے غنائم کا وعدہ فرمایا ہے کہ تم انھیں حاصل کرو گے۔"

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا "اور بدلے میں انھیں قریب کی فتح دی۔" کے الفاظ مبارک میں قریب کی فتح سے مراد فتح خیبر ہے۔[4]

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے یہ وعدہ ان کے اطمینان اور سکون قلب کے لیے فرمایا تھا۔ اس سے ان کے دل اس یقین سے سرشار ہو گئے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ انھیں فتح خیبر سے سرفراز فرمائے گا اور خیبر کے لہلہاتے ہوئے کھیت اور

1 الفتح 1:48۔ 2 الفتح 20:48۔ 3 السیرۃ النبویۃ 317/3۔ 4 تفسیر ابن کثیر 183/4۔

سرسبز و شاداب باغات انھیں بطورِ غنیمت عطا فرمائے گا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے اگلے ہی سال 7ھ/629ء میں یہ پیش گوئی بھی پوری ہوگئی اور خیبر کے قلعے مسخر ہوکر مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہوگئے۔

مسلمانوں کی مجموعی کامیابی کی خوشخبری

اس کے علاوہ یہ پیش گوئی بھی کی گئی تھی:

وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ

''اور بلاشبہ ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔''[1]

یہ گویا دونوں فوجوں میں مسلم افواج کی مجموعی کامیابی کی بشارت ہے، چنانچہ مسلمان اپنی تعداد کی قلت اور اسلحے میں کمی کے باوجود ہر جنگ میں اپنے دشمنوں پر غالب رہے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں غیر مہذب عربوں سے لے کر روم و فارس کی متمدن سلطنتوں تک بہت سی قومیں آئیں، مگر ان سب کو ناکامی ہوئی اور اللہ کی طرف سے کی گئی یہ پیش گوئی پوری ہوکر رہی۔

تنگ دستی کے بعد تونگری کی بشارت

جب مکہ فتح ہوا اور غیر مسلموں کو حرم اقدس سے نکالنے کا حکم آیا، اس وقت مکہ کی تمام معیشت و تجارت پر انھی کا تسلط تھا۔ اس موقع پر مسلمانوں کو افلاس اور تنگ دستی کا خطرہ محسوس ہوا، مگر اللہ تعالیٰ نے تنگ دستی کے بعد غنا کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ إِنْ شَآءَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

''اور اگر تمھیں تنگ دستی کا خوف ہے تو اگر اللہ چاہے گا تو تمھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔''[2]

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جلد ہی مسلمان تاجر سرزمین عرب ہی پر نہیں، بلکہ بین الاقوامی تجارت کے مراکز پر چھا گئے۔ حالانکہ ابتدائی زمانے میں مسلمانوں کی تنگ دستی اور غربت و افلاس کا یہ عالم تھا کہ اکثر صحابہ بھوک سے نڈھال رہتے تھے، بلکہ خود رحمت عالم ﷺ نے بھوک سے لاچار ہوکر پیٹ پر پتھر تک باندھے۔ اور پھر رزق کی ایسی فراوانی ہوئی کہ غریب سے غریب صحابہ ﷺ بھی نہایت آرام و راحت سے زندگی گزارتے تھے اور اسلامی سلطنت

1 الصافات 37: 173 2 التوبہ 9: 28

میں ایک آدمی بھی زکوۃ لینے والا نہیں رہا۔

غیر عربوں سے خدمتِ اسلام لیے جانے کی پیش گوئی

وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا، اس لیے دنیا میں مسندِ اقتدار سے لے کر بساطِ علم تک پر فائز لوگ بدلتے رہتے ہیں۔ تبدیلی کا یہ عمل اپنا اثر دکھاتا رہتا ہے اور نیا اور تازہ دم خون کمزور اور ضعیف خون کی جگہ لیتا رہتا ہے۔ اسلام کے متعلق اس بات کی پیش گوئی ابتدا ہی میں کر دی گئی تھی اور اعلان کر دیا گیا تھا کہ جو غیر عرب اقوام مسلمان ہوں گی، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ اسلام کی نمایاں خدمت انجام دیں گی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم

''اور اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمھاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا، وہ تم جیسے (نافرمان) نہیں ہوں گے۔''[1]

چنانچہ دوسری صدی ہجری کے آغاز سے پہلے ہی مذہبی و علمی سیادت غیر عربوں (موالی) کے ہاتھ آ گئی۔ بعد ازاں دوسری اور پھر دوسری صدی ہجری میں سیاسی قیادت بھی انھی کے پاس چلی گئی جنھوں نے اسلام کی خدمت و اشاعت میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا، یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

غلبۂ دین کی پیش گوئی

قرآن حکیم کے تین مقامات پر یہ اعلان دہرایا گیا:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

''وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔''[2]

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

''اور وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ وہ اسے سب دینوں پر غالب کر دے۔''[3]

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

''وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے۔''[4]

1 محمد 38:47، 2 التوبہ 33:9، 3 الفتح 28:48، 4 الصف 9:61

یہ تینوں مدنی سورتیں ہیں، جن کا زمانۂ نزول مسلمانوں کے لیے بڑا پر آشوب تھا۔ اس وقت مسلمانوں کے لیے حالات سے عہدہ برآ ہونا بڑا کٹھن اور دشوار نظر آتا تھا۔ لیکن دنیا نے دیکھا کہ کس طرح بتدریج پر آہستہ آہستہ حالات بدلتے گئے اور قرآنی پیش گوئی ایک صداقت بن کر منظرِ عام پر آتی چلی گئی، بالآخر دوسرے وعدوں کی طرح یہ وعدہ الٰہی بھی پورا ہوا اور چار دانگ عالم میں اسلام کی قوت و شوکت کی دھاک بیٹھ گئی۔

شجرۂ طیبہ سے مشابہت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝

''(اے نبی!) کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ (اسلام) کی کیسی مثال بیان کی کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے، اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔''[1]

اس آیت میں اسلام کو شجرۂ طیبہ (عمدہ درخت) سے مشابہت دی گئی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس مشابہت میں بھی اسلام کے بتدریج نشو و نما پانے اور مکمل ہونے کی پیش گوئی پائی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شجرِ اسلام روز بروز پھیلتا اور بڑھتا چلا جائے گا اور ہر آنے والا دن اس کی جڑوں کو استحکام بخشنے کا ذریعہ ثابت ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

فتنۂ ارتداد سے نمٹنے اور اس پر قابو پانے کی پیش گوئی

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے فوراً بعد جزیرۂ عرب میں ارتداد کی ایک طاقتور لہر اٹھی جس نے عرب کے بہت سے قبیلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور حالت یہ ہوگئی کہ مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ اور طائف کے سوا کوئی شہر بھی اس کی لپیٹ میں آنے سے نہ بچ سکا۔ ان حالات کے پیش آنے اور ان پر قابو پانے کی بھی قرآنِ حکیم میں پیش گوئی کر دی گئی تھی۔ ارشادِ الٰہی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ۝

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے تو پھر جائے، اللہ جلد ایسے لوگ پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ انھیں محبوب ہوگا۔''[2]

چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی قدسی جماعت نے بہت جلد اس فتنے پر قابو پا لیا۔

[1] ابراہیم 14:24. [2] المائدۃ 5:54.

قرآن مجید کی خود اپنے بارے میں پیش گوئیاں

قرآن حکیم نے خود اپنے بارے میں یہ اعلان کیا:

﴿ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴾

''کہہ دیجیے: یقیناً اگر تمام انسان اور جن اس (بات) پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو وہ اس جیسا کلام نہیں لا سکیں گے ہر چند وہ (اس سلسلے میں) ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔''[1]

چنانچہ دنیائے کفر کو پہلے پورے قرآن حکیم، پھر دس سورتیں (ہود 13:11) اور پھر ایک ہی سورت بنا کر (البقرۃ 23:2، یونس 38:10) پیش کرنے کا چیلنج دیا گیا، مگر مشرکین اس چیلنج کو قبول نہ کر سکے۔ حالانکہ ان کی صفوں میں بڑے بڑے خطیب اور بے مثل ادیب اور شاعر موجود تھے۔ سب سے آخر میں یہ پیش گوئی کی گئی:

﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا ﴾

''پھر اگر تم (یہ کام) نہ کر سکو اور تم کر بھی نہیں سکو گے۔''[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم کی سب سے چھوٹی سورت، سورۃ الکوثر ہے جس کی کل تین آیات ہیں، اگر دنیائے کفر باہم مل کر تین آیات کی سورہ بنا کر پیش کر دیتے یا اپنے سے پہلے کے زمانے کی نثر میں سے اس کی کوئی مثال تلاش کر کے سامنے لے آتے تو وہ قرآن حکیم کی پیش گوئی کو غلط ثابت کر سکتے تھے، مگر وہ یا ان کے بعد اب تک آنے والے غیر مسلم ایسا نہیں کر سکے اور نہ ہی کر سکیں گے۔[3]

حفاظت قرآن کریم کا وعدہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾

''بیشک ہم ہی نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا اور بیشک ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔''[4]

قرآن کریم سے پہلے تین آسمانی کتابیں اور بے شمار صحیفے انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوئے مگر وہ سب دنیا سے ناپید ہو گئے اور ان کی اصل کو ماننا تو درکنار یہ بات تک معلوم نہیں کہ وہ کس زبان میں اترے تھے، پھر جس دور میں قرآن کریم

[1] بنی اسرائیل 88:17 [2] البقرۃ 24:2 [3] فتح الباری 6/380، 381 [4] الحجر 9:15

نازل ہوا، اس وقت بظاہر کتابوں کی حفاظت و نگہداشت کا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا۔ ان حالات میں حفاظت قرآن والی پیش گوئی کا پورا ہونا بظاہر مشکل نظر آتا تھا، لیکن معجزۂ قرآنی کی صداقت ملاحظہ ہو کہ سوا چودہ سو سال گزرنے کے باوجود یہ عظیم الشان کتاب اپنے مضامین جلیلہ اور الفاظ و معانی سمیت پوری طرح صحیح سلامت موجود ہے۔

جمع و تدوین قرآن

قرآن حکیم کا نزول عام کتب سماویہ سے مختلف انداز میں ہوا ہے، دیگر آسمانی کتابوں کے برعکس اس کتاب مبین کے الفاظ بھی آسمان سے نازل ہوئے ہیں، جبکہ باقی آسمانی کتابوں کے صرف معانی و مفاہیم اترے تھے، الفاظ و کلمات کا انتخاب انبیاء علیہم السلام خود کرتے تھے۔ اسی لیے قرآن کریم کی ''جمع و تدوین'' کا مسئلہ بڑا اہم تھا، چنانچہ روایات میں ہے کہ جب قرآن کریم کی کوئی سورہ نازل ہوتی تو نبی اکرم ﷺ حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ اُسے جلد ہی دہرانا اور پڑھنا شروع کر دیتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ

''یقیناً اسے (آپ کے سینے میں) جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمے ہے۔''[1]

چنانچہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ گو یہ تئیس سال کے عرصے میں تھوڑا تھوڑا کر کے بتدریج پایہ تکمیل کو پہنچا، مگر دنیا نے دیکھا کہ عہد نبوی ہی میں قرآن حکیم مکمل طور پر مرتب اور مدون ہو چکا تھا۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں اس کی نقول تیار کر کے کئی نسخے مرتب کیے گئے۔ مذکورہ آیت کی روشنی میں یہ بات یقینی ہے کہ قرآن مدون و مرتب شکل میں تاقیامت محفوظ اور موجود رہے گا۔

حفظ کیے جانے کی پیش گوئی

نزول قرآن کریم سے پہلے نظموں اور قصیدوں کے اشعار یا چند ادبی جملوں کو رٹنے اور یاد کرنے کی تو مثالیں موجود تھیں، لیکن اتنی عظیم و ضخیم آسمانی کتاب کو حفظ کرنے جیسی کوئی مثال موجود نہیں تھی، نہ بعد میں کسی مذہبی یا غیر مذہبی کتاب کے زبانی یاد ہو جانے کی کوئی مثال سامنے آئی۔ قرآن کریم کے حفظ کا تصور بالکل ایک نیا اور اچھوتا تصور تھا۔ اس عظیم الشان نعمت کا تذکرہ خود قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے:

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ

1 القیامۃ 75: 17

”بلکہ یہ (قرآن) تو روشن آیات ہیں، ان لوگوں کے سینوں میں جنھیں علم بخشا گیا ہے۔“[1]
اس پیش گوئی کی صداقت کسی تعارف کی محتاج نہیں، جو شخص بھی چاہے گا، اسے بہت اچھی طرح یاد کر سکے گا۔

حفظ کرنا سہل ہوگا

جب قرآن کریم میں یہ پیش گوئی کی گئی کہ اسے حفظ کیا جائے گا تو یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ یہ تو ممکن ہے کہ اسے حفظ کرلیا جائے لیکن بجائے خود حفظ کرنے کا عمل بہت دشوار ہوگا، مگر سورۃ القمر میں اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا گیا اور بتایا گیا کہ اسے حفظ کرنا اتنا سہل ہے کہ چھوٹے بچے بھی بآسانی حفظ کر سکیں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾

”اور البتہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کیا ہے، پھر کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا؟“[2]
چنانچہ قرآن مجید کو حفظ کرنے سے لے کر اس کے معانی و مطالب کے فہم و ادراک تک تمام مرحلے انتہائی آسان بنا دیے گئے ہیں۔

اشاعت قرآن کی پیش گوئی

قرآن کریم نے اپنے متعلق جو عظیم الشان پیش گوئیاں کی ہیں، ان میں سے ایک اور پیش گوئی اس کی طباعت و اشاعت کے بارے میں بھی ہے، فرمایا: ﴿وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ﴾ ”اور (قسم ہے) ایک کتاب کی جو کشادہ کاغذ پر لکھی ہوئی ہے۔“[3]
رق کا مفہوم باریک جھلی ہے جو گزشتہ زمانے میں عام طور پر کتابت کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ مفسرین کے مطابق، یہاں قرآن حکیم کے کشادہ اوراق یا باریک جھلی پر ہونے کی حالت میں، جو قسم کھائی گئی ہے، وہ ایک طرح کی پیش گوئی ہے جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ قرآن حکیم کی نشر و اشاعت بذریعہ کتابت اور طباعت ہمیشہ جاری رہے گی اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ دنیا بھر میں جتنی اشاعت قرآن کریم کی ہو رہی ہے، یا گزشتہ زمانوں میں ہوتی رہی ہے، اس کی کرۂ ارض پر کوئی مثال موجود نہیں۔

باطل سے حفاظت و صیانت کا وعدہ

سابق انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو مقدس کتابیں عطا فرمائیں، بلاشبہ وہ اپنے مضامین اور افکار کے اعتبار سے

[1] العنکبوت 29:49. [2] القمر 54:17. [3] الطور 52:2،3.

حقانیت وصداقت کی دستاویز تھیں، اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اتری تھیں، لیکن رفتہ رفتہ شیطانی قوتوں نے ان کے ماننے والوں کے ذریعے سے ان کے مضامین اس طرح بدل ڈالے کہ حق و باطل میں امتیاز ختم ہو گیا۔ اس طرح اصلی کتابوں کی جگہ محرف شدہ کتابیں باقی رہ گئیں۔

اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ہر قسم کے باطل سے محفوظ رکھنے کا وعدہ کیا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ

''باطل اس کے پاس پھٹک بھی نہیں سکتا، اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔''[1]

باطل کا لفظ ''حق'' کے مقابلے میں بولا جاتا ہے، لہٰذا اس سے مراد دنیائے کفر و شرک اور ان کے تمام مذموم عقائد و خیالات ہیں۔ پیش گوئی یہ ہے کہ اس کتاب مبین کے افکار عالیہ اور مضامین مقدس پر، کافرانہ اور مشرکانہ خیالات وعقائد عیاں یا نہاں کسی بھی طریقے سے اثر انداز نہیں ہو سکیں گے، اللہ تعالیٰ اس کی ہر طرح پوری حفاظت فرمائے گا۔ نامور سیرت نگار قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اس سے فلسفۂ قدیم اور فلسفہ جدید مراد لیا ہے اور لکھا ہے کہ ''فلسفۂ قدیم (الباطل من بین یدیہ) اور فلسفہ جدید (الباطل من خلفہ) نے بہت زور مارا، مگر وہ اس پر اثر انداز ہونے سے قاصر رہا۔''[2]

تمھیں تکلیف نہ پہنچا سکیں گے

عہد نبوی میں سرزمین عرب پر یہودیوں کی بیسیوں بستیاں تھیں، خود مدینہ منورہ میں علاقے کے مضبوط ترین قلعے اور محفوظ ترین علاقے ان کے قبضے میں تھے۔ عددی برتری کا یہ عالم تھا کہ مشرکین کے بعد یہ قوم عرب میں سب سے بڑی قوم سمجھی جاتی تھی، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى

''وہ تمھیں تھوڑی سی تکلیف کے سوا ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔''[3]

چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ مسلمانوں نے ایک ایک کر کے ان کے علاقوں پر قبضہ کیا، انھیں ان کے گھروں سے بے دخل کیا۔ ان کے قلعے قبضے میں لے لیے، مگر یہودی مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

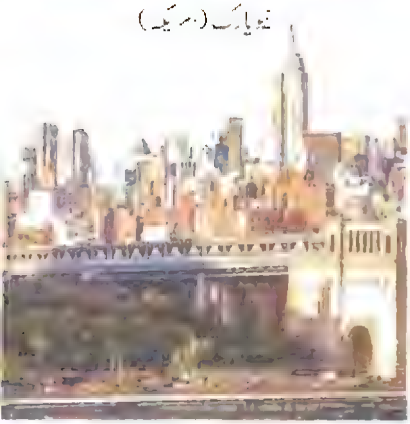
یہودیوں پر قیامت تک ذلت ومسکنت طاری رہنے کی پیش گوئی

قرآن کریم میں یہودیوں کو پیغمبروں کی اولاد، انبیاء علیہم السلام کی کتابوں اور ان کی تعلیمات کے حامل اور عربوں میں

1 حم السجدۃ 42:41، 2 رحمۃ للعالمین 3/270، 271، 3 آل عمران 3:111



یروشلم (فلسطین) کا مینارِ داؤد



نیویارک (امریکہ)



لندن کا ایک منظر



ایفل ٹاور، پیرس (فرانس)

واحد پڑھی لکھی قوم ہونے کی بنا پر خصوصی ادب واحترام دیا گیا اور انھیں "یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ" (اے اولادِ یعقوب!) کہہ کر مخاطب کیا گیا، لیکن جب انھوں نے بلا جواز اسلام کی مخالفت شروع کر دی اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے لائے ہوئے دینِ حنیف کو مٹانے کے لیے کمربستہ ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ذلت ومسکنت طاری کرنے کی پیش گوئی کرتے ہوئے فرمایا:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوٓا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ

"وہ جہاں بھی پائے گئے، ان پر ذلت کی مار پڑی، اِلّا یہ کہ وہ اللہ کی یا لوگوں کی پناہ میں آجائیں، یہ لوگ اللہ کی طرف سے غضب کے حق دار ٹھہرے۔"[1]

چنانچہ تاریخ کے طویل سفر میں ان پر دنیا کے مختلف ملکوں اور خطوں میں جو حالت گزری، وہ قرآن کی صداقت کی روشن دلیل ہے۔ اس وقت یہود نے فلسطین پر قبضہ کر کے اسے اسرائیل کا نام دے رکھا ہے، لیکن یہ ملک امریکہ، برطانیہ اور فرانس وغیرہ مسیحی قوتوں کی عسکری و مالی امداد کے سہارے قائم ہے جو قرآن کے الفاظ "حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ" کا مصداق ہیں۔ ہاں، اگر یہ لوگ اسلام قبول کر لیں تو ان کی عزت وشان بحال ہوسکتی ہے۔

موت کی خواہش نہ کرسکنے کی پیش گوئی

بظاہر یہ جملہ کہنا کتنا آسان ہے کہ "ہمیں موت آجائے" لیکن یہی چھوٹا سا اور آسان سا جملہ کہنے کے لیے یہودیوں کو دو مرتبہ چیلنج کیا گیا، مگر وہ یہ نہ کہہ سکے۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے:

قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِندَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا

[1] آلِ عمران 112:3

قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ

''کہہ دیجیے: اگر اللہ کے ہاں آخرت کا گھر، خاص تمہارے ہی لیے ہے اور لوگوں کے لیے نہیں تو تم موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو۔ لیکن وہ اپنے ان گناہوں کی وجہ سے جو اپنے ہاتھوں کما کر آگے بھیج چکے ہیں، اس (موت) کی کبھی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔''[1]

یہی چیلنج سورۃ الجمعہ میں پھر دہرایا گیا:

قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِن زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے یہود! اگر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ بے شک تم ہی اللہ کے دوست ہو، اور لوگ نہیں تو موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو۔ اور وہ ہرگز یہ تمنا نہیں کریں گے بوجہ ان (برے اعمال) کے جو وہ اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکے ہیں۔''[2]

لیکن تاریخ شاہد ہے کہ عرب میں بسنے والے یہودیوں کے ہزاروں خاندانوں میں سے ایک خاندان نے بھی اس چیلنج کو قبول نہیں کیا۔ اس سے بڑھ کر قرآن کی صداقت وعظمت کی اور کیا دلیل ہوگی۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ان آیات میں دراصل یہودیوں کی فطرت عیاں کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ یہودیوں کا خمیر ہی ''دنیا'' اور ''مال دنیا'' کی محبت سے اٹھا ہے، جبکہ آخرت کی محبت اس کی ضد ہے، لہٰذا یہودی اپنی فطرت سے ہاتھوں مجبور ہیں کہ مال دنیا سے محبت کرتے رہیں۔ یہودیوں کی فطرت کا یہ پہلو آج بھی کھلی ہوئی کتاب کی طرح سب کے سامنے ہے۔ واللہ اعلم۔

یہودیوں کے مابین فرقہ بندیوں کی پیش گوئی

دنیا اور مال دنیا کی حد سے بڑھی ہوئی محبت، خود غرضی اور لالچ نے یہودیوں کے اخلاق پر جو برے اثرات مرتب کیے ہیں، ان میں سے ایک ان کے درمیان برپا ہونے والی ''فرقہ بندی'' بھی ہے۔ قرآن عزیز میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ

''اور ہم نے قیامت کے دن تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا ہے۔''[3]

[1] البقرہ2: 95،94 [2] الجمعہ62: 7،6 [3] المائدہ5: 64

چنانچہ یہ تاریخی صداقت ہے کہ اس قوم میں قدیم زمانے ہی سے گروہ بندی کا سلسلہ جاری ہے۔ پرانے زمانے میں ان کے دو فرقے (سامریہ اور یہودیہ) تھے، جبکہ اس وقت ان میں کئی گروہ باہم دست وگریباں نظر آتے ہیں۔ سیاسی طور پر بھی ان میں کئی جماعتیں ہیں اور مذہبی طور پر بھی یہ قوم ابھی تک نئی نئی گروہوں اور فرقوں میں بٹی ہوئی ہے اور قرآن عزیز نے خبر دی ہے کہ ان میں تفرقے کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

قرآن حکیم نے اسی طرح کی پیش گوئی نصاریٰ (مسیحیوں) کے متعلق بھی کی ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾

''اور جن لوگوں نے کہا: بے شک ہم نصاریٰ ہیں، ان سے ہم نے عہد لیا تھا، پھر جس چیز کی انھیں نصیحت کی گئی تھی، اس کا ایک حصہ انھوں نے بھلا دیا، تو ہم نے روز قیامت تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا۔''[1]

چنانچہ یہودیوں ہی کی طرح، بلکہ ان سے کہیں زیادہ نصاریٰ میں بھی فرقہ بندیاں اور اختلافات موجود ہیں اور اس کی ابتدا اسی دن سے ہوگئی تھی جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا۔ اس وقت ان میں سینکڑوں فرقے موجود ہیں۔

اسلام کے خلاف یہود و نصاریٰ کے گٹھ جوڑ کی خبر

جب دعوت اسلام کا آغاز ہوا، اس وقت یہود و نصاریٰ باہم مختلف گروہوں اور مذاہب میں بٹے ہوئے تھے۔ ان میں کسی قسم کا اتحاد نظر نہیں آتا تھا، لیکن قرآن حکیم نے اس حقیقت سے صریح لفظوں میں آگاہ کر دیا، کہ یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف یکجا ہو جائیں گے، چنانچہ مسلمانوں کو اس کے لیے ذہنی طور پر تیار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''[2]

چنانچہ اس حقیقت کے باوجود کہ جب بھی یہودیوں پر کوئی کٹھن وقت آیا، اسلامی حکومتوں ہی نے ان کی سرپرستی کی اور فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھیں پناہ دی، یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد عالمی بساط پر یہود و نصاریٰ کا اسلام کے خلاف ''متحدہ محاذ'' کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔ عیسائیوں کا ایک ایسی قوم سے اتحاد جو ان کے نبی

1 المآئدة 5:14۔ 2 المآئدة 5:51.

اور ان کے بقول "ابن اللہ" اور ان کی والدہ کو متہم کرتے ہیں، بظاہر حیرت انگیز ضرور ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم کی صداقت کا مظہر بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ عالم اسلام کو ان دونوں دشمنوں کی سازشوں اور شرارتوں سے محفوظ رکھے۔

یہودیوں کی دروغ گوئی پر اطلاع

اکثر یہودی رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں دروغ گوئی سے کام لیتے تھے، مگر رسالت مآب ﷺ ان کی مکاریاں اور غلطیاں پکڑ لیتے تھے، مثلاً: ایک دفعہ ایک یہودی جوڑے کو بدکاری کے جرم میں گرفتار کیا گیا۔ آپ ﷺ نے یہودی علماء سے ان کے مذہب کی رو سے بدکاری کی سزا پوچھی تو انھوں نے کہا کہ ہماری کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ امیر آدمی کا منہ کالا کر دیا جائے اور غریب کو رجم کیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم جھوٹ بولتے ہو، اپنی کتاب لے کر آؤ۔" کتاب لائی گئی تو واقعی آپ ﷺ ہی کا فرمان صحیح نکلا۔[1]

کتب حدیث و سیرت میں مذکور ایسے ہی دوسرے واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے علم کا منبع "وحی الٰہی" کے سوا کچھ نہ تھا، جو انبیاء ﷺ کے خصائص و ممیزات میں سے ہے۔ لہٰذا یہ بات معجزہ ہونے کی بنا پر آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی صداقت و حقانیت کی عظیم الشان دلیل ہے۔

کتب سابقہ میں اپنی نبوت و رسالت کی خبر

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"میرا نام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسی وقت خاتم النبیین کے طور پر لکھ دیا گیا تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی گارے اور مٹی ہی میں معرض تخلیق (کے مرحلے) میں تھے۔ اور میں تمھیں اپنے معاملے کی ابتدا کے متعلق بتاؤں؟ میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کے اس خواب کی تعبیر ہوں جو انھوں نے میری پیدائش کے موقع پر دیکھا تھا۔ اس وقت ان کے سامنے ایسا نور نمودار ہوا تھا جس سے شام کے محلات جگمگا اٹھے تھے۔"[2]

رسول اللہ ﷺ کے متعلق سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا تذکرہ قدیم کتب میں آیا ہے، جبکہ نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ کا خواب زمانہ ماضی کا واقعہ ہے۔ ان تمام امور سے آپ ﷺ کا مطلع ہونا

1 صحیح البخاری: 3635، صحیح مسلم: 1699، سنن أبي داود: 4446-4450. 2 مسند أحمد: 4/127، 128، صحیح ابن حبان (الإحسان)، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 512، شرح السنة للبغوي: 2093.

آپ کے معجزات میں سے ہے۔

سابق انبیاء علیہم السلام کے احوال و آثار کی خبریں

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو وحی کے ذریعے سے بہت سی ایسی خبریں اور واقعات بتائے جو آپ کو معلوم نہیں تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ﴾

”یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں، جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اور آپ (اس وقت) ان (برادران یوسف) کے پاس نہیں تھے جب انھوں نے اپنی ایک بات پر اتفاق کیا تھا اور وہ مکر کر رہے تھے۔“[1]

﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ﴾

”البتہ یقیناً ان کے بیان (واقعات) میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔“[2]

نبی اکرم ﷺ کے پاس غیبی خبروں کے حصول وعلم کا جو طاقتور ذریعہ (وحی) تھا، اس کے ذریعے سے آپ ﷺ نے متعدد انبیاء علیہم السلام کے حالات و واقعات کی خبریں لوگوں کو سنائیں۔ بلکہ ان کے لباس، ان کی وضع قطع اور ان کے حلیے تک سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ اس سلسلے کی چند احادیث درج ذیل ہیں:

سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق کا بیان

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کا قد ساٹھ ہاتھ کا بنایا تو فرمایا: جاؤ فرشتوں کی اس جماعت کو جا کر سلام کرو اور سنو کہ وہ تمھیں کیا جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ ان کے پاس گئے اور کہا: السلام علیکم۔ فرشتوں نے کہا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ اس طرح انھوں نے جواب میں ورحمۃ اللہ بڑھا دیا۔“[3]

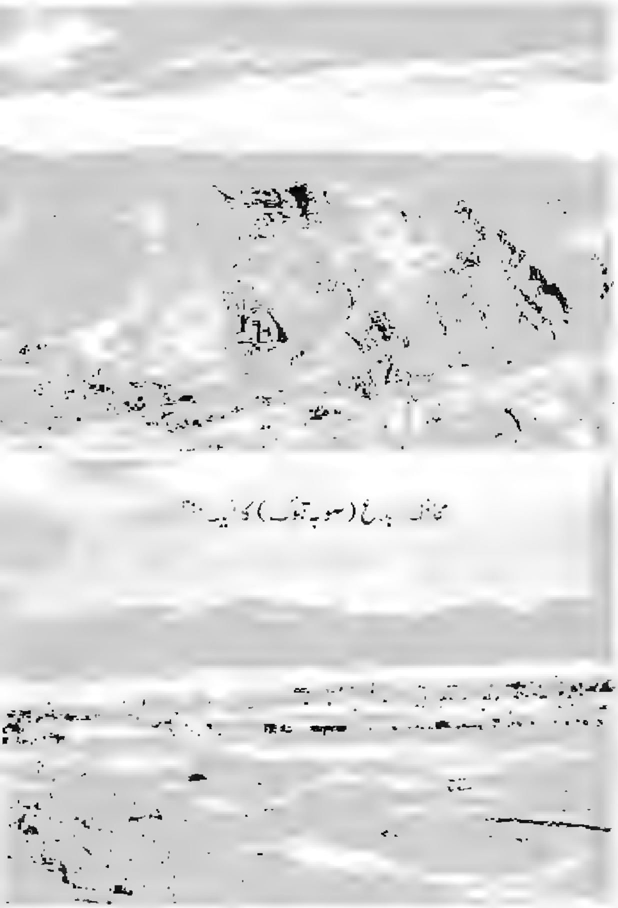
سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے حلیے کی خبر

سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَتَانِي اللَّيْلَةَ آتِيَانِ فَأَتَيْنَا عَلٰى رَجُلٍ طَوِيلٍ لَا أَكَادُ أَرٰى رَأْسَهُ طُولًا وَإِنَّهُ إِبْرَاهِيمُ»

”گزشتہ رات میرے پاس دو آنے والے (فرشتے) آئے، پھر مجھے وہ ایک طویل القامت شخص کے پاس

1 یوسف 102:12۔ 2 یوسف 111:12۔ 3 صحیح البخاری 3326



نکیل تھی، گویا میں انھیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ میدان میں اتر رہے ہیں۔''[1]

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس رات مجھے معراج کے لیے لے جایا گیا، میں نے اس رات موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ مضبوط جسم اور پراگندہ بالوں والے شخص ہیں، جیسے وہ ازد شنوءہ (ایک عرب قبیلے) کے ایک فرد ہوں اور میں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ کھلے بالوں والے، میانہ قد اور سرخ رنگت والے شخص ہیں، گویا کہ وہ ابھی غسل خانے سے نکلے ہوں۔''[2]

مختلف انبیاء علیہم السلام کے حالات زندگی

نبی اکرم ﷺ نے بہت سی ایسی چیزیں بھی بیان فرمائیں جنھیں اہل کتاب چھپاتے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ ٱلْكِتَٰبِ وَيَعْفُوا۟ عَن كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٌ وَكِتَٰبٌ مُّبِينٌ ﴾

''اے اہل کتاب! یقیناً تمھارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے، وہ تمھارے لیے اللہ کی کتاب کی بہت سی ایسی باتیں ظاہر کرتا ہے جنھیں تم چھپاتے تھے، اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔ یقیناً تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کرنے والی کتاب آ گئی ہے۔''[3]

علاوہ ازیں ہادیٔ عالم ﷺ نے نہ صرف مختلف انبیاء علیہم السلام کے ناموں سے امت کو آگاہ کیا بلکہ ان کی زندگی سے تعلق رکھنے والے مختلف حالات و واقعات کی بھی وضاحت فرمائی۔ مثال کے طور پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ظاہر کے خلاف تین باتیں۔[4] سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے مکہ مکرمہ آنے اور ان کے پاس سے چشمۂ صافی (آب زمزم) کے رواں ہونے کا قصہ۔[5] سیدنا ایوب علیہ السلام کے برہنہ ہو کر غسل کرنے کا قصہ۔[6] سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا خضر علیہ السلام کے قرآن میں مذکور واقعے کی بعض تفصیلات۔[7] سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے برہنہ ہو کر غسل کرنے کا قصہ۔[8] اور اس طرح کے دیگر بیسیوں واقعات کا تذکرہ اس طرح کیا ہے کہ یہ سب چشم دید لگتا ہے۔

[1] صحیح البخاري: 3355. [2] صحیح البخاري: 3394. [3] المآئدة 5:15. [4] صحیح البخاري: 3358. [5] صحیح البخاري: 3363-3365. [6] صحیح البخاري: 3391. [7] صحیح البخاري: 3400، 3401. [8] صحیح البخاري: 3407

سرزمین موتہ کے حالات و واقعات کی اطلاع

ہادیٔ عالم ﷺ نے جس طرح اُمّی ہونے کے باوجود گزشتہ زمانوں کے حالات کی امت کو خبر دی، اسی طرح آپ ﷺ نے مختلف موقعوں پر اپنے دور میں پیش آنے والے واقعات کی تفصیلات سے بھی لوگوں کو مطلع فرمایا اور یہ سب کچھ ظاہری رسل و رسائل یا خبریں معلوم کرنے کے ذرائع اختیار کیے بغیر کیا۔ چنانچہ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ آپ ﷺ کو دور دراز کی خبریں وحی الٰہی کے ذریعے معلوم ہو جاتی تھیں۔

مثال کے طور پر غزوۂ موتہ کے موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسجد نبوی میں جمع کیا اور فرمایا:

أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ ابْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ، وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ، حَتّٰى أَخَذَ الرَّايَةَ سَيْفٌ مِنْ سُيُوفِ اللّٰهِ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

”زید نے پرچم کو تھاما اور وہ شہید ہو گئے ہیں، پھر اسے جعفر نے تھام لیا ہے، وہ بھی شہید ہوئے ہیں، پھر اسے ابن رواحہ نے تھام لیا ہے اور وہ بھی جام شہادت نوش کر گئے ہیں۔ یہ بات بیان کرتے ہوئے آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ اب پرچم اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے لے لیا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے سرفراز فرما دیا ہے۔“[1]

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر جلوہ افروز ہو کر ان شہداء کی شہادت کی اطلاع دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ انھیں یہ بات پسند نہیں تھی کہ شہادت سے سرفراز ہونے کے بجائے وہ ہمارے پاس ہوتے۔[2]

اس میں یہ صراحت بھی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ اطلاع پہلے ہی دی تھی جبکہ میدان کارزار سے آنے والا قاصد ابھی مدینہ منورہ بھی نہیں پہنچا تھا۔[3]

دیمک بائیکاٹ کی دستاویز چاٹ گئی

شعب ابی طالب میں محصوری کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے بڑی اذیتیں جھیلیں۔ پتے کھا کھا کر گزارا کیا، بچے بھوک سے بلک بلک کر روتے تھے اور سنگدل قریش بچوں کی آہ و بکا سن کر خوش ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور وحشیانہ سماجی بائیکاٹ کی اس ظالمانہ دستاویز پر دیمک کو مسلط کر دیا۔ دیمک ظلم اور قطع رحمی پر مبنی یہ ساری دستاویز چاٹ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس صورتحال سے بذریعہ وحی آگاہ کر دیا۔ آپ ﷺ نے یہ اطلاع ابوطالب

1 صحیح البخاری: 4262 2 صحیح البخاری: 3063,2798 3 دیکھیے: صحیح البخاری: 2346

کو دی تو انھوں نے کفارِ قریش کو اس سے آگاہ کیا۔[1]



حاطب رضی اللہ عنہ کا خفیہ خط

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش پر حملے کا پختہ ارادہ کر لیا اور مدینہ میں لوگوں کو یہ بات بتا دی، نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو پوری طرح تیار ہو جانے کا حکم دے دیا تو حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریشیوں کو لکھ بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

حاطب رضی اللہ عنہ نے یہ خط صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابوجہل کے نام لکھا اور ایک مزنی عورت کو دے دیا۔ انھوں نے اس عورت سے کہا کہ اگر تم یہ خط قریش تک پہنچا دو گی تو تمھیں اس کا بہت اچھا معاوضہ دیا جائے گا۔ انھوں نے اس عورت کو تاکید کر دی کہ اس خط کی کسی کو خبر نہ ہونے دے اور عام راستے سے نہ جائے، کیونکہ اس راستے کی نگرانی ہو رہی ہے۔ چنانچہ وہ عورت خط لے کر مدینہ سے روانہ ہوئی اور ایسے راستے پر چل پڑی جو شاہراہِ عام نہیں تھی۔[2]

خط کی برآمدگی

اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعۂ وحی حاطب رضی اللہ عنہ کے خط کی خبر مل گئی۔ آپ نے فوراً علی، زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم کو روانہ کیا اور انھیں تاکید فرمائی کہ اس مزنی عورت تک جلد پہنچ جاؤ جسے حاطب نے اہلِ مکہ کے نام خط دے کر بھیجا ہے۔ یہ حضرات فوراً روانہ ہو گئے۔ اور انھوں نے اس عورت کو ''خُلَیقہ'' نامی ایک مقام پر جا لیا۔ انھوں نے اسے سواری سے اتارا، سامان کی تلاشی لی تو اس کے پاس سے کوئی خط نہ ملا۔ انھوں نے اس عورت سے کہا: ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز جھوٹ نہیں بول

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا: 3/408-410۔ 2 سبل الہدیٰ والرشاد: 5/209

سکتے اور ہم بھی غلط بیانی نہیں کر رہے۔ تم فوراً وہ خط نکالو جو تمھارے پاس موجود ہے، ورنہ ہم تمھارے کپڑے اُتروانے پر مجبور ہوں گے۔ اس عورت نے جب ان دونوں کا اصرار دیکھا تو کہنے لگی: تم دونوں مجھ سے دور ہٹ جاؤ۔ وہ دونوں ایک طرف ہو گئے تو اس نے اپنا جوڑا کھول کر خط نکالا اور اُن کے حوالے کر دیا۔ دونوں یہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آ گئے۔[1]



عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ کی سازش سے آگاہی

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بدر میں شکست کھانے کے بعد عمیر بن وہب جُمَحی حطیم میں صفوان بن امیہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ عمیر مکہ کے ان بڑے شرپسند عناصر میں سے تھا جنھوں نے نبی ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی۔ اب عمیر بن وہب کا بیٹا وہب بن عمیر بدر کے قیدیوں میں شامل تھا۔ اسے بنو زُریق کے ایک فرد رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ نے قید کیا تھا۔

صفوان بن امیہ اور عمیر بن وہب کے مابین بدر کے دن کنویں میں ڈالے گئے مقتولین کفار اور دیگر نقصانات کا تذکرہ چل نکلا۔ صفوان نے کہا: اللہ کی قسم! ان سرداروں کے بعد زندگی میں کوئی لطف باقی نہیں رہا۔ عمیر نے کہا: سچ کہتے ہو۔ اللہ کی قسم! اگر مجھ پر ان قرضوں کا بوجھ نہ ہو جنھیں ادا کرنے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں اور ان بچوں کی فکر بھی نہ ہو جن کا مجھے اپنے بعد ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے تو میں ابھی سفر کروں اور (نعوذ باللہ) محمد (ﷺ) کو قتل کر دوں کیونکہ وہاں جانے کے لیے میرے پاس یہ بہانہ بھی موجود ہے کہ وہاں میرا بیٹا قید ہے۔

صفوان جس کے سینے میں آتشِ انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے، اپنے باپ، بھائی اور چچا کی بدر میں ہلاکت کی وجہ سے اس کی نیند حرام ہو گئی تھی۔ اس نے موقع غنیمت جانا اور فوراً کہا: تیرا قرض میرے ذمے رہا۔ رہے تیرے

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا: 9/115، 177۔

بچے تو میں زندگی بھر ان کی کفالت کروں گا۔ جو چیز بھی مجھے میسر ہوگی، وہ اس سے کبھی محروم نہیں رہیں گے۔ عمیر نے کہا: اچھا! تو پھر یہ معاملہ راز میں رکھو۔ صفوان نے جواب دیا: بالکل ٹھیک ہے۔ میں ایسا ہی کروں گا۔

عروہ رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: پھر عمیر نے اپنی تلوار تیز کر کے زہر آلود کی اور مدینہ کی طرف چل دیا۔ جب وہ مدینہ پہنچا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اس مجلس میں بدر کے دن اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائیوں اور دشمنوں کی شکست و ذلت کا تذکرہ چل رہا تھا۔ اچانک عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ عمیر بن وہب پر پڑی۔ اس نے اپنے گلے میں ننگی تلوار لٹکا رکھی تھی۔ اس نے مسجد کے اندرونی دروازے پر اپنی سواری بٹھا دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے: اللہ کی قسم! اللہ کا یہ دشمن ضرور کسی برے ارادے سے آیا ہے۔ یہی شخص تھا جس نے بدر کے موقع پر دشمن کو ہماری تعداد کم بتا کر انھیں ہمارے خلاف بھڑکا دیا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! اللہ کا دشمن عمیر بن وہب تلوار سونت کر آیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے میرے پاس لے آؤ۔'' انھوں نے واپس آ کر اسے اس کی گردن میں لٹکی ہوئی تلوار کے پرتلے سے پکڑ کر کھینچا اور وہاں موجود انصاریوں سے کہا: تم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلو اور وہیں بیٹھے رہو۔ اس خبیث آدمی سے محتاط رہنا مبادا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نقصان پہنچائے کیونکہ اس کا کوئی اعتبار نہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمیر کو اس حالت میں دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے گردن میں لٹکی ہوئی تلوار کے پرتلے سے پکڑ رکھا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أرسله يا عمر! ''عمر! اسے چھوڑ دو۔'' اور عمیر سے فرمایا: ادن يا عمير! ''عمیر! قریب آ جاؤ۔'' عمیر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوتے ہوئے کہا: صبح بخیر! یہ اہل جاہلیت کا آپس میں سلام (دعا کا کلمہ) تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا:

قد أكرمنا الله بتحية خير من تحيتك يا عمير، بالسلام تحية أهل الجنة

''اے عمیر! اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمھارے سلام سے بہتر سلام السلام (علیکم) سے نوازا ہے۔ یہ اہل جنت کا سلام ہے۔''

عمیر نے کہا: اے محمد! اللہ کی قسم! مجھے اس سلام کا پتہ نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ما جاء بك يا عمير؟ ''عمیر! تم کس نیت سے آئے ہو؟''

اس نے کہا: آپ کے پاس ایک قیدی ہے، اس کے لیے حاضر ہوا ہوں، اس پر احسان فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: «فما هذه السيوف في عنقك؟» ''تمھارے گلے میں یہ تلوار کس مقصد کے لیے لٹک رہی ہے؟'' اس نے جواب دیا: اللہ اس کا ستیاناس کرے، ان تلواروں نے ہمیں کیا دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «اصدقني، ما الذي جئت له؟» ''مجھے سچ سچ بتاؤ تم کس غرض سے آئے ہو؟''

اس نے کہا: صرف اپنے قیدی کو چھڑانے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«بل قعدت أنت وصفوان بن أمية في الحجر، فذكرتما أصحاب القليب من قريش، ثم قلت: لولا دين علي وعيال عندي لخرجت حتى أقتل محمدا، فتحمل لك صفوان بن أمية بدينك وعيالك، على أن تقتلني له، والله حائل بينك وبين ذلك»

''وہ یہ معاملہ ہے جب تم اور صفوان بن امیہ حطیم میں اکٹھے بیٹھے تھے اور کنویں میں پھینکے جانے والوں کا تذکرہ کررہے تھے، پھر تم نے کہا: مجھ پر اگر قرض اور بچوں کا بوجھ نہ ہوتو میں محمد (ﷺ) کو لازماً قتل کر



آؤں گا، چنانچہ صفوان نے تمھیں میرے قتل کے بدلے تمھارے قرض چکانے اور بچوں کی کفالت کی ضمانت دی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمھارے اور تمھارے اس منصوبے کے بیچ رکاوٹ ڈال دی ہے۔''

عمیر رضی اللہ عنہ نے بے ساختہ کہا: میں اس حقیقت کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے پاس آسمانی خبریں لاتے رہے، ہم ان کا انکار کرتے رہے۔ ہم وحی کے بھی منکر تھے مگر اس مشورے میں جو میرے اور صفوان کے مابین ہوا، وہ صرف ہم دونوں تک ہی محدود تھا۔ وہاں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ اللہ کی قسم! مجھے پورا یقین ہے کہ آپ کو یہ خبر صرف اللہ تعالیٰ ہی نے دی ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے اسلام کی ہدایت عطا کی اور مجھے آپ کی خدمت میں پہنچا دیا، پھر انھوں نے کلمۂ شہادت پڑھ کر حق کی گواہی دے دی۔[1]

دشمنوں کی سازشوں کی اطلاع

سیرت طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ درج بالا واقعہ کے علاوہ بھی دشمنان اسلام نے رسول اللہ ﷺ کو

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت ابن ہشام: 5/526-529۔

قتل کرنے کی کئی مرتبہ سازشیں کیں، لیکن ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بروقت مطلع کر کے دشمنوں کے وار سے محفوظ رکھا، مثال کے طور پر شب ہجرت آپ ﷺ کا دشمنوں کی سازش سے مطلع ہو کر اپنے گھر سے بخیریت نکل آنا، قبیلہ بنو قریظہ کی طرف سے آپ ﷺ پر پتھر گرانے اور خیبر کی زینب نامی یہودیہ عورت کا آپ ﷺ کو زہر دے کر ہلاک کرنے کی سازش سے آپ ﷺ کا بروقت مطلع ہونا اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ کتب حدیث و سیرت میں اس نوع کے اور بھی بہت سے واقعات مروی ہیں۔[1]



سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے دفینے کی نشاندہی

قریش نے اپنے اپنے قیدیوں کا فدیہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ ہر قیدی کا فدیہ اس کی حیثیت کے مطابق تھا۔

جب سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی باری آئی تو انصار نے رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم اپنے بھانجے عباس (کیونکہ ان کی دادی بنو نجار سے تھیں جو قبیلہ خزرج کی شاخ ہے) کا فدیہ معاف کر دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! ان کو ایک درہم بھی معاف نہ کرنا۔''[2]

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں تو پہلے ہی مسلمان تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اللہ أعلم بإسلامك، إن يكن ما تقول حقا فالله يجزيك بذلك، فأما ظاهرك فكان علينا، فافد نفسك وابني أخويك عقيل بن أبي طالب ونوفل بن الحارث وحليفك عتبة بن عمرو بن جحدم فإنك ذو مال»

''اللہ تعالیٰ آپ کے اسلام کو خوب جانتا ہے۔ اگر بات اسی طرح ہے جیسا کہ آپ کہہ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ رہا آپ کا ظاہر تو وہ ہمارے خلاف تھا، لہٰذا آپ اپنا، اپنے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابو طالب، نوفل بن حارث اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو بن جحدم کا فدیہ ادا کریں کیونکہ آپ مال دار آدمی ہیں۔''

1 مسند أحمد: 9/6، السيرة لابن هشام: 649,648/2، سبل الهدى والرشاد: 69/4. 2 صحيح البخاري: 4018.

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اللہ کے رسول! میرے پاس تو مال نہیں ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«فأين المال الذي وضعته بمكة حيث خرجت عند أم الفضل وليس معكما أحد

غيركما فقلت إن أصبت في سفري هذا فللفضل كذا ولقثم كذا ولعبد الله كذا»

''آپ کا وہ مال کہاں ہے جو آپ آتے آتے مکہ میں ام الفضل کے پاس رکھ آئے تھے؟ اس وقت صرف آپ دونوں افراد ہی تھے، آپ کے پاس اور کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ اس وقت آپ نے یہ بھی کہا تھا: اگر میں اس سفر میں کام آجاؤں تو فضل کے لیے اتنا (مال) ہے، قثم کے لیے اتنا اور عبداللہ کے لیے اتنا مال ہے۔''

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں خوب جانتا ہوں آپ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ اس دفینے کا میرے اور ام فضل کے سوا کسی اور کو مطلق علم نہیں تھا۔ میرے پاس جو 20 اوقیہ مال تھا، وہ آپ کو مل چکا ہے۔ آپ اس میں سے زر فدیہ رکھ لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو وہ مال ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمھاری طرف سے ہمیں عطا کیا ہے۔'' [1]

کنانہ اور ربیع کا مخفی خزانہ

کنانہ اور ربیع دونوں بھائی تھے، غزوۂ خیبر کے موقع پر رسالت مآب ﷺ نے ان سے پوچھا کہ ''تمھارے وہ زیورات اور برتن کہاں ہیں جو تم مکہ والوں کو مستعار دیا کرتے تھے؟'' یاد رہے مکہ کے سرداروں کے ہاں جب بھی کوئی شادی یا کوئی اور تقریب ہوتی تو وہ یہودیوں سے زیورات وغیرہ مستعار منگوا لیتے تھے، اور ضرورت پوری ہونے کے بعد واپس کر دیتے تھے۔ اس خدمت کے لیے یہودی ان سے ان کا کرایہ وصول کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب ان دونوں بھائیوں سے ان زیورات اور برتنوں کے بارے میں دریافت فرمایا تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ سب چیزیں جنگی اخراجات میں ختم ہو گئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو بہت قریبی زمانے کی بات ہے۔ تمھارا مال و زر بہت زیادہ تھا، اتنی جلدی کیسے ختم ہو سکتا ہے؟ اگر تم نے مجھ سے کوئی بات چھپائی اور مجھے اس کی اطلاع مل گئی تو میں تم دونوں اور تمھارے بیوی بچوں کو قتل کرنے کا حکم جاری کر دوں گا۔

انھوں نے جواب دیا: بالکل ٹھیک ہے۔ دراصل انھیں اس بات کا یقین نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو بذریعۂ وحی مطلع فرما دے گا، اس لیے انھوں نے جھوٹ بولا اور کہا کہ اگر ہماری بات غلط ثابت ہو تو بے شک آپ ہمیں قتل کرا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کو اس جگہ کے بارے میں بتا دیا جہاں یہودیوں نے یہ خزانہ

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 5/510-513۔

چھپا رکھا تھا۔ آپ نے ایک انصاری صحابی کو حکم دیا کہ تم فلاں جگہ جاؤ، وہاں ایک باغ ہے، اس میں اپنے دائیں ہاتھ اور دوسرے قول کے مطابق بائیں ہاتھ ایک درخت کے نیچے خزانہ چھپا ہوا ہے، وہ خزانہ نکالو اور میرے پاس لے آؤ۔ وہ انصاری آپ ﷺ کے حکم کے مطابق وہاں پہنچے۔ انھوں نے خزانہ نکالا اور لاکر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ چنانچہ کنانہ اور ربیع دونوں اپنے جھوٹ کی پاداش میں قتل کر دیے گئے۔

یاد رہے کہ اس بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک کے مطابق اس مدفون خزانے کی جگہ کی نشان دہی سعید نامی یہودی نے کی تھی، دوسری روایت کے مطابق اس کی نشان دہی بذریعہ وحی الٰہی کی گئی تھی اور ایک تیسری روایت کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ خزانہ ایک خرابے سے تلاش کیا تھا۔ ان روایات میں تطبیق اس طرح دی جا سکتی ہے کہ پہلے تو اس مدفون خزانے کو تلاش کرنے کی خود ہی کوشش کی گئی، ابھی یہ خزانہ ملا نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی الٰہی اس کی خبر دے دی گئی اور پھر اسے نکال کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔

یہ خزانہ سونے کے کنگنوں، بازو بندوں، پازیبوں، گلوبندوں اور بالیوں کے علاوہ زمرد اور دیگر جواہر پاروں پر مشتمل تھا۔ اس خزانے کی قیمت کا اندازہ دس ہزار دینار لگایا گیا تھا۔

ابوسفیان بن حرب کا قصہ

ابوسفیان کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ وہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپ ﷺ نے طواف کے دوران میں اس سے فرمایا کہ ''تم نے اور تمھاری بیوی ہند نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔''

ابوسفیان نے دل ہی دل میں سوچا کہ شاید ہند نے یہ راز فاش کیا ہے۔ ذرا اس سے مل لوں تو اچھی طرح خبر لوں گا۔ رسول اللہ ﷺ طواف سے فارغ ہو گئے تو ابوسفیان کے قریب آ گئے اور فرمایا: ''ہند پر کوئی زیادتی نہ کرنا، کیونکہ اس نے تمھارا کوئی راز فاش نہیں کیا۔'' یہ سنتے ہی ابوسفیان بے اختیار پکار اٹھا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں ورنہ میرے دل کا بھید کون جان سکتا تھا۔[1]

دشمن کے ناپاک ارادے میں ناکامی کی خبر

ابوسفیان نے اہلِ قریش سے کہا: کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو رسول کریم ﷺ کو اچانک بے خبری میں قتل کر دے؟ ایک بدو اٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا: میرا دل بڑا مضبوط ہے۔ میں بہت تیز دوڑتا ہوں اور میری گرفت بڑی سخت ہے۔ اگر تم مجھے ضروری ساز و سامان دو، میں محمد کی طرف جاؤں گا اور ان پر حملہ کر کے بھاگ جاؤں گا اور کسی

[1] الوفا لابن الجوزی 314/1

قتل میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ ابوسفیان خوش ہو کر بولا: ارے واہ! تم تو ہمارے کام کے آدمی ہو۔ ابوسفیان نے اسے ایک اونٹ اور زادِ راہ دیا۔ یہ شخص حرہ کے علاقے میں پہنچ گیا اور لوگوں سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھنے لگا۔ کسی نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ بنو عبدالاشہل کی مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ یہ شخص مسجد پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا: ''یہ شخص مجھے دھوکا دینا چاہتا ہے لیکن اللہ اسے نامراد رکھے گا۔'' اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اسے دبوچ لیا تو معاً اس کا خنجر نیچے گر پڑا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے باز پرس فرمائی تو اس نے اعتراف کر لیا کہ مجھے ابوسفیان نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے اسے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی قید میں دے دیا۔ اگلے دن آپ ﷺ نے اس بدو سے فرمایا: ''میں نے تمھیں معاف کر دیا ہے، جہاں چاہو چلے جاؤ۔ لیکن ایک بات اس سے بھی بہتر ہے۔'' اس نے پوچھا: وہ کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔''[1]

گمشدہ اونٹنی کی جگہ سے آگاہ کر دیا

رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی قصواء لاپتہ ہو گئی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسے تلاش کرنے لگے۔ زید بن لصیت منافق نے صحابۂ کرام کی نقل و حرکت دیکھی تو باتیں بنانے لگا۔ کہنے لگا کہ محمد تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ میرے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں لیکن انھیں خود اپنی اونٹنی کی بھی خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ انھیں بتا کیوں نہیں دیتا کہ ان کی اونٹنی فلاں جگہ موجود ہے؟ یہ بات رسول کریم ﷺ تک پہنچ گئی اور آپ کو اللہ رب العزت نے اطلاع دے دی کہ اونٹنی فلاں جگہ ہے۔ چنانچہ آپ نے صحابہ کو اونٹنی کی جگہ سے آگاہ کر دیا۔ اس پر زید بن لصیت کو بہت رسوائی اٹھانی پڑی۔[2]

کسریٰ کی ہلاکت کی خبر

رسول اللہ ﷺ نے شاہِ فارس کسریٰ کے نام دعوتی خط ارسال فرمایا تو اس نے آپ ﷺ کا مکتوب مبارک پھاڑ ڈالا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اپنے یمن کے گورنر باذان کو لکھا: یہ حجاز میں جو شخص ہے، اس کے ہاں اپنے دو مضبوط اور طاقتور آدمی بھیجو، وہ اسے گرفتار کر کے لائیں اور میرے حوالے کریں۔ باذان نے حکم کی تعمیل کی، دو مضبوط آدمی منتخب کیے۔ ان میں سے ایک کا نام بابویہ تھا۔ یہ اس کا سیکرٹری اور اکاؤنٹنٹ تھا۔ دوسرے کا نام خرخسرہ تھا۔ یہ ایرانی تھا۔ اس نے انھیں ایک خط دے کر رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ کیا۔ اس خط میں آپ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 7/515، 516۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 7/193، 195۔

ان دونوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس حاضر ہو جائیں۔ باذان نے بانویہ سے کہا: اس آدمی کے شہر میں جاؤ، اس سے بات چیت کرو اور واپس آ کر مجھے اس کے حالات سے آگاہ کرو۔

یہ دونوں شخص نکل پڑے۔ طائف جا پہنچے۔ وہاں انھیں قریش کے کچھ لوگ مل گئے۔ ان دونوں نے ان سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ وہ مدینہ میں ہیں۔ طائف اور قریش کے لوگ ان دونوں کی آمد پر بہت خوش ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: خوش ہو جاؤ! بادشاہوں کے بادشاہ کسریٰ نے ان (محمد ﷺ) سے دشمنی مول لی ہے۔ تم اس آدمی سے بچا لیے گئے ہو... پھر یہ دونوں آدمی طائف سے چل دیے۔ جب وہ مدینہ پہنچے اور نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بابویہ نے کہا: ''شہنشاہ کسریٰ نے شاہ باذان کو ایک مکتوب کے ذریعے حکم دیا ہے کہ وہ آپ کے پاس آدمی بھیج کر آپ کو کسریٰ کے روبرو حاضر کرے۔ باذان نے اس کام کے لیے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ میرے ساتھ چلیں۔ اب اگر آپ کسریٰ کے پاس چلتے ہیں تو باذان آپ کے بارے میں شہنشاہ کسریٰ کو لکھ بھیجے گا کہ وہ آپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور آپ ﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔ اگر آپ نے وہاں حاضر ہونے سے انکار کر دیا تو آپ اسے جانتے ہی ہیں، وہ آپ کو اور آپ کی قوم کو ہلاک اور آپ کے شہر کو تباہ کر دے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے خاموشی سے یہ باتیں سنیں۔ ان کی دھمکی کو کوئی اہمیت نہ دی۔ آپ ﷺ نے ان دونوں پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ان کی ڈاڑھی منڈی ہوئی ہے اور انھوں نے بڑی بڑی مونچھیں رکھی ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کی طرف دیکھنا پسند نہیں کیا اور ان سے دریافت فرمایا: «وَيْحَكُمَا! مَنْ أَمَرَكُمَا بِهٰذَا؟» ''تمھاری ہلاکت ہو! تمھیں داڑھی مونڈنے کا کس نے حکم دیا ہے؟''

انھوں نے کہا: ہمیں ہمارے رب (کسریٰ) نے اس عمل کا حکم دیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لٰكِنْ رَبِّي قَدْ أَمَرَنِي بِإِعْفَاءِ لِحْيَتِي وَقَصِّ شَارِبِي»

''لیکن میرے رب نے مجھے داڑھی کو معاف کرنے اور مونچھیں کاٹنے کا حکم دیا ہے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: «اِذْهَبَا حَتّٰى تَأْتِيَانِي غَدًا» ''فی الحال تم جاؤ۔ کل میرے پاس آ جانا۔''[1]

طبقات ابن سعد میں ہے کہ اگلے دن جب یہ دونوں افراد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے باذان کا خط آپ ﷺ کے حوالے کیا تو آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور ان دونوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

[1] تاريخ الطبري، 2/296,297، البداية والنهاية 4/268,269

یہ دونوں نبی ﷺ کے رعب سے گھبرائے ہوئے تھے اور ان کا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: [illegible] ”آج تو تم واپس چلے جاؤ۔ کل میرے پاس آنا، پھر میں تمھیں بتاؤں گا کہ میرا کیا ارادہ ہے۔“

دراصل اسی وقت جبکہ مدینہ میں یہ کارروائی ہو رہی تھی، خود خسرو پرویز کے گھرانے میں اس کے خلاف بغاوت کا شعلہ بھڑک رہا تھا۔ قیصر کی فوج کے ہاتھوں فارس کی فوجوں کی پے در پے شکست کے بعد اب کسریٰ کا بیٹا شیرویہ اپنے باپ کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ یہ منگل کی رات 10 جمادی الاولیٰ 7ھ کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کا علم وحی کے ذریعے ہو گیا، چنانچہ اگلے روز جب یہ دونوں افراد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے انھیں یہ خبر سناتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

”اپنے گورنر کو جا کر بتا دو کہ اس رات کے پچھلے پہر میرے رب نے اس کے رب کسریٰ کو قتل کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اسی کے بیٹے شیرویہ کو مسلط کر دیا ہے اور اس نے اسے ہلاک کر ڈالا ہے۔“[1]

یہ سن کر وہ دونوں کہنے لگے: آپ جانتے ہیں کہ آپ کتنی بڑی بات کہہ رہے ہیں؟ ہم نے تو آپ کی اس سے کہیں کم تر اور معمولی بات کو بھی قابل اعتراض سمجھا ہے۔ کیا ہم آپ کی طرف سے یہ بات لکھ دیں اور گورنر باذان کو بتا دیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

”ہاں، اسے میری بات کی اطلاع دے دو، بلکہ اس سے بھی بڑی بات کہو کہ میرا دین اور میری سلطنت وہاں پہنچے گی جہاں کسریٰ کی حکومت پہنچی ہے بلکہ اس سے بھی آگے وہاں تک چلی جائے گی جہاں تک گھوڑے اور اونٹ پہنچ سکتے ہیں۔ اس سے کہہ دینا: اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو جو علاقے تمھارے زیر انتظام ہیں، وہ بھی تم کو دے دوں گا اور تمھیں تمھاری قوم ابنائے فارس کا بادشاہ بنا دوں گا۔“

[1] [illegible] 260/1

رسول اللہ ﷺ نے خرخرہ کو سونے چاندی سے مزین پیٹی عطا فرمائی جو آپ کو کسی بادشاہ نے ہدیے میں پیش کی تھی۔

باذان کے بھیجے ہوئے دونوں ایلچی رسول اللہ ﷺ کا پیغام لے کر واپس یمن پہنچے اور باذان کو رسول اللہ ﷺ کا جواب پہنچایا۔ باذان نے کہا: ''اللہ کی قسم! یہ کسی بادشاہ کا کلام نہیں ہے۔ میرے خیال میں وہ یقیناً نبی ہیں جیسا کہ وہ خود کہہ رہے ہیں۔ جو کچھ انھوں نے کہا ہے، وہ ہو کر رہے گا۔ اگر یہ (کسریٰ کے قتل ہو جانے والی) بات سچ نکلی تو وہ واقعی اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو ہم ان کے بارے میں کوئی موقف اختیار کریں گے۔''

اس موقع پر بابویہ نے باذان سے کہا: ''مجھے زندگی میں بہت سے لوگوں سے بات چیت کا موقع ملا ہے لیکن میں نے ان (محمد ﷺ) سے زیادہ بارعب شخصیت کبھی نہیں دیکھی۔'' باذان نے پوچھا: ''کیا ان کے ساتھ کوئی سپاہی یا محافظ بھی تھے؟'' بابویہ نے کہا: ''نہیں۔'' اس نے یہ سوال اس لیے کیا تا کہ اسے یہ پہچاننے میں مدد ملے کہ وہ واقعی نبی ہیں۔

کسریٰ کی ہلاکت کی تصدیق اور باذان کا قبول اسلام

تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ باذان کو شیرویہ کا خط موصول ہوا، اس میں لکھا تھا:

''امابعد! میں نے کسریٰ کو قتل کر دیا ہے کیونکہ اس نے ایرانیوں پر ظلم کی انتہا کر دی تھی اور انھیں تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ (اے باذان!) تمھیں میرا یہ خط موصول ہو جائے تو اپنے لوگوں سے میری اطاعت کا عہد لے لینا اور اس شخص کے پاس جاؤ جس کے بارے میں کسریٰ نے تمھیں خط لکھا تھا اور میرا اگلا حکم آنے تک اس سے کوئی تعرض نہ کرنا۔''

باذان نے شیرویہ کا خط پڑھا تو بے ساختہ کہا: فَوَاللّٰهِ إِنَّ الرَّجُلَ لَنَبِيٌّ ''اللہ کی قسم! بلاشبہ وہ شخص (محمد ﷺ) نبی ہی ہیں۔''[1]

خیبر برباد ہو جانے کی پیش گوئی

خیبر کی مہم کے دوران رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی پیش گوئی فرما دی کہ خیبر تباہ و برباد ہو گیا۔ جس سے آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا، اس وقت وہاں کے کارندے پھاوڑے، کدالیں، درانتیں اور ٹوکرے لے کر نقل و حرکت میں مصروف تھے۔ شاید رسول اللہ ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر یا بذریعہ وحی مطلع ہو کر اہل خیبر کی شکست کا اعلان فرما دیا۔ یہ اعلان درحقیقت آپ ﷺ کے معجزے کی حیثیت رکھتا ہے۔[2]

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا:8/249-257۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا:8/447-448۔

یہ شخص دوزخی ہے

ایک شخص کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ آدمی جہنمی ہے۔" جب خیبر کا معرکہ پیش آیا تو یہ آدمی اتنی دلیری سے لڑا کہ صحابۂ کرام کو حیرت ہوگئی۔ وہ اپنے دل میں رہ رہ کر سوچتے رہے کہ یہودیوں سے اتنی بے باکی سے لڑنے اور شجاعت کے جوہر دکھانے والا مردِ میدان بھلا دوزخی کس طرح ہو سکتا ہے؟ یہ آدمی زخم پر زخم کھاتا رہا۔ بالآخر گر پڑا۔ وہ انتہائی درد و کرب کے عالم میں تھا۔ اکھڑے اکھڑے سانس لے رہا تھا۔ نوبت یہ آگئی کہ زخموں کی ٹیس اور شدید اذیت اس سے برداشت نہ ہو سکی۔ اس نے درد سے فوری نجات کے لیے اپنا تیر نکالا اور اپنے ہی ہاتھوں اپنی جان لے لی۔ یوں وہ خودکشی کا مرتکب ہوا اور رسالت مآب ﷺ کا یہ ارشاد بالکل صحیح ثابت ہوا کہ یہ آدمی دوزخی ہے۔[1]

ساز و سامان اور مال و دولت کی فراوانی کی پیش گوئی

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے پوچھا: "اے جابر! کیا تمھارے پاس قالین ہیں؟" میں نے عرض کیا: نہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "عنقریب تم قالینوں پر بیٹھو گے۔" سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بالآخر وہ دن آیا کہ ہم قالینوں پر بیٹھے تھے۔[2]

فتوحات عظیمہ کی پیش گوئی

نبی اکرم ﷺ نے مختلف موقعوں پر مسلمانوں کے لیے عظیم الشان فتوحات کی خبریں دیں، جو درپیش حالات میں بظاہر ناممکن نظر آتی تھیں، لیکن مستقبل میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں اپنی آنکھوں کے سامنے ہو بہو پورا ہوتے ہوئے دیکھا۔

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندق میں ایک جگہ سخت چٹان حائل ہوگئی، اس پر کوئی کدال اثر نہیں کر رہی تھی۔ ہم نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتائی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، چٹان کی طرف اترے، کدال پکڑی اور بسم اللہ پڑھ کر ایک ضرب لگائی تو چٹان کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الله أكبر، أعطيت مفاتيح الشام، والله إني لأبصر قصورها الحمر من مكاني هذا»

[1] تجلیات نبوت، سیرت انسائیکلوپیڈیا 8/448۔ [2] صحیح البخاري: 3631، 5161

''اللہ اکبر! مجھے شام کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اس جگہ سے وہاں کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔''
پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر دوسری ضرب لگائی تو دوسرا ایک تہائی حصہ ٹوٹ کر گر پڑا۔
آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ اکبر أعطیت مفاتیح الشام، واللہ إنی لأبصر قصورها الحمر الساعة من
مکانی هذا

''اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں مدائن (ایران کا دارالسلطنت) دیکھ رہا ہوں اور اپنی موجودہ جگہ سے اس کا سفید محل (کاخِ سپید) دیکھ رہا ہوں۔''
پھر رسول اللہ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر تیسری چوٹ لگائی تو بقیہ پتھر بھی چکنا چور ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ أکبر أعطیت مفاتیح فارس، واللہ إنی
لأبصر قصر المدائن الأبیض

مدائن میں طاقِ کسریٰ کے آثار



''اللہ اکبر! مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اپنی اس جگہ سے صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔''[1]

صنعاء (یمن) نمایاں مسجد نمایاں ہے



امام نسائی ؒ اس واقعے کو نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: جب نبی اکرم ﷺ نے خندق کھودنے کا حکم دیا تو ایک ایسی سنگلاخ چٹان سامنے آ گئی جو خندق کی کھدائی میں رکاوٹ بن گئی۔ رسول اللہ ﷺ اٹھے، کدال پکڑی اور اپنی چادر مبارک خندق کے کنارے رکھ دی۔ پھر یہ آیت پڑھ کر ضرب لگائی:

﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾

1 مسند احمد: 303/4، دلائل النبوۃ للبیہقی: 421/3، فتح الباری: 496/7۔ یہ روایت ضعیف ہے۔ (الموسوعۃ الحدیثیۃ: 626/30)

’’اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کے لحاظ سے پوری ہوئی، کوئی اس کی باتوں کو بدلنے والا نہیں اور وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔‘‘

اس ضرب سے پتھر کا تیسرا حصہ اڑ گیا۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کھڑے دیکھ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرب کے ساتھ ہی ایک چمک پیدا ہوئی، آپ نے دوبارہ ضرب لگائی اور وہی آیت پڑھی۔

[illegible]

اس ضرب سے چٹان کا مزید ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا، پھر ایک چمک پیدا ہوئی جسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دیکھا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری ضرب لگائی اور وہی آیت پڑھی:

[illegible]

اب باقی ماندہ پتھر بھی ریزہ ریزہ ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق سے نکلے، اپنی چادر مبارک اٹھائی اور بیٹھ گئے۔ سلمان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! جب آپ ضربیں لگا رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ہر ضرب کے ساتھ ایک چمک پیدا ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

[illegible]

’’سلمان! کیا تم نے وہ چمک دیکھی تھی؟‘‘

انھوں نے کہا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! قسم اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنایا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[illegible]

’’میں نے جب پہلی ضرب لگائی تھی تو مجھے مدائن کسریٰ اور اس کے ارد گرد کے علاوہ بھی بہت سے شہر دکھائے گئے حتی کہ میں نے انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔‘‘

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! دعا فرمائیں، اللہ تعالیٰ یہ شہر ہمارے ہاتھوں فتح کرائے، ان کے گھر ہمیں غنیمت میں عنایت فرمائے اور ان کے علاقے ہمارے ہاتھوں تاراج کرائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کر دی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[illegible]

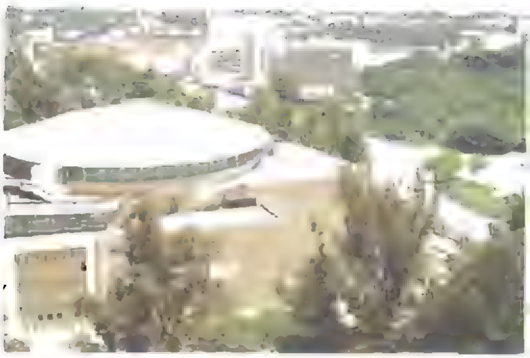
’’پھر جب میں نے دوسری ضرب لگائی تو مجھے قیصر کے شہر اور اس کے ارد گرد کے علاقے دکھائے گئے یہاں تک کہ میں نے انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔‘‘

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ وہ علاقے ہمارے ہاتھوں فتح کرائے۔ ان کے گھر ہمیں غنیمت میں عطا فرمائے اور ان کے علاقے ہمارے ہاتھوں تاراج کرائے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا بھی کر دی۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا:

[illegible]

’’پھر میں نے تیسری ضرب لگائی تو مجھے حبشہ کے شہر اور ارد گرد کے بہت سے علاقے دکھائے گئے حتی کہ میں نے انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔‘‘

ادیس ابابا (حبشہ)



اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

’’حبشیوں کو انھی کے حال پر رہنے دو جب تک وہ تمھیں تمھارے حال پر رہنے دیں اور ترکوں کو بھی چھوڑ دو جب تک وہ تمھیں کچھ نہ کہیں۔‘‘[1]

ابن اسحاق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق وہ شہر سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں فتح ہوتے چلے گئے اور اسلامی مملکت کا حصہ بن گئے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: تمھارے سامنے جو علاقہ بھی آئے اسے فتح کرلو۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ابوہریرہ کی جان ہے! تم قیامت تک جس شہر کو بھی فتح کرو گے، اللہ تعالیٰ نے اس کی کنجیاں (فتح کی بشارت) پہلے ہی سے محمد ﷺ کو عطا کر دی ہیں۔[2]

ایک اور موقع پر رسالت مآب ﷺ نے مسلسل فتوحات کی خوشخبری دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

[illegible]

1 سنن النسائي: 3178، حديث القرآن عن غزوات الرسول، ص: 412،411، تفصیلات کے لیے دیکھیے: سبل الهدى والرشاد: 7/288-291. 2 السيرة لابن هشام: 3/230، دلائل النبوة للبيهقي: 3/418

... [illegible]

''تم لوگ جزیرۂ عرب میں لڑو گے، تمھیں فتح ہوگی۔ پھر فارس سے لڑو گے، کامیاب ہو گے۔ پھر روم سے معرکہ ہوگا، تم شادکام رہو گے اور آخر میں دجال سے معرکہ آرائی میں بھی کامیاب رہو گے۔''[1]

کسریٰ کے کنگن پہن کر سراقہ کا اعلانِ حق

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سفیان بن عیینہ، ابوموسیٰ سے اور وہ حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب سراقہ بن مالک رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کر رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے سراقہ سے فرمایا: [illegible] ''اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تو کسریٰ کے کنگن پہنے گا؟'' سراقہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کسریٰ کے کنگن، شاہی پٹکا اور تاج لایا گیا تو انھوں نے یہ سارا زیور مجھے پہنا دیا۔ پھر حکم دیا کہ اپنے بازو بلند کرو۔ میں نے ہاتھ اونچے کیے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا کہ بلاشبہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے کسریٰ سے یہ سارا زیور چھینا اور بنو مدلج کے ایک اعرابی سراقہ بن مالک کو پہنا دیا۔ پھر سراقہ کو اونٹ پر بٹھا کر مدینہ منورہ کی گلی کوچوں میں لے جایا گیا اور سراقہ یہ اعلان کرتے رہے: اللہ سب سے بڑا ہے جس نے کسریٰ سے یہ زیور چھین کر مجھے پہنا دیا۔[2]

مقتل کی نشاندہی

غزوۂ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک چھپر لگا دیا گیا جہاں سے آپ ﷺ پورے میدان کارزار پر نگرانی کی نگاہ رکھ سکتے تھے۔ آپ ﷺ اس چھپر سے باہر تشریف لائے اور میدانِ جنگ کا دورہ فرمایا۔ آپ ﷺ چلتے جاتے تھے اور دست مبارک سے اشارہ کرتے جاتے تھے کہ ان شاء اللہ کل اس جگہ فلاں شخص قتل ہوگا اور یہ جگہ فلاں فلاں کا مقتل بنے گی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! ہم نے دیکھا کہ رسالت مآب ﷺ نے جس جس شخص کے بارے میں جس جس جگہ کی نشاندہی فرمائی تھی، وہ ٹھیک ٹھیک اسی جگہ مارا گیا۔ کوئی بھی آگے یا پیچھے نہیں مرا۔[3]

ابی بن خلف کے قتل ہونے کی پیش گوئی

یہ ہجرت سے پہلے کی بات ہے، رسول اللہ ﷺ ابھی مکہ ہی میں تھے۔ ابی بن خلف رسول اللہ ﷺ سے کہتا تھا:

1 صحیح مسلم، 2900۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا 237/4۔ 3 تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا 411/6۔

میرے پاس ایک گھوڑا ہے، میں اسے خوب کھلاتا پلاتا ہوں۔ میں اس پر سوار ہو کر آپ (ﷺ) کو قتل کروں گا۔ آپ ﷺ اسے جواب دیتے تھے: ''ان شاء اللہ! میں ہی تجھے قتل کروں گا۔'' وقت کی رفتار آگے بڑھی۔ تقدیر ابی بن خلف کو میدان احد میں کھینچ لائی۔ یہ بدبخت رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا: اے محمد! اگر آج تم مجھ سے نجات پا گئے تو پھر میری خیر نہیں۔ جب وہ قریب آ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ کا نیزہ پکڑا اور ابی بن خلف پر دے مارا۔ نیزے کے وار سے اس کی گردن کی ٹھوڑی سے کھال چھل گئی۔ وہ بری طرح چیخا اور بیل کی طرح ڈکرا ڈکرا کر واویلا کرنے لگا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے شرم دلائی کہ تجھے بالکل معمولی سا زخم آیا ہے اور تو اس قدر ہائے ہائے کر رہا ہے۔ ابی بن خلف تڑپ کر بولا: محمد نے مجھے مکہ ہی میں کہا تھا کہ میں تجھے قتل کروں گا۔ واللہ! وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں مارا جاتا۔ وہ رہ رہ کر بھنکارتا رہا۔ قریش کا لشکر واپس مکہ جا رہا تھا، ابی بن خلف بھی ہائے ہائے کرتا ہوا مکہ کی طرف رواں دواں تھا۔ وہ ابھی مکہ سے چھ میل دور مقام سرف تک ہی پہنچا تھا کہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔[1]

مقتول سرداروں سے خطاب

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح بدر کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قریش کے 24 بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں ایک گندے کنویں میں پھینک دی گئیں۔ مدینہ روانہ ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ اس کنویں کے کنارے پر تشریف لے گئے اور یکے بعد دیگرے قریش کے ہر سردار اور اس کے باپ کا نام لے لے کر سب کو پکارا اور فرمایا: ''کیا تم اس امر کو اچھا سمجھ رہے ہو کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر لیتے؟ ہم سے ہمارے پروردگار نے جو وعدہ فرمایا تھا، ہم نے اسے برحق پایا۔ اور تم لوگوں سے تمھارے رب نے جو وعدہ کیا تھا، کیا تم نے اسے سچا پایا؟'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے تعجب سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ مردہ لاشوں سے خطاب فرما رہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! یہ لوگ میری باتیں اسی طرح سن رہے ہیں جس طرح تم سن رہے ہو۔ بس یہ جواب دینے سے معذور ہیں۔''[2]

جہنمی شخص

قزمان ایک انصاری قبیلے بنوظفر کا حلیف تھا۔ مدینہ منورہ میں اس کی دلیری اور جنگی مہارت کا بڑا چرچا تھا۔

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت ابن کثیر: 273/6-275۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت ابن کثیر: 473/5-474۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب بھی کوئی اس کا تذکرہ کرتا تو آپ ﷺ فرماتے تھے کہ یہ شخص جہنمی ہے۔ غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ مجاہدین کی صفیں ٹھیک کر رہے تھے کہ قزمان بھی میدان میں آپہنچا اور سب سے پہلی صف میں کھڑا ہو گیا۔ مشرکوں پر سب سے پہلا تیر بھی اسی نے چلایا اور خوب شجاعت و استقامت سے لڑتا رہا۔ اس نے سات یا نو مشرکوں کو یکے بعد دیگرے ٹھکانے لگا دیا۔ آخر کار یہ خود بھی زخموں سے چور ہو کر گر پڑا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے کہا: تمھیں شہادت مبارک ہو۔ وہ کہنے لگا: مجھے شہادت کی خوشخبری کیا دیتے ہو۔ میں تو اپنے قومی وقار کے لیے میدان جنگ میں آیا تھا۔ قومی غیرت کا معاملہ نہ ہوتا تو میں لڑائی میں ہرگز شریک نہ ہوتا۔ یوں اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی۔[1]

درخت کے نیچے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لینے کا واقعہ

صلح حدیبیہ میں جب آپ ﷺ کو دشمنوں نے مقام حدیبیہ پر روک لیا اور واپس چلے جانے پر اصرار کیا اور پھر جب رسول اللہ ﷺ کے سفیر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر لشکر اسلام میں پہنچی تو نبی اکرم ﷺ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فتح یا شہادت پر بیعت لی، اسے قرآن میں بیعت رضوان کہا گیا ہے۔ یہ بیعت رضائے الٰہی کے عین مطابق تھی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا

”بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ تو بس اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، پھر جس نے عہد شکنی کی، تو بس وہ اپنی ہی ذات کے خلاف عہد شکنی کرتا ہے، اور جس نے (وہ) عہد پورا کیا جو اس نے اللہ سے باندھا تھا، تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔“[2]

بالآخر یہی بیعت وہ عظیم فتوحات، یعنی فتح مکہ اور فتح خیبر کا باعث بنی۔ نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر ہونے والی بیعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی والی بیعت قرار دیا۔ اس بیعت میں شامل تھوڑے سے افراد کے ذریعے دو عظیم الشان شہروں کا لشکر اسلام کے سامنے مفتوح ہونا آپ ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔

سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کے کردار کی پیش گوئی

سہیل بن عمرو کو جنگ بدر میں مسلمانوں نے قید کر لیا۔ ان کا نچلا ہونٹ پھٹا ہوا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 6/307-309۔ 2 الفتح 10:48.

سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس کے سامنے والے نچلے دو دانت نکلوا دیجیے تاکہ جب یہ کلام کرے تو ہوا کے زور سے اس کی زبان باہر نکل آئے۔ اس طرح یہ کبھی آپ کے خلاف تقریر نہیں کر سکے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں مثلہ نہیں کروں گا ورنہ اللہ تعالیٰ میرا مثلہ بھی کر سکتا ہے۔ ہرچند میں نبی ہوں۔''[1]

مؤرخ ابن اسحاق لکھتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی فرمایا تھا: ''ممکن ہے کہ یہ کسی موقع پر ایسی تقریر بھی کرے جسے تم ہرگز برا نہیں کہو گے۔''

امام حاکم نے بھی اس جیسی روایت بیان کی ہے مگر اس کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«دعه فعسى أن يسرك يوما»

''رہنے دو۔ شاید کسی دن یہ (تقریر کر کے) تمھیں خوش کر دے۔''[2]

جب نبی کریم ﷺ وفات پا گئے اور مکہ والوں میں ارتداد کے کچھ اثرات محسوس ہوئے تو یہی سہیل بن عمرو کعبہ کے پاس آ کھڑے ہوئے اور کڑک کر بولے: ''لوگو! سن لو! جس شخص کے معبود محمد ﷺ تھے تو وہ یقیناً فوت ہو گئے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لیے زندہ ہے، وہ کبھی فوت نہیں ہو گا۔''

عدی بن حمرا کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر مکہ مکرمہ پہنچی تو میں نے دیکھا کہ سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ہمیں مکہ میں وہی خطبہ دیا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں دیا تھا، یوں لگتا تھا جیسے انھوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خطبہ سن رکھا تھا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ کو اس خطبے کی خبر پہنچی تو انھوں نے کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہ جو کچھ لے کر آئے وہ حق ہے۔ یہی وہ تقریر ہے جس کی طرف آپ ﷺ نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا تھا:

«لعله يقوم مقاما لا تذمه»

''امید ہے یہ ایسے مقام تک پہنچے گا کہ تم اسے ناپسند نہیں کرو گے۔''[3]

حنظلہ رضی اللہ عنہ کو فرشتوں نے غسل دیا

سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کے گھوڑے پر تلوار کا وار کیا۔ گھوڑا بری طرح بدکا۔ ابوسفیان چیختا ہوا زمین پر گر پڑا۔ حنظلہ رضی اللہ عنہ اسے ہلاک کرنے کے لیے لپکے۔ اچانک شداد بن اسود، ابوسفیان کی کمک کے لیے آ پہنچا۔ اس نے نیزہ مار کر سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی شہادت کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

1 المغازی لابن ابی شیبہ، ص: 217، حدیث: 206، السیرۃ لابن ہشام 355/2، [illegible] 344/3 2 المستدرک للحاکم 92/3 3 [illegible] الکبریٰ 218/2، تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا 514/5۔

''میں نے دیکھا ہے کہ فرشتے حنظلہ رضی اللہ عنہ کو چاندی کے برتنوں میں غسل دے رہے ہیں۔ ان کی بیوی سے ان کا معاملہ دریافت کرو۔'' ان کی بیوی سے پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ جس وقت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے جنگ کی پکار سنی، اس وقت وہ حالتِ جنابت میں تھے۔ وہ اسی حالت میں میدانِ کارزار کی طرف دوڑ پڑے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسی لیے فرشتوں نے انھیں غسل دیا ہے۔''[1]

جنت کی تمنا پوری ہوئی

نعمان بن مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ بدری صحابہ میں سے ہیں۔ یہ غزوۂ احد میں ابان بن سعید کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ بعد ازاں ابان مسلمان ہو گئے۔ نعمان بن مالک ابن قوقل کے نام سے معروف تھے۔ ایک ٹانگ سے لنگڑے تھے۔ انھوں نے احد کے دن سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے شہید ہونے کی دعا کی۔ اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے تصدیق فرمائی کہ میں نے انھیں جنت میں دیکھا ہے۔[2]

مسلمانوں اور رومیوں کے مابین ایک عظیم معرکہ اور فتحِ قسطنطنیہ

مسلمانوں اور رومی عیسائیوں کے تعلقات کی تاریخ طرح طرح کے حالات و حوادث سے بھری پڑی ہے۔ اس میں صلح بھی ہے اور جنگ بھی، زمانۂ امن بھی ہے اور عرصۂ قتال بھی۔ آج کے زمانے میں اہلِ اسلام اور عیسائیوں کے باہمی تعلقات غیر یقینی ہیں۔ کبھی صلح اور کبھی جنگ میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ علاماتِ قیامت میں سے مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان ایک بہت بڑی جنگ بھی ہے۔ اور یہ جنگ ظہورِ مہدی سے قبل ہوگی۔ نبی کریم ﷺ نے اس کا نام ''اَلْمَلْحَمَۃُ الْکُبْرٰی'' رکھا ہے۔ مسلمان اس جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی کریں گے اور اسے بھی فتح کر لیں گے اور پھر اس کے بعد دجال ظاہر ہوگا۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عُمْرَانُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ خَرَابُ يَثْرِبَ، وَخَرَابُ يَثْرِبَ خُرُوجُ الْمَلْحَمَةِ، وَخُرُوجُ الْمَلْحَمَةِ فَتْحُ قُسْطَنْطِينِيَّةَ، وَفَتْحُ الْقُسْطَنْطِينِيَّةِ خُرُوجُ الدَّجَّالِ»

''بیت المقدس کی آبادی دراصل مدینہ کی بربادی ہوگی۔ مدینہ کی بربادی ہوگی تو ایک عظیم معرکہ شروع ہو

1 تجلیاتِ نبوت بحوالہ سیرت النبی ﷺ 6/225، 226۔ 2 تجلیاتِ نبوت بحوالہ سیرت النبی ﷺ 6/361۔

جائے گا۔ وہ معرکہ شروع ہوا تو قسطنطنیہ فتح ہو جائے گا اور جب قسطنطنیہ فتح ہو جائے گا تو پھر جلد ہی دجال کا خروج ہوگا۔"[1]

ایک دوسری روایت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

استنبول (قسطنطنیہ) میں نئی مسجد اور عقب میں ایا صوفیہ



"تم لوگ رومیوں سے صلح کرلو گے، پھر تم اور وہ مل کر اپنے ایک دشمن سے لڑو گے۔ تم اس جنگ میں فتح پاؤ گے، مال غنیمت حاصل کرو گے اور صحیح سلامت رہو گے۔ پھر تم میدان جنگ سے واپس آؤ گے، حتی کہ تم عیسائیوں کے ساتھ ایک ایسے میدان میں پڑاؤ ڈالو گے جس میں ٹیلے بھی ہوں گے۔"

پھر عیسائیوں میں سے ایک شخص صلیب کو بلند کرے گا اور کہے گا کہ صلیب غالب آگئی۔ اس پر ایک مسلمان طیش میں آجائے گا اور آگے بڑھ کر صلیب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ اس واقعے سے عیسائی بگڑ جائیں گے اور جنگ کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ بعض راویوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس وقت مسلمان بھی جوش میں آجائیں گے اور اپنے ہتھیار سنبھال لیں گے اور ان سے لڑائی کے لیے تیار ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی اس جماعت کو شہادت سے سرفراز فرمائے گا۔[2]

قلعہ حلب (شام)



صحیح مسلم میں اس واقعے کی تفصیل اس طرح ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک عیسائی "اعماق" یا "دابق" کے مقام پر پڑاؤ نہ ڈالیں۔ (یہ مقام شام میں حلب نامی شہر کے قریب ہے، جنگ کی جگہ یہیں ہوگی) عیسائیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مدینہ سے ایک لشکر روانہ ہوگا جو اس زمانے کے بہترین لوگوں پر مشتمل ہوگا۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مدمقابل صف آرا ہوں گے تو عیسائی کہیں گے: ہمیں ان لوگوں سے لڑائی کر لینے دو جو ہم میں سے گرفتار ہوگئے تھے۔ (عیسائیوں کی

1 سنن أبي داود: 4294 2 سنن أبي داود: 4293،4292.

اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین پہلے بھی متعدد لڑائیاں ہوچکی ہوں گی، جن میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور عیسائیوں کو قیدی بنالیا گیا تھا، وہ قیدی مسلمان ہوگئے تھے اور اب اسلامی لشکر میں شامل ہو کر عیسائیوں سے جہاد کرنے آئے ہوئے ہوں گے) مگر مسلمان کہیں گے: نہیں اللہ کی قسم! ہم اپنے بھائیوں کو تمھارے مقابلے میں ہرگز اکیلا نہیں چھوڑیں گے، چنانچہ عیسائی مسلمانوں سے جنگ کریں گے، جس میں مسلمانوں کے لشکر کا تیسرا حصہ میدان چھوڑ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کبھی قبول نہیں کرے گا۔ اس لشکر کے ایک تہائی لوگ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جائیں گے، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل ترین شہداء ہوں گے۔ باقی ایک تہائی لشکر لڑائی میں فتح حاصل کرے گا (لشکر کا آخری تہائی حصہ شہروں کو فتح کرلے گا اور مال غنیمت حاصل کرے گا)۔ یہ لوگ کبھی فتنہ میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ یہی لوگ قسطنطنیہ کو فتح کریں گے۔ اور جب وہ اپنی تلواریں زیتون کے درختوں سے لٹکا کر مال غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے تو شیطان ان کے درمیان آکر آواز لگائے گا: اے لوگو! تمھارے بعد مسیح دجال تمھارے گھروں میں داخل ہوگیا ہے (وہ مسلمانوں پر گھبراہٹ طاری کرنا چاہے گا)۔ لشکر اسلام کے فوجی وہاں سے نکلیں گے، (وہ دجال کی طرف چل دیں گے) شیطان کی یہ خبر تو غلط ہوگی، لیکن جب وہ شام پہنچیں گے تو واقعی مسیح دجال کا ظہور ہو جائے گا۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رومیوں سے جنگ کے بعد اہل اسلام کو مال غنیمت کی تقسیم کا موقع بھی نہیں ملے گا کہ وہ دجال سے لڑائی کی تیاری کر رہے ہوں گے، صفیں درست کر رہے ہوں گے کہ نماز کا وقت ہو جائے گا اور اس وقت سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نزول فرمائیں گے .....[1]

ایک اور روایت میں اس کی تفصیل یوں بیان ہوئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"قیامت اس وقت قائم ہوگی جب وراثت کی تقسیم روک دی جائے گی اور مال غنیمت لوگوں کے لیے کسی خوشی کا باعث نہیں بنے گا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے شام کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: دشمنان اسلام وہاں جنگ کے لیے جمع ہوں گے اور مسلمان بھی ان کا مقابلہ کرنے کے لیے وہاں اکٹھے ہوں گے۔ (سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس دشمن سے مراد رومی ہیں۔) اس وقت جنگ کی شدت کے باعث بہت سے لوگ میدان جنگ سے واپس آجائیں گے۔ پھر مسلمان اپنے میں سے بہترین اور باصلاحیت فوجیوں کی ایک جماعت کو موت تک لڑنے کے عزم کے ساتھ آگے بھیجیں گے۔ دونوں لشکر مسلسل لڑائی جاری رکھیں گے، حتیٰ کہ ان کے درمیان

[1] صحیح مسلم / 2897

رات حائل ہو جائے گی، پھر دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ لوٹ جائیں گے۔ ان میں سے کوئی بھی غالب نہیں ہوگا اور جو لوگ موت کا عزم لے کر آگے بڑھے ہوں گے، وہ سب کے سب شہید ہو جائیں گے۔ اگلے روز مسلمان پھر بہترین اور باصلاحیت فوجیوں کی ایک جماعت کو موت تک لڑنے کے عزم کے ساتھ آگے بھیجیں گے۔ اس جماعت کے افراد عہد کریں گے کہ اب ہم فتح یاب ہو کر ہی لوٹیں گے یا شہید ہو جائیں گے۔ پھر دونوں لشکر شام ہونے تک مسلسل لڑائی جاری رکھیں گے مگر کسی بھی فریق کو برتری حاصل نہ ہو سکے گی اور دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ لوٹ جائیں گے۔ جو لوگ موت کا عزم لے کر آگے بڑھیں گے، وہ سب کے سب شہید ہو جائیں گے۔

جب اس جنگ کا چوتھا روز ہوگا تو اہل اسلام دشمن پر جلد حملہ کر دیں گے (مختلف مقامات سے مسلمان جمع ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوں گے)۔ اس روز اللہ تعالیٰ کفار کو شکست فاش سے دوچار کر دے گا اور اہل اسلام ان کو اتنی بڑی تعداد میں قتل کریں گے کہ اس سے پہلے کبھی اتنی خونریزی نہ دیکھی گئی ہوگی۔ حتیٰ کہ ایک پرندہ ان کے پاس سے گزرے گا تو وہ تھوڑا سا آگے جانے سے قبل ہی مر کر گر جائے گا۔ ایک باپ کی اولاد جس کی تعداد جنگ سے پہلے ایک سو ہوگی، جنگ کے بعد دیکھیں گے کہ ان میں سے ایک بچا ہوگا تو ایسی صورت حال میں مال غنیمت کے حصول سے کون سی خوشی ہوگی اور کن لوگوں میں میراث تقسیم کی جا سکے گی؟ مسلمان ابھی اسی حالت میں ہوں گے کہ اس سے بڑی مصیبت کی خبر سنیں گے۔ ایک شخص پکار کر کہے گا: لوگو! دجال تمہارے پیچھے بال بچوں میں گھس آیا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے گھر بار کی طرف متوجہ ہوں گے اور دس سواروں کو حالات کا جائزہ لینے کی غرض سے بھیجیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں ان سواروں کے نام، ان کے باپوں کے نام اور ان کے گھوڑوں کے رنگ تک جانتا ہوں۔ وہ اس زمانے میں روئے زمین کے بہترین گھڑ سوار ہوں گے۔"[1]



سرسبز غوطہ، دمشق (شام)

اس عظیم معرکہ حرب و ضرب کے لیے مسلمانوں کے جمع ہونے کی جگہ اس وقت شہر دمشق میں "غوطہ" میں ہوگی۔ یہ لشکر اس وقت روئے زمین کا بہترین لشکر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس لشکر کو عیسائیوں پر فتح نصیب فرمائے گا۔ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس عظیم معرکے میں مسلمانوں کا جنگی کیمپ شام کے بہترین شہر دمشق کے قریب "غوطہ" کے مقام پر ہوگا۔"[2]

اس کے بعد اہل اسلام امام مہدی کے زیر قیادت قسطنطنیہ کو

[1] صحیح مسلم 2899، مسند احمد 1/435 [2] سنن ابی داؤد 4298

لڑائی کے بغیر ہی فتح کر لیں گے۔ اس وقت مسلمانوں کا ہتھیار اللہ کی تکبیر اور تحمید ہوئی۔ [1]

قیامِ خلافت اور مدتِ خلافت کی پیش گوئی



رسول اللہ ﷺ نے مختلف موقعوں پر یہ خبر دی کہ میرے بعد خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ ان میں سے بارہ ایسے ہوں گے جن سے اسلام کی حمایت و نصرت کا کام لیا جائے گا، [2] مگر خلافت راشدہ کا زمانہ تیس برس ہوگا۔ [3]

چنانچہ آپ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق خلافت راشدہ تیس سال (11ھ سے 41ھ) تک قائم رہی۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت:
ربیع الاول 11ھ تا جمادی الآخرہ 13ھ۔
سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت:
جمادی الآخرہ 13ھ تا ذی الحجہ 23ھ۔
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت:
محرم 24ھ تا ذی الحجہ 35ھ۔
سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت:
ذی الحجہ 35ھ تا رمضان 40ھ۔
سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت:
رمضان 40ھ تا ربیع الاول 41ھ۔

خلفائے راشدین کی نام بنام پیش گوئی

نبی اکرم ﷺ نے صرف خلافت ہی کی پیش گوئی نہیں فرمائی تھی، بلکہ اپنے بعد آنے والے خلفاء کے ناموں سے بھی لوگوں کو آگاہ کر دیا تھا۔ خلافت راشدہ کے پہلے خلیفہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی خلافت کا آپ ﷺ

1 [illegible] 2020، 2 صحیح مسلم 1821، 3 جامع ترمذی 2226

نے متعدد ارشادات میں اشارہ فرمایا تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ایک سے زیادہ افراد کو کچھ دینے کا وعدہ فرمایا تھا اور اس کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا تھا کہ اگر تمھاری مجھ سے ملاقات نہ ہو تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آنا، وہ میرے وعدے کو پورا کر دیں گے۔ صحیح بخاری میں بھی ہے کہ آپ نے ایک عورت سے فرمایا تھا [illegible] ''اگر مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس آ جانا۔''[1]

اسی طرح وفات سے پانچ روز قبل دیے ہوئے خطبے میں بطور خاص سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مناقب بیان کیے اور فرمایا کہ میں ہر شخص کے حقوق ادا کر چکا ہوں سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے، مزید فرمایا کہ ابوبکر کے سوا ہر شخص اپنا مسجد میں کھلنے والا عقبی دروازہ (خوخہ) بند کر لے، مزید برآں اپنی حیات طیبہ ہی میں انھیں اپنے مصلے پر کھڑا کر کے مسلمانوں کا امام بنا دیا۔

علاوہ ازیں آپ ﷺ نے تاکید کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ اللہ اور اس کے اہل ایمان بندے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی پر راضی نہ ہوں گے۔

سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کی خبر آپ ﷺ نے ایک خواب کے ذریعے بھی امت کو سنائی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں نے دیکھا کہ میں ایک کنویں پر کھڑا پانی کے ڈول نکال رہا ہوں، پھر میرے ہاتھ سے رسی اور ڈول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لے لیے۔ انھوں نے ایک یا دو ڈول نکالے (خلافت صدیقی کی مدت دو سال چار ماہ ہے) اور ان کے ڈول نکالنے میں کمزوری تھی، اللہ انھیں معاف فرمائے۔ ان کے ہاتھ سے پھر یہ ڈول عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لے لیا اور کئی ڈول نکالے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے کسی طاقت ور کو عمر کی طرح ڈول نکالتے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ حوض پانی سے لبالب بھر گیا۔''[2]

تینوں خلفائے راشدین کی شہادت کی پیش گوئی

خلفائے راشدین میں سے تین خلفا شہید ہوئے ہیں، آپ ﷺ نے ان میں سے ہر ایک کی شہادت کی خبر بھی پہلے ہی دے دی۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

''عمر فاروق فتنوں کے سامنے ایک بند دروازے کی طرح حائل ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس روایت کے راوی

1 صحيح البخاري: 3659. 2 صحيح البخاري: 3664، صحيح مسلم: 2392. تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 10/328,329 و 336-346۔

(سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کہ یہ دروازہ کھلے گا یا ٹوٹے گا؟ انھوں نے بتایا کہ یہ نہیں کھلے گا بلکہ ٹوٹے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔[1]

ایک مرتبہ پہاڑ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم بھی تشریف فرما تھے کہ پہاڑ زلزلے سے لرزنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پاؤں مارا اور فرمایا:

[illegible]

''احد! ٹھہر جا کیونکہ تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔''[2]

خلفائے راشدین میں سے دو خلفاء بڑے مصائب و آلام سے دو چار ہوئے اور وہ دونوں شہید کر دیے گئے۔ ان پر وارد ہونے والے ان پر آشوب حالات کی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی کر دی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تمھیں ایک مصیبت پہنچنے (اور اسے برداشت کرنے) پر جنت کی بشارت ہے۔''[3]

اسی طرح ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''عنقریب ایک فتنہ اٹھے گا۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: ''میں تمھیں امیر اور اس کے جاں نثاروں کی حمایت کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔''[4]

ایک دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے عثمان! اللہ تعالیٰ تمھیں ایک قمیص پہنائے گا۔ کچھ لوگ اسے اتروانا چاہیں گے، مگر تم اسے ہرگز نہ اتارنا۔''[5] اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی متعدد مرتبہ پیش آنے والے مصائب سے آگاہ کر دیا تھا۔

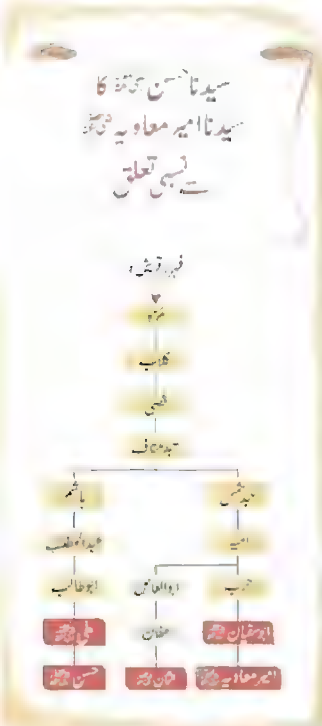
ابوحرب بن ابواسود دؤلی کا بیان ہے: جب زبیر رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کے لیے روانہ ہوئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے میرے سامنے ان سے فرمایا: میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سنا تھا: ''زبیر! تم علی سے لڑائی لڑو گے تو اس وقت زیادتی تمھاری ہوگی؟'' زبیر نے جواب دیا: ''مجھے یاد نہیں۔'' تاہم اس کے باوجود زبیر رضی اللہ عنہ میدان سے واپس چلے گئے۔[6]

اسی طرح عمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ذات عشیرہ میں انھیں اور علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''کیا میں تمھیں بتاؤں کہ انسانوں میں سب سے زیادہ دو بدبخت افراد کون ہیں؟'' ہم نے کہا: اے اللہ کے

1 صحیح البخاری: 3586. 2 صحیح البخاری: 3686. 3 صحیح البخاری: 3693، صحیح مسلم: 2403
4 [illegible] 99/3. 5 مسند احمد: 86/6، جامع ترمذی: 3705. 6 المستدرک للحاکم: 366/3

رسول! ضرور بتائیے۔ فرمایا: ”ایک تو ثمود کا وہ سرخ آدمی جس نے ناقۃ اللہ کو زخمی کیا تھا اور اے علی! دوسرا وہ شخص جو تمھارے سر پر تلوار کی ضرب لگائے گا اور تمھاری ڈاڑھی خون سے رنگین ہو جائے گی۔“[1]

علاوہ ازیں ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے علی! تمھیں میرے بعد بڑی مشکلات پیش آئیں گی۔“ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا میرا دین سلامت رہے گا؟ فرمایا: ”ہاں!“ اور مزید یہ بھی فرمادیا کہ ”تمھیں تلوار کی دھار سے شہید کیا جائے گا۔“[2]



حسن رضی اللہ عنہ دو گروہوں میں صلح کروائیں گے

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بڑے فرزند سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے دو اسلامی لشکروں کے درمیان مصالحت کرائی اور امت کو خون خرابے سے بچایا۔ آپ ﷺ نے اس کی بھی پیش گوئی فرمادی تھی۔ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ منبر پر چڑھے، اس وقت آپ ﷺ کی گود میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرا یہ بیٹا سردار ہے، شاید اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں مصالحت کرادے۔“[3] یاد رہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے 41ھ میں اس وقت صلح کی جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بہت بڑا لشکر جمع ہو چکا تھا، اگر وہ چاہتے تو اس لشکر سے شامی افواج کو تہ تیغ کر سکتے تھے، لیکن انھوں نے صلح کو ترجیح دی۔ یوں نبی اکرم ﷺ کی پیش گوئی پوری ہوئی۔[4]

جزیرہ عرب میں مثالی امن و امان کے قیام کی بشارت

رسول اللہ ﷺ نے پورے جزیرہ نمائے عرب میں مثالی امن و امان قائم ہونے کی پیش گوئی بھی فرمادی تھی۔ سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دفعہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا، اس نے آپ ﷺ سے اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ پھر ایک دوسرا آدمی آیا تو اس نے راستوں میں ڈاکوؤں کی وارداتوں کا شکوہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے عدی! تم نے حیرہ شہر دیکھا ہے؟“ میں نے کہا: دیکھا

1 مسند احمد: 263/4. 2 المستدرک للحاکم: 140/3. 3 صحیح البخاری: 2704. 4 تفصیلات کے لیے دیکھیے: بریٹانیکا انسائیکلوپیڈیا: 136/6۔

تو نہیں، البتہ اس کا نام ضرور سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تمھاری زندگی کچھ اور لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک عورت حیرہ شہر سے روانہ ہوگی، بیت اللہ کا طواف کرے گی، اسے اللہ کے سوا کسی کا بھی خوف نہیں ہوگا۔“ میں نے دل میں خیال کیا کہ آخر قبیلہ طے کے ڈاکو کہاں چلے جائیں گے جنھوں نے تمام شہروں میں آگ لگا رکھی ہے؟ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) ”اگر تم کچھ اور دنوں تک زندہ رہے تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے۔“ میں نے عرض کیا: کسریٰ بن ہرمز کے (خزانے)؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں، کسریٰ بن ہرمز کے (خزانے)۔ اگر تمھاری زندگی دراز ہوئی تو تم یہ بھی دیکھو گے کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں سونا چاندی بھر کر نکلے گا۔ اسے کسی ایسے شخص کی تلاش ہوگی جو اسے قبول کرے لیکن ایسا اسے کوئی شخص نہیں ملے گا جو اسے قبول کرے۔“ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ہودج میں بیٹھی ہوئی ایک اکیلی عورت کو تو خود دیکھ لیا کہ وہ حیرہ سے سفر کے لیے نکلی، مکہ مکرمہ پہنچی اور اس نے کعبہ کا طواف کیا۔ اسے راستے بھر اللہ کے سوا اور کسی کا (ڈاکو وغیرہ) کا خوف لاحق نہیں ہوا۔ اسی طرح میں خود مجاہدین کی اس جماعت میں شریک تھا جس نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کیے۔ اور اگر تم لوگ کچھ عرصہ زندہ رہے تو وہ حال بھی دیکھ لو گے جو آپ ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں سونا چاندی بھر کر نکلے گا لیکن اسے کوئی قبول کرنے والا نہیں ہوگا......[1]

فتنوں اور باہمی اختلاف و انتشار کی اطلاع

امن و امان قائم ہونے کی خوشگوار خبر کے علاوہ نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کے باہمی اختلافات اور مناقشات کی بھی اطلاع دے دی تھی۔ ایک موقع پر آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ منورہ سے باہر نکلے۔ آپ ﷺ نے ایک گڑھی کے اوپر سے مدینہ منورہ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

”میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے گھروں پر فتنے بارش کی طرح برس رہے ہیں۔“[2] ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ”یہ فتنے شہادت فاروقی کے بعد نمودار ہوں گے۔“[3]

فتنہ خوارج کے ظہور کی خبر

عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتنوں میں سے ایک بڑا فتنہ خوارج کا بھی تھا۔ یہ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو گئے۔ انھوں نے اپنی جماعت کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں سے جدا کر لیا۔ اس زبردست فتنے کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی متعدد پیش گوئیاں موجود ہیں، مثال کے طور پر سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ

1 صحیح البخاری، 3595 و 1413 2 صحیح البخاری، 3597 3 صحیح البخاری، 3597

فرماتے ہیں

ہم لوگ ایک دن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں موجود تھے، اس وقت آپ ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، اس موقع پر ذوالخویصرہ تمیمی نے انتہائی بے ادبی سے کہا: اے محمد! عدل کیجیے۔ رسول اللہ ﷺ کو غصہ آگیا۔ آپ نے فرمایا: ويلك ومن يعدل إذا لم أعدل ''تیری بربادی ہو، اگر میں نے عدل نہیں کیا تو پھر کون عدل کرے گا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضور اجازت دیجیے میں اس گستاخ کی گردن اڑا دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

دعه فإن له أصحابا يحقر أحدكم صلاته مع صلاتهم وصيامه مع صيامهم يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية ينظر إلى نصله فلا يوجد فيه شيء ثم ينظر إلى رصافه فما يوجد فيه شيء ثم ينظر إلى نضيه فلا يوجد فيه شيء ثم ينظر إلى قذذه فلا يوجد فيه شيء قد سبق الفرث والدم آيتهم رجل إحدى يديه أو قال ثدييه مثل ثدي المرأة أو قال مثل البضعة تدردر يخرجون على حين فرقة من الناس

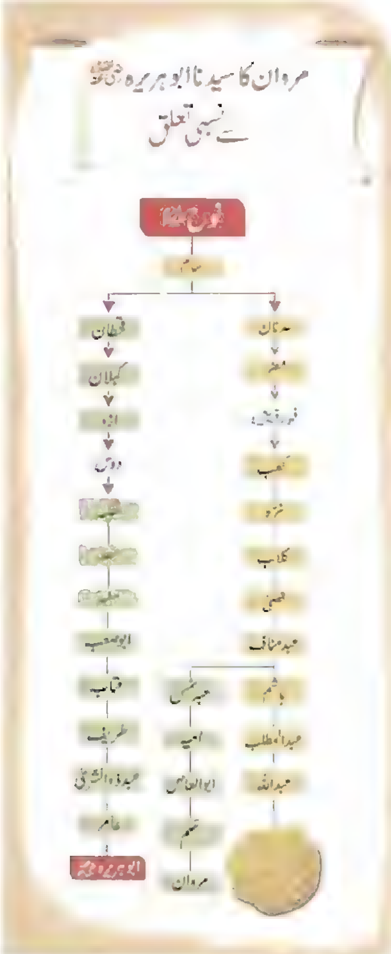
''نہیں، اسے چھوڑ دو۔ اس کے کچھ ایسے ساتھی ہوں گے کہ تم ان کی نماز، روزے کے مقابلے میں اپنی نماز اور روزے کو حقیر خیال کرو گے لیکن وہ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کو زخمی کر کے نکل جاتا ہے۔ تیر کے پر کو دیکھا جائے تو اس پر کوئی نشان نہیں ہوتا۔ اس کے پھل کو دیکھا جائے تو وہاں بھی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اس کے پیکان کو دیکھا جائے تو وہاں خون کا دھبا نہیں ہوتا۔ اس کی لکڑی کو دیکھا جائے تو وہاں بھی کوئی نشان نہیں ہوتا، حالانکہ وہ شکار کی غلاظت اور خون سے گزر کر گیا ہے۔ ان کی نشانی ایک آدمی ہوگا جس کا ایک ہاتھ یا چھاتی عورت کی چھاتی کی طرح یا گوشت کے لکڑے کی طرح متحرک ہوگا۔ یہ لوگ مسلمانوں میں پھوٹ پڑنے کے وقت پیدا ہوں گے۔''[1]

فتنۂ ارتداد کی پیش گوئی

رسول اللہ ﷺ پر بذریعہ وحی جو باتیں منکشف کی گئیں، ان میں فتنۂ ارتداد پھوٹ پڑنے کی خبر بھی شامل ہے۔ فتنۂ ارتداد نبی اکرم ﷺ کی وفات کی خبر پھیلتے ہی برپا ہوا اور اس رو میں تمام عرب قبیلے بہہ گئے۔ مکہ مکرمہ، طائف اور مدینہ منورہ کے سوا شاید ہی کوئی علاقہ اس سے محفوظ رہا ہو۔ اس فتنے کی خبر دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحیح البخاری: 6933.



''میں تمھارا حوض کوثر پر پیش رو ہوں۔ تم میں سے کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے، جب میں انھیں لینے کے لیے آگے بڑھوں گا تو مجھے روک دیا جائے گا، میں کہوں گا: پروردگار! یہ میرے صحابہ ہیں، کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ ﷺ کے بعد کیا نئی بات اختیار کر لی تھی۔''[1]

نوجوانوں کے ہاتھوں امت کی تباہی کی پیش گوئی

عہد خلافت راشدہ میں خلفائے کرام انتظامی عہدوں کی ذمہ داریاں لیاقت و اہلیت کی بنیاد پر نہایت دیانتدار افراد کو سونپا کرتے تھے لیکن بنو امیہ کی حکومت کے زمانے میں یہ طریقہ یکسر بدل گیا اور اکثر بڑی بڑی اہم ذمہ داریوں پر بے سمجھ اور نااہل نوجوانوں کا تقرر ہونے لگا۔ اس طرز عمل سے امت میں بے چینی، افتراق اور انتشار کی کیفیت کو مزید ہوا ملی اور ''دین و دنیا'' میں تفریق کا سلسلہ تیز تر ہو گیا۔ اس بات کی خبر بھی نبی اکرم ﷺ نے پہلے ہی دے دی تھی، چنانچہ عمرو بن یحییٰ بن سعید اپنے دادا سیدنا سعید بن عمرو بن سعید سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا، اس وقت مروان بھی ہمارے ساتھ تھا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے سچے اور سچے سمجھے جانے والے (نبی اکرم ﷺ) سے یہ سنا ہے: ''میری امت کی تباہی قریش کے نوجوان لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی۔'' مروان بولا: ان لڑکوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر میں یہ بتانا چاہوں کہ وہ (قریش کی) کس شاخ سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ کس کے بیٹے ہوں گے تو یقیناً بلا تامل بتا سکتا ہوں۔'' اس کے بعد بنو مروان شام پر قابض ہو گئے۔ پھر میں اپنے دادا کے ساتھ جایا کرتا تھا، جب ہم مسند اقتدار پر نوجوان لڑکوں کو کارفرما دیکھتے تو میرے دادا کہتے: ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ بھی انھی میں سے ہوں۔ میں کہتا کہ آپ ہی بہتر جانتے ہیں۔[2]

[1] صحیح البخاری: 7049، 7050، 7051 [2] صحیح البخاری: 7057

بکثرت قتل و خون ریزی کی پیشگی اطلاع

نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں انسانی جان کی عزت و حرمت کا یہ عالم تھا کہ عام حالات میں قتل و خون ریزی کا شاذ ہی کوئی واقعہ پیش آتا تھا۔ لوگ ایک دوسرے کی جان و مال کا احترام کرتے تھے، لیکن بہت جلد وہ دور بھی آ گیا جب مسلمانوں کے مابین پھوٹ پڑ گئی اور قتل و خون ریزی کا ایسا بازار گرم ہوا کہ تمام مسلم علاقے اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ نبی اکرم ﷺ اس المیے کی پیش گوئی فرما چکے تھے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''زمانہ قریب ہوتا چلا جائے گا، عمل گھٹ جائیگا، لالچ بڑھ جائے گا، فتنے پھوٹ پڑیں گے اور ''ہرج'' کی کثرت ہو جائے گی۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! یہ ہرج کیا ہے؟ فرمایا: ''قتل، قتل۔''[1]

ایک اور حدیث میں یہی بات زیادہ کھل کر کہی گئی ہے: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انھوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ تاکید فرماتے ہوئے سنا: ''دیکھو! میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔''[2]

خلافت راشدہ کے آخری دنوں اور بنو امیہ اور بنو عباس کے اقتدار کے دوران خون ریزی ہوئی، اس کا سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں اب تک جاری ہے، یہ صورتحال یقیناً مذکورہ روایات میں دی گئی خبر کا مصداق ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کی پیشگی اطلاع دی

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں جب یمن بھیجا تو وہ سوار ہو کر مدینہ منورہ سے نکلے، اس موقع پر خود نبی مکرم ﷺ ان کی سواری کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يا معاذ! إنك عسى ألا تلقاني بعد عامي هذا ولعلك أن تمر بمسجدي هذا وقبري»

''اے معاذ! ممکن ہے تم اس سال کے بعد مجھ سے نہ مل پاؤ۔ اور میری قبر اور مسجد کے پاس سے گزرو۔''

یہ وحشت اثر خبر سن کر معاذ رضی اللہ عنہ رو پڑے تو آپ ﷺ نے خبردار فرمایا:

«لا تبك يا معاذ، إن البكاء من الشيطان»

''معاذ! مت رو، رونا (چیخنا، چلانا) شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔''[3]

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنی وفات کا وقت قریب آنے کی پیشگی اطلاع دی ہے

[1] صحیح البخاري، 7061. [2] صحیح البخاري، 7077. [3] مسند أحمد 235/5، المعجم الكبير للطبراني 121/20، ومسند البزار، رقم: 2647.

کہ یہ ممکن ہے اس سال کے بعد تم مجھے نہ پا سکو۔ اس سے آپ ﷺ کی ذات بابرکات کے ساتھ صحابہ کرام کی وہ والہانہ محبت بھی اجاگر ہوتی ہے کہ جب ان کے سامنے آپ کے فراق کا تذکرہ ہوتا تو وہ بے اختیار رو پڑتے تھے۔[1]

اب حوض کوثر پر ملیں گے

رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام ؓ کو بر سر منبر اپنی وفات کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

''میں حوض پر تمھارا پیش رو ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں گا۔ اب حوض پر ملیں گے۔ میں اس وقت اس جگہ سے اپنے سامنے حوض کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ خدشہ نہیں کہ تم شرک کرو گے بلکہ مجھے تمھارے بارے میں یہ خوف لاحق ہے کہ تم دنیا کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگو گے۔''

حدیث کے راوی سیدنا عقبہ ؓ کہتے ہیں: یہ آخری موقع تھا کہ میں نے آپ ﷺ کا دیدار کیا۔ اس کے بعد میں آپ ﷺ کو دیکھ نہ سکا۔[2]

میں اپنے رب سے ملاقات اور جنت کو اختیار کر چکا ہوں

رسول اللہ ﷺ صفر کے مہینے کے آخری ایام میں آدھی رات کو قبرستان بقیع الغرقد تشریف لے گئے اور اپنے آسودۂ خاک ساتھیوں کے لیے استغفار کیا۔

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابو مویہبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے آدھی رات کے وقت بلوایا اور فرمایا:

[illegible]

''ابو مویہبہ! مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں بقیع والوں کے لیے دعائے مغفرت کروں، تم میرے ساتھ چلو۔''

میں آپ ﷺ کے ساتھ چل دیا۔ جب آپ ﷺ ان کی قبروں کے درمیان کھڑے ہوئے تو فرمایا:

[illegible]

[illegible]

1 [illegible] ص 38۔ 2 صحیح البخاری 4042، صحیح مسلم 2296۔

”اے اہلِ قبور! تم پر سلامتی ہو، لوگوں کی نسبت جس حالت میں تم ہو، تمہیں وہ حالت مبارک ہو۔ فتنے اس طرح سامنے آ گئے ہیں جس طرح تاریک رات کے ٹکڑے، ہر دوسرا فتنہ پہلے فتنے کے پیچھے لپکا چلا آ رہا ہے اور ہر دوسرا فتنہ پہلے سے زیادہ پرفتن ہے۔“

ابومویہبہ کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے:

[illegible]

”ابومویہبہ! مجھے ایک طرف دنیا بھر کے خزانوں کی کنجیاں، ہمیشہ کی زندگی اور آخر میں جنت پیش کی گئی اور دوسری طرف رب ذوالجلال سے ملاقات اور جنت رکھی گئی۔ پھر اختیار دے دیا گیا کہ دونوں سے جو چاہوں لے لوں۔“

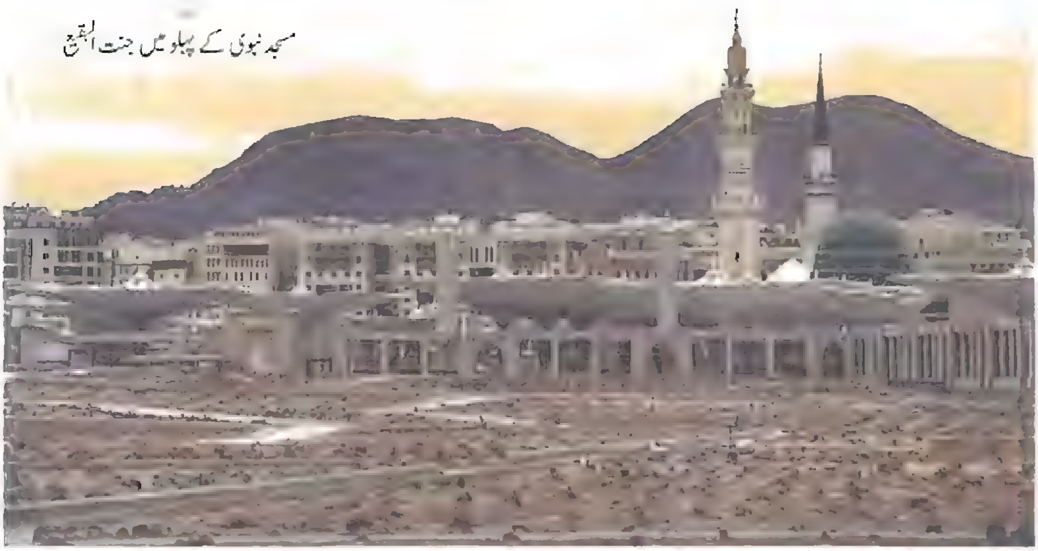
سیدنا ابومویہبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”آپ ﷺ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! آپ دنیا کے خزانے اور بقائے دوام کے ساتھ جنت لے لیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

”نہیں، اللہ کی قسم! اے ابومویہبہ! میں نے اللہ رب العزت سے ملاقات اور جنت کو اختیار کر لیا۔“

پھر آپ ﷺ نے اہلِ بقیع کے لیے دعائے مغفرت کی اور واپس تشریف لے آئے۔ بقیع سے واپسی ہی پر

مسجد نبوی کے پہلو میں جنت البقیع



آپ ﷺ کا وہ مرض شروع ہو گیا جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی طرف بلا لیا۔[1]

سیدہ فاطمہ ؓ کو اپنی وفات سے مطلع فرمایا

سیدہ عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ ہم سب بیویاں رسول اللہ ﷺ کے پاس اکٹھی تھیں۔ اتنے میں سیدہ فاطمہ ؓ آ گئیں۔ اللہ کی قسم! ان کی چال ٹھیک رسول اللہ ﷺ کی چال سے مشابہ تھی۔ جب آپ ﷺ نے انھیں دیکھا تو فرمایا: [illegible] ''میری بیٹی خوش آمدید!'' پھر آپ نے انھیں اپنے دائیں یا بائیں بٹھا لیا۔ اس کے بعد ان کے کان میں کوئی بات کہی تو وہ رونے لگیں۔ جب آپ نے ان کا غم دیکھا تو دوبارہ سرگوشی کی، اس پر وہ ہنسنے لگیں۔ میں نے فاطمہ سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے سب کو چھوڑ کر صرف آپ سے راز کی بات کی ہے۔ پھر آپ کیوں رو رہی ہیں؟ جب نبی اکرم ﷺ اٹھے تو میں نے ان سے پوچھا: بتائیں تو سہی، رسول اللہ ﷺ نے آپ سے چپکے چپکے کیا فرمایا تھا؟ انھوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی راز کی بات افشا نہیں کروں گی۔

جب آپ ﷺ وفات پا گئے، اس وقت میں نے ان سے کہا: آپ پر میرا جو حق ہے، اس حوالے سے پوچھتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس روز آپ سے کیا فرمایا تھا؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! اب وہ بات بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں، پھر بتانے لگیں: جب آپ ﷺ نے پہلی بار میرے کان میں بات کی تو یہ فرمایا تھا:

[illegible]

''جبریل ؑ ہر سال مجھ سے قرآن پاک کا ایک بار دور کیا کرتے تھے، اس سال انھوں نے دو بار دور کیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ میری موت قریب ہے۔ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہنا اور صبر کرنا۔ میں تمھارے لیے آخرت میں اچھا پیش رو ہوں گا۔''

اس وقت میرا رونا جو آپ نے دیکھا تھا، اس کی وجہ یہی تھی۔ جب آپ ﷺ نے میری پریشانی دیکھی تو پھر مجھ سے سرگوشی کی اور فرمایا

[illegible]

1 مسند أحمد 3/489، المستدرك للحاكم 3/56، المعجم الكبير للطبراني 22/346,347، مجمع الزوائد للهيثمي 9/24، [illegible] 79

’’اے فاطمہ! کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ تم سب مسلمانوں کی عورتوں یا یوں فرمایا کہ اس امت کی عورتوں کی سردار ہوگی؟‘‘

آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر میں ہنسنے لگی جیسا کہ آپ نے دیکھا تھا۔[1]

اپنے بعد فوت ہونے والی پہلی زوجہ کے متعلق پیش گوئی

نبی اکرم ﷺ نے جس طرح اپنی وفات کی خبر دی، اسی طرح آپ نے مختلف لوگوں کی وفات کی بھی خبر دی۔ ازواج مطہرات میں سب سے پہلے انتقال کرنے والی زوجہ مطہرہ کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ خاتون ہوگی جن کا ہاتھ لمبا ہوگا۔ سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أسرعكن لحاقا بي أطولكن يدا» قالت: فكن يتطاولن أيتهن أطول يدا، قالت: فكانت أطولنا يدا زينب، لأنها كانت تعمل بيدها وتصدق.

’’تم میں سب سے پہلے مجھ سے وہ (بیوی) آملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے۔‘‘ سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں: ’’ازواج مطہرات ؓ اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں، حالانکہ سیدہ زینب ؓ کے ہاتھ لمبے تھے کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں سے کماتیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتی تھیں۔‘‘[2]

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں: جب سرور دو عالم ﷺ کے بعد سب سے پہلے سیدہ زینب ؓ کا انتقال ہوا تو اس وقت ہمیں ہاتھ لمبے ہونے کا مطلب سمجھ آیا کہ اس سے مراد کثرت کے ساتھ صدقہ و خیرات کرنا ہے، یعنی صدقہ و خیرات کرنے میں کس زوجہ محترمہ کا ہاتھ لمبا ہے۔[3]

ام ورقہ ؓ کی شہادت کی خبر

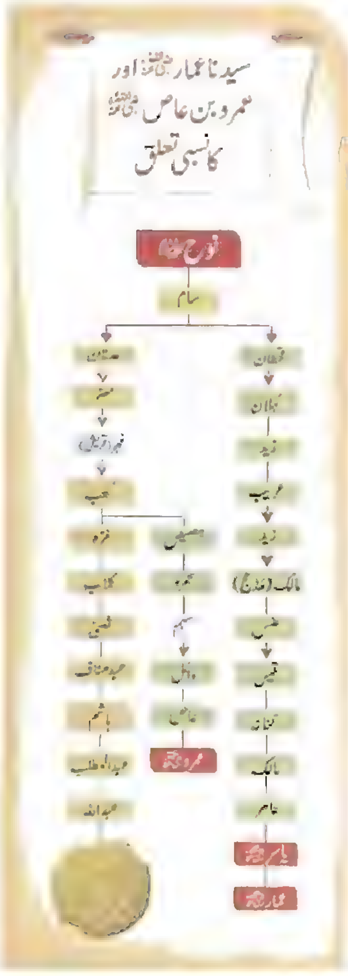
ام ورقہ بنت نوفل ؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہونے لگے تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے بھی اپنے ساتھ جانے کی اجازت دیجیے۔ میں بیماروں اور زخمیوں کی تیمارداری کروں گی۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت نصیب فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’گھر ہی میں رہو۔ اللہ تعالیٰ تمھیں شہادت نصیب کرے گا۔‘‘ اس لیے انھیں زندگی ہی میں شہیدہ کہا جاتا تھا، پھر ہوا یوں کہ انھوں نے اپنے ایک غلام اور لونڈی کے بارے میں اعلان کر دیا کہ میری موت کے بعد یہ آزاد ہوں گے۔ ان دونوں نے فوراً آزاد ہونے

1 صحيح البخاري: 6285، 6286، صحيح مسلم: 2450 (98، 99). 2 صحيح البخاري: 1420، صحيح مسلم: 2452 واللفظ له. 3 صحيح البخاري: 1420.

کی خواہش سے مغلوب ہو کر رات کے وقت ان کے منہ میں انھی کی چادر ٹھونس کر انھیں شہید کر دیا اور فرار ہو گئے۔ صبح جب یہ خبر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے اعلان فرمایا: ''جس شخص کو اس غلام اور لونڈی کے بارے میں کوئی علم ہو یا جس نے انھیں دیکھا ہو تو وہ انھیں لا کر پیش کرے۔'' آخر انھیں پکڑ لیا گیا اور سولی پر لٹکا دیا گیا۔ مدینہ منورہ میں سولی دیے جانے کا یہ پہلا واقعہ تھا۔[1]

بیہقی کی روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''رسول اللہ ﷺ کا فرمان یقیناً سچ ہے۔ آؤ ہم شہیدہ کی زیارت کرتے ہیں۔'' ام ورقہ رضی اللہ عنہا نے قرآن مجید حفظ کیا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں یہ اجازت بھی دے رکھی تھی کہ اپنے گھر میں اذان کے لیے مؤذن اور عورتوں کی جماعت کا اہتمام کیا کریں۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر



خندق کی کھدائی کے دوران صداقت نبوت کا اظہار و اعلان اس طرح بھی ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیش گوئی کی۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اس ہستی نے خبر دی جو مجھ سے بہتر ہے۔ جب عمار رضی اللہ عنہ خندق کھود رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے سر کو جھاڑتے ہوئے فرمایا:

''ابن سمیہ کو تجھ پر بڑی مصیبت لاحق ہوگی۔ (اے عمار!) تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔''

یاد رہے کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں لڑتے ہوئے شہید کر دیے گئے تھے۔

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے قاتل کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انھیں ابو الغادیہ المزنی نے قتل کیا تھا۔ یہ اپنی کنیت سے مشہور تھا۔ اس کا نام مسلم یا یسار تھا۔ اس نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو نیزہ مار کر شدید زخمی کر دیا۔ وہ زمین پر گرے تو ایک اور شخص نے ان کی گردن کاٹ

1 [illegible] 591 [illegible] 6/405۔

ڈالی۔ پھر دونوں جھگڑنے لگے۔ دونوں کا دعویٰ یہ تھا کہ اس نے سیدنا عمار کو قتل کیا ہے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا:

واللہ إن تختصمان إلا في النار.

اللہ کی قسم! یہ دونوں جہنم کی آگ کے لیے جھگڑ رہے ہیں۔''

اللہ کی قسم! میری تمنا ہے، کاش! میں آج سے بیس سال قبل فوت ہو چکا ہوتا (اور یہ الم انگیز منظر نہ دیکھتا)۔

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ربیع الاول یا ربیع الثانی 37 ھ میں شہید ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر 93 یا 94 سال تھی۔[1]

حسین رضی اللہ عنہ فرات کے کنارے شہید کیے جائیں گے

شط العرب (عراق) کے آثار



دریائے فرات (عراق)



علی رضی اللہ عنہ شط العراق میں تھے کہ انھوں نے بتایا: میں ایک دن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا کسی نے آپ کو تکلیف پہنچائی ہے؟ آپ کی آنکھوں سے آنسو کیوں بہہ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

بل قام من عندي جبريل قبل فحدثني أن الحسين يقتل بشط الفرات.

''نہیں کوئی بات نہیں بلکہ جبریل علیہ السلام ابھی میرے پاس سے اٹھ کر گئے ہیں۔ انھوں نے مجھے بتایا ہے کہ حسین فرات کے کنارے شہید ہوں گے۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

هل لك إلى أن أشمك من تربته؟

''کیا میں تمھیں اس مٹی سے حسین کی بو نہ سنگھاؤں؟''

میں نے کہا: جی ہاں! پھر آپ ﷺ نے زمین سے مٹی کی ایک مٹھی بھری اور مجھے دے دی، (جب میں نے اس میں سے حسین کی بو محسوس کی) تو میں اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا اور میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔[2]

1 أسد الغابة 3/312، تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 4/359، 7/287۔ 2 مسند احمد 1/85

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تنہائی میں انتقال کریں گے

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک میں شرکت کے لیے جا رہے تھے کہ ان کا اونٹ تھک کر سست پڑ گیا۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنا سامان اپنی ہی پشت پر لادا اور پیدل چل پڑے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ ایک جگہ پڑاؤ ڈال چکے تھے۔ ایک شخص نے دیکھا کہ دور سے ایک آدمی پیدل چلا آ رہا ہے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو مطلع کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کرے یہ ابوذر ہو۔'' جب یہ قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ ابوذر پر رحم فرمائے۔ یہ اکیلا ہی چلتا ہے، اکیلا ہی وفات پائے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔'' چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ مدینہ سے باہر ربذہ میں مقیم تھے کہ وہیں انتقال فرما گئے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ عراق سے مکہ مکرمہ جا رہے تھے۔ انھوں نے راستے میں ابوذر رضی اللہ عنہ کا جنازہ دیکھا تو رو پڑے۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی یاد آ گیا کہ ابوذر اکیلے ہی فوت ہوں گے اور اکیلے ہی اٹھائے جائیں گے۔ انھوں نے نماز جنازہ پڑھی اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی تدفین کی۔[1]

جھوٹے نبیوں کے نمودار ہونے کی پیش گوئیاں

10ھ کے اواخر میں جب رسول اللہ ﷺ نے حج کیا اور مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو لوگوں کے کانوں میں ارتداد کی آواز پہنچنے لگی اور اس کی چنگاری راکھ کے نیچے بھڑکنے لگی۔ سانپ سوراخوں سے اپنے سر نکالنے لگے۔ جن کے دلوں میں مرض تھا انھیں خروج کی جرأت ہونے لگی۔ چنانچہ اسود عنسی یمن میں، مسیلمہ کذاب یمامہ میں اور طلیحہ اسدی اپنے علاقے میں اٹھ کھڑے ہوئے۔[2] اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب اسلام کے لیے بہت بڑا خطرہ بن گئے، یہ اپنے ارتداد پر ڈٹ گئے اور انھیں زبردست فوجی قوت حاصل ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے بارے میں اپنے نبی ﷺ کو ایک خواب دکھایا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں اور پھر آپ ﷺ کے بعد آپ کی امت کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ ایک دن منبر پر خطبہ دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! مجھے شب قدر دکھائی گئی، پھر مجھے بھلا دیا گیا اور میں نے اپنے دونوں بازوؤں میں سونے کے دو کنگن دیکھے، مجھے یہ بات ناگوار گزری، پھر پھونک ماری تو وہ دونوں کنگن اڑ گئے۔ میں نے اس کی تعبیر دو جھوٹوں سے کی۔ (ایک) یمن والا (اسود عنسی) اور (دوسرا) یمامہ والا (مسیلمہ کذاب)۔''[3]

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 3/445، 9/479-484۔ 2 الطبقات لابن سعد: 2/192، تاریخ الدعوة إلى الإسلام في عهد ... محمد هادی، ص: 270، عمدة الصحابة ... المعتقد، ص: 109۔ 3 حرکة الردة، ص: 65۔

ہمارے قریبی زمانے میں انگریزوں کا ایجنٹ مرزا غلام احمد قادیانی بھی ایسے ہی کذاب لوگوں میں سے تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان جھوٹے مدعیان نبوت کے ظہور کی خبر دیتے ہوئے فرمایا تھا: ''قیامت سے پہلے تیس کذاب اور دجال پیدا ہوں گے، ان میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔''[1]

فتنہ انکار حدیث کی پیشگی اطلاع

عصر حاضر کے فتنوں میں سے ایک اہم فتنہ انکار حدیث کا ہے، جس کے ڈانڈے مستشرقین کے ساتھ ملتے ہیں۔ اس لیے کہ حدیث نبوی کی جمع وتدوین پر سب سے پہلے انھی نے شکوک وشبہات کا اظہار کیا تھا۔ اس سلسلے میں گولڈ زیہر (Gold Ziher) کی تصانیف میں علی الاعلان انکار حدیث کے مضامین موجود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے متعدد ارشادات میں اس انکار حدیث کے فتنے کی بھی خبر دی تھی۔ ارشاد گرامی ہے:

''میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو اور اس کے پاس میرے کاموں میں سے کوئی کام، جسے کرنے کا میں نے حکم دیا یا منع کیا ہو بیان کیا جائے تو وہ کہے: ہم نہیں جانتے، ہم تو جو کچھ قرآن میں ہے اسی کو مانتے ہیں۔''[2]

قدریہ سے متعلق پیش گوئی

قدریہ کا گروہ پہلی صدی ہجری میں اس وقت ظاہر ہوا جب مسلمانوں نے عجمی علاقے اور غیر عربی ممالک فتح کیے، معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس قسم کی تحریک پہلے ہی موجود تھی۔ ''قدریہ'' کا یہ عقیدہ تھا کہ ''تقدیر'' وغیرہ کچھ نہیں ہے، جو کچھ انسان کر لیتا ہے، وہی اس کی تقدیر ہوتی ہے۔ جب صحابہ کرام کے سامنے ان کے یہ عقائد وخیالات آئے تو انھوں نے نہ صرف یہ کہ ان کے ان خیالات کی تردید کی، بلکہ انھوں نے یہ بھی بتلایا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس فرقے کے ظہور کی خبر دیتے ہوئے فرمایا تھا:

''تم لوگ ''اہل قدر'' کے ساتھ نہ بیٹھو نہ ان کے ساتھ بحث ومناظرے کی ابتدا کرو۔''[3]

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''قدریہ اس امت کے مجوس ہیں، اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو، اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازے میں بھی شامل نہ ہونا۔''[4]

1 جامع الترمذي: 2218. 2 سنن أبي داود: 4605,4604، جامع الترمذي: 2666,2665، سنن ابن ماجه: 21
3 سنن أبي داود: 4710. 4 سنن أبي داود: 4691.

بنو ثقیف سے کذاب اور مبیر کے ظہور کی اطلاع

عہد صحابہ اور عہد تابعین میں جو فتنے اٹھے، ان میں دو افراد نے بڑا نام پیدا کیا۔ ان میں سے ایک حجاج بن یوسف اور دوسرا مختار بن ابی عبید ثقفی ہے، یہ دونوں بنو ثقیف سے تعلق رکھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں بھی (نام لیے بغیر) امت کو خبردار کر دیا تھا، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"بنو ثقیف میں ایک کذاب اور ایک مبیر (خون ریزی کرنے والا) ہوگا۔"

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کذاب تو مختار بن ابی عبید ہے اور خون ریزی کرنے والا حجاج بن یوسف۔ امام ترمذی نے ہشام بن حسان کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس نے جن لوگوں کو قتل کیا، ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔[1]

قیامت تک پیش آنے والے واقعات کی اطلاع

نامور صحابی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے نماز عصر پڑھائی، پھر آپ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ نے قیامت تک پیش آنے والی باتوں میں کوئی ایسی (اہم) بات نہ چھوڑی جس کی آپ ﷺ نے ہمیں خبر نہ دی ہو، جسے یاد رہا اس نے یاد کر لیا، جسے یاد نہ رہا وہ بھول گیا۔[2]

بحری جہاد کی پیش گوئی

نبی اکرم ﷺ کا عہد مبارک، مشرکوں، کافروں اور منافقوں کی سازشوں اور فتنہ گری کا زمانہ تھا۔ اس صبر آزما زمانے میں سان گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ مسلمان کبھی بحری جہاد کرنے کے قابل ہو جائیں گے، مگر آپ ﷺ نے سیدہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کو بحری جہاد کی خبر دیتے ہوئے فرمایا

"میں نے اپنی امت کے ان مجاہدوں کو دیکھا جو سمندر میں جہاد کے لیے سفر کریں گے اور جہازوں پر اس طرح بیٹھے ہوں گے جس طرح بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھتے ہیں۔ (مزید فرمایا کہ) وہ سب جنتی ہیں۔"

سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! دعا کیجیے کہ میں بھی ان میں سے ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے دعا فرما دی۔

1 جامع ترمذی 2220 2 جامع ترمذی 2191.

آپ ﷺ کا یہ فرمان عہد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں پورا ہوا، جب مسلمانوں نے قسطنطنیہ پر بحری راستے سے پہلا حملہ کیا اور سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کو نہ صرف اس میں شرکت کا شرف نصیب ہوا، بلکہ شہادت کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ [1]

حجاز سے عرب ملکوں کے قطع تعلق کی خبر

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''عراق نے اپنے درہم و قفیز [2]، شام نے اپنے درہم و دینار اور مصر نے بھی اپنے دینار روک لیے۔'' پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: ''تم ویسے کے ویسے ہی رہ گئے، جیسے شروع میں تھے۔'' [3] اس کا مطلب یہ تھا کہ حجاز (مکہ و مدینہ) اسلامی سلطنت کے باقی علاقوں سے کٹ جائے گا اور ان علاقوں میں جدا جدا مستقل حکومتیں قائم ہو جائیں گی۔

چنانچہ عہد بنو امیہ میں یہ پیش گوئی پوری ہو گئی جب دمشق میں سلطنت اموی کا قیام عمل میں آیا تو حجاز کو ان علاقوں سے نہ غلہ پہنچتا تھا، نہ نقدی۔ اس کے بعد بنو عباس کے زمانہ اقتدار میں ان علاقوں کی حکومتیں کامل طور پر خود مختار اور مرکز سے آزاد ہو گئیں اور اب تک اس صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

حجاز سے ایک بڑی آگ کا ظہور

اللہ کے رسول ﷺ نے جن علامات قیامت کی خبر دی ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ارض حجاز میں مدینہ طیبہ کے قریب ایک زبردست آگ بھڑکے گی۔ بعض علماء و مؤرخین نے وثوق سے لکھا ہے کہ یہ آگ 654ھ میں بھڑک چکی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس واقعے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ارض حجاز سے وہ عظیم آگ ظاہر ہو چکی ہے جس سے بُصریٰ (ملک شام کے شہر حوران) کے اونٹوں کی گردنیں روشن ہو گئی تھیں، جیسا کہ اس کا حدیث میں ذکر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سلسلے میں فرمایا تھا: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک ارض حجاز سے ایک ایسی آگ ظاہر نہ ہو جائے جس سے بُصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی۔'' [4]

کہا جاتا ہے کہ یہ آگ تین ماہ تک موجود رہی۔ یہ آگ اس قدر شدید تھی کہ مدینہ کی خواتین اس کی روشنی میں

1 صحيح البخاري :52/63، 218/2. 2 صحيح مسلم: 2896. 3 قفیز اہل عراق کے ماپنے کا ایک پیمانہ ہے جیسے ہمارے کلو اور من جیسے اوزان ہیں۔ 4 صحيح البخاري : 7118.

موت کا تذکرہ کرتی تھیں۔"[1]



جبل محروق (حرہ) نزد قبا

علامہ ابوشامہ اس واقعے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جمادی الآخرہ 654ھ کی تین تاریخ اور بدھ کی رات تھی، جب مدینہ منورہ میں ایک ہولناک گونج سنائی دی، اس کے بعد زلزلہ آیا، اس زلزلے نے زمین ہی نہیں دیواروں، چھتوں، لکڑیوں اور دروازوں تک کو ہلا کر رکھ دیا۔ یہ سلسلہ ماہ مذکور میں بدھ کی رات سے شروع ہو کر جمعۃ المبارک کے دن تک جاری رہا۔ پھر اس کے بعد ایک عظیم آگ مدینہ کے مقام حرہ میں، جو بنو قریظہ کے قریب تھا، ظاہر ہوئی۔ یہ آگ ہمیں مدینہ میں اپنے گھروں میں بیٹھے بیٹھے نظر آ رہی تھی۔ ہمیں یوں محسوس ہوا کہ یہ ہمارے قریب ہی موجود ہے۔ مدینہ کی وادیاں اس آگ سے بھر گئیں۔ آگ وادی شظا کی جانب یوں چل رہی تھی جس طرح پانی بہتا ہے۔ یہ آگ بلند و بالا عمارات جتنی اونچی اونچی بڑی بڑی چنگاریاں پھینک رہی تھی۔[2]

غزوۂ ہند کی خبر

ہندوستان دنیا کے اہم ترین خطوں میں سے ایک ہے، جہاں محمد بن قاسم، سلطان شہاب الدین غوری اور سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ اور دیگر کئی مسلمان حکمرانوں نے متعدد بار جہاد کیا اور بہت سے علاقے فتح کیے۔ جہاد ہند کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک امام نسائی نے یوں نقل کیا ہے:

عصابتان من أمتي أحرزهما الله من النار: عصابة تغزو الهند، وعصابة تكون مع عيسى ابن مريم عليهما السلام

"میری امت میں سے دو جماعتوں کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے آزاد فرما دیا ہے۔ ایک وہ جماعت جو ہندوستان پر حملہ کرے گی اور دوسری وہ جماعت جو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ (مل کر دجال سے نبرد آزما) ہوگی۔"[3]

ترکوں سے جنگ

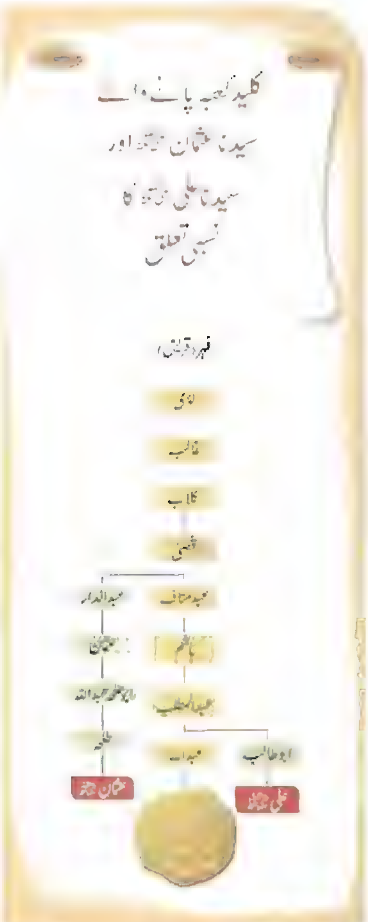
ترکوں کے ساتھ جنگ کی خبر دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

1 البدایہ والنہایہ 13/199 2 التذکرہ، ص 27 3 سنن النسائی 3177

لا تقوم الساعة حتى تقاتلوا الترك صغار الأعين حمر الوجوه ذلف الأنوف كأن وجوههم المجان المطرقة

''اس وقت تک قیامت برپا نہ ہوگی جب تک تم ان ترکوں سے جنگ نہ کرو گے جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی، چہرے سرخ، ناک چپٹی اور چہرے ایسی ڈھالوں کی طرح چوڑے ہوں گے جن پر چمڑا لگا ہوا ہوتا ہے۔''[1]

یہ معرکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں خلافت بنو امیہ کے اوائل میں ہوا۔ اس میں فرزندان اسلام نے نہ صرف ترکوں کو شکست دی بلکہ ان سے مال غنیمت بھی حاصل کیا۔



کلیدِ کعبہ خاندان بنوشیبہ کی تولیت میں رہنے کی بشارت

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کی کنجی منگوائی۔ خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہوئے۔ کعبہ کی کنجی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ کنجی ہمیں عطا فرما دیں تاکہ سقایت و حجابت اکٹھی ہو جائے، یعنی لوگوں کو زم زم کا پانی پلانے کے ساتھ ساتھ بیت اللہ کی دربانی کا شرف بھی ہمیں نصیب ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أين عثمان بن طلحة؟ ''عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟''

عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

هاك مفتاحك يا عثمان! اليوم يوم بر ووفاء

''اے عثمان! یہ لو اپنی چابی، آج نیکی اور ایفائے عہد کا دن ہے۔''[2]

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خذوها يا بني أبي طلحة خالدة تالدة لا ينزعها منكم إلا ظالم

''اے ابوطلحہ کے بیٹے! یہ چابی ہمیشہ کے لیے لے لو، اسے تم سے صرف کوئی ظالم ہی چھینے گا۔''[3]

1 صحیح البخاري: 2928، صحیح مسلم: 2912. 2 السيرة لابن هشام: 55/4. 3 الطبقات لابن سعد: 13/2.

اس دن سے آج تک بیت اللہ کی چابی بنو شیبہ ہی کے پاس چلی آ رہی ہے۔ اور اللہ کے حکم سے قیامت تک انھی کی تحویل میں رہے گی۔

مسلمانوں میں باہم کشت و خون کی خبر

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا تقوم الساعة حتى تقتتل فئتان عظيمتان، تكون بينهما مقتلة عظيمة، دعواهما واحدة"

''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک مسلمانوں کی دو بڑی جماعتیں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا نہ ہوں۔ ان کے درمیان بہت قتل و غارت ہوگی اور ان دونوں کا دعویٰ ایک ہی ہوگا۔''[1]

چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت اور اس کے بعد والے دور میں اس حدیث مبارکہ کی صداقت جس قدر وضاحت سے سامنے آئی وہ محتاج بیان نہیں۔

مساجد کی خوب تزئین و آرائش کی جائے گی

رسول اللہ ﷺ نے پیش گوئی فرمائی کہ مساجد میں ضرورت سے زیادہ تزئین و آرائش ہوگی اور اس پر فخر کیا جائے گا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا تقوم الساعة حتى يتباهى الناس في المساجد" ''اس وقت تک قیامت برپا نہ ہوگی جب تک لوگ مسجدوں پر فخر نہ کرنے لگیں۔''[2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے: ''تم اپنی مساجد کی تزئین و آرائش کرو گے جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنی عبادت گاہوں کو مزین کیا ہے۔''[3] آج ہمارے زمانے میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔

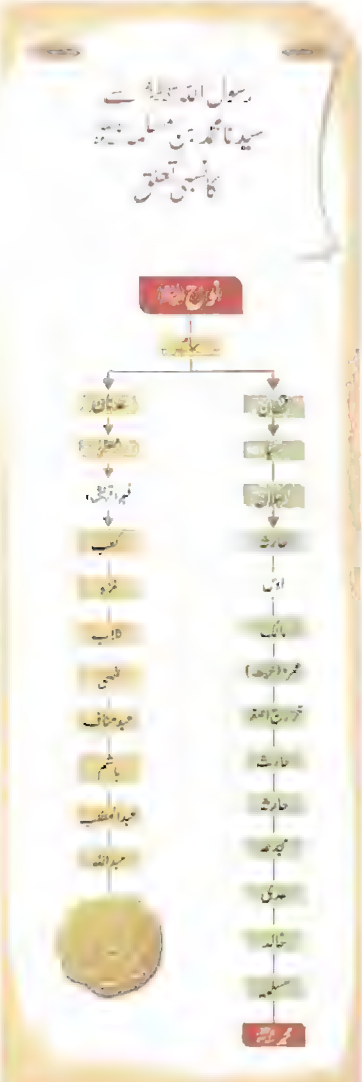
گھروں میں بلا ضرورت پردے لٹکانے کی پیش گوئی

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک وقت ایسا آئے گا کہ تمھارے پاس فالتو چادریں ہوں گی۔ تم صبح ایک جوڑا پہنو گے اور شام کو دوسرا پہنو گے۔ اپنے گھروں میں پردے لٹکاؤ گے جس طرح کعبہ پر غلاف چڑھائے جاتے ہیں۔ تم اس دن کے مقابلے میں آج بہتر ہو۔''[4] یہ آنکھوں دیکھی بات ہے، آج ہمارے زمانے میں عموماً ایسا ہی ہو رہا ہے۔

1 صحیح مسلم، 157، بعد حدیث: 2888. 2 سنن ابی داود: 449، سنن النسائی: 690، سنن ابن ماجہ: 739
3 صحیح ابن حبان: 4/493، حدیث: 1615. 4 جامع الترمذی: 2476.

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچائے گا

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہر شخص کے بارے میں فتنے میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہے سوائے محمد بن مسلمہ کے کیونکہ ان کے لیے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا: ''تمھیں کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔'' سیدنا ثعلبہ بن ضبیعہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم مدینہ منورہ آئے، وہاں ایک خیمہ لگا ہوا تھا۔ اس میں محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے ان سے خیمہ لگانے کا سبب پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: ''جب تک مسلمانوں کی جماعت فتنے سے پاک نہیں ہو جاتی، اس وقت تک میں مسلمانوں کے کسی شہر میں قیام نہیں کروں گا۔''[1]



کتے بھونکیں گے

قیس بن ابی حازم سے روایت ہے، انھوں نے کہا: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنو عامر کے علاقے میں گئیں تو وہاں کے کتے بھونکنے لگے۔ پوچھا: ''یہ کونسا چشمہ ہے؟'' لوگوں نے کہا: حوأب! انھوں نے فرمایا: ''میرا خیال ہے مجھے واپس چلنا چاہیے۔'' سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ بولے: نہیں! بلکہ آپ کو چلتے رہنا چاہیے۔ ممکن ہے لوگ آپ کو دیکھ کر صلح کی طرف مائل ہو جائیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''نہیں، میں سمجھتی ہوں مجھے واپس جانا چاہیے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''تم میں سے اس بیوی کا کیا حال ہوگا جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے؟''[2]

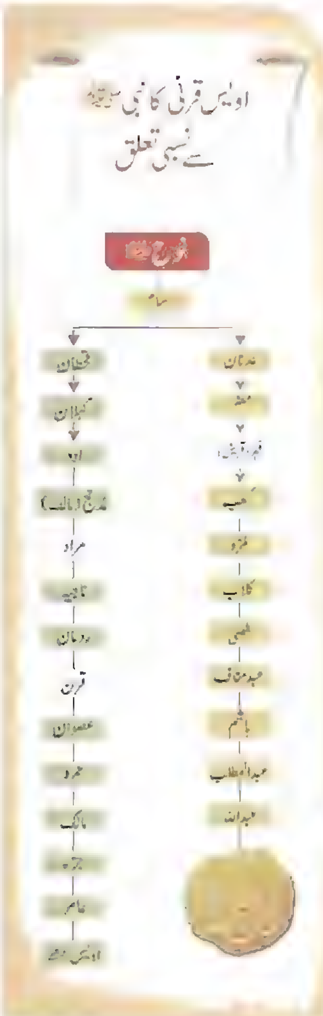
فتح مصر کی پیش گوئی

سیدنا کعب بن مالک، عمرو بن عاص، ابوذر اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1 سنن أبي داود: 4663، 4665، المستدرك للحاكم: 434/3، تهذيب الخصائص للسيوطي، حديث: 413 2 مسند أحمد: 52/6، 57، تهذيب الخصائص للسيوطي، حديث: 414

''جب مصر فتح ہو تو قبطیوں سے اچھا سلوک کرنا، انھیں اللہ اور اس کے رسول کی پناہ حاصل ہے اور تمھارے ساتھ ان کی رشتے داری بھی ہے۔'' آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی والدہ سیدہ ماریہ قبطیہ ؓ انھی میں سے ہیں۔ ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں:

إن الله سيفتح عليكم مصر، فاستوصوا بقبطها خيرا، فإن لكم منهم صهرا وذمة.



''اللہ تعالیٰ تمھارے لیے مصر فتح فرمائے گا۔ قبطیوں سے اچھا سلوک کرنا کیونکہ تمھاری ان سے رشتے داری بھی ہے اور وہ تمھارے ذمی بھی ہیں۔''[1]

اویس قرنی سے دعا کرانے کی تاکید

سیدنا عمر بن خطاب ؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''تابعین میں سے ایک بہترین شخص ہے۔ اُسے اُویس کہا جاتا ہے۔ اس کی والدہ (حیات) ہوگی۔ اس کے جسم پر ایک درہم کے بقدر پھلبہری کا نشان ہوگا۔ اسے کہنا کہ وہ تمھارے لیے مغفرت کی دعا کرے۔''

سیدنا عمر بن خطاب ؓ ہی سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''یمن سے آنے والے امدادی لشکروں میں تمھارے پاس اویس بن عامر آئے گا جس کا تعلق بڑے قبیلے مراد اور چھوٹے قرن سے ہوگا۔ اسے پہلے دور میں پھلبہری رہی ہوگی۔ ایک درہم کے بقدر جگہ کے علاوہ باقی ٹھیک ہو چکی ہوگی۔ وہ اپنی والدہ سے بہت حسن سلوک کرنے والا ہوگا۔ اگر وہ اللہ پر قسم ڈال دے تو اللہ اسے پورا کرے گا۔ اگر تم اس سے اپنے لیے دعائے مغفرت کرا سکو تو ضرور کرانا۔'' پھر ایسا ہی ہوا۔ انھوں نے عمر ؓ کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔[2]

1 صحیح مسلم: 2543، مسند احمد: 174/5، المعجم الکبیر: 61/19، حدیث: 111-113، سنن بیہقی ...
2 صحیح مسلم، حدیث: 2542.

رسول کریم ﷺ کی مقبول دعائیں

کسی شخص کے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کی دعا رد نہ کی جاتی ہو۔ مختلف زمانوں سے تعلق رکھنے والی ”غیبی خبروں“ کے علاوہ آپ ﷺ کا ایک معجزہ آپ ﷺ کی دعاؤں کی قبولیت بھی ہے۔ شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں ایسے شخص کو ”مستجاب الدعوات“ کہا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تواتر کے ساتھ ایسی احادیث مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر دعا قبول ہوتی تھی اور یہ کہ دعاؤں کی قبولیت اور ان کے حسب منشا اثرات وثمرات کے ظہور کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس انسانیت کی پوری تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے مختلف موقعوں پر جو دعائیں مانگیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جلد یا بدیر ان کے حسب منشا نتائج ضرور ظاہر ہوئے۔ ان میں سے چند ایک کی تفصیل حسب ذیل ہے:

قریش مکہ پر عذاب دور ہونے کی دعا

قریش مکہ نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو ستانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی، اس لیے ان کی ہدایت کے لیے اب ایک ہی راستہ تھا کہ ان پر کوئی ایسا ادنیٰ سا عذاب آئے جو انھیں خواب غفلت سے جگا دے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے قریش مکہ کے بارے میں سیدنا یوسف علیہ السلام کے زمانے میں آنے والی خشک سالی کی طرح کی خشک سالی اور غلے میں کمی کی دعا کی۔ یہ دعا قبول ہوئی اور اہل مکہ سخت ترین قحط سالی میں مبتلا کر دیے گئے حتی کہ انھوں نے اس عرصے میں سوکھے چمڑے تک کھائے (جس طرح قریش مکہ کے تین سالہ سماجی و معاشی مقاطعہ کے زیر اثر خاندان بنو ہاشم پر ایسا ہی دور ابتلا آیا تھا)۔ جب وہ آسمان کی طرف دیکھتے تو انھیں دھواں سا نظر آتا۔ پھر جب یہ عذاب حد سے بڑھا تو انھوں نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے ان کی آہ و زاری سے متاثر ہو کر دعا مانگی۔ یہ دعا قبول ہوئی۔ پورے علاقے پر اسی وقت بارش ہوئی اور قحط سالی جاتی رہی۔[1]

[1] صحیح البخاری، 4821.

رسول اللہ ﷺ کی بددعا کا اثر

قریش انتہائی سفاک اور ننگِ انسانیت لوگ تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو طرح طرح کی تکالیف دیتے تھے اور پھر آپ کو بے چارگی کی حالت میں پریشان ہوتے دیکھ کر ہنستے اور آپ کا مذاق اڑاتے تھے۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نماز ادا کر رہے تھے۔ دوسری طرف قریش کی مجلسیں بھی گرم تھیں۔ ابوجہل اور اس کے ساتھی بھی وہاں موجود تھے۔ ابوجہل کہنے لگا: کیا تم اس ریاکار کو نہیں دیکھتے؟ فلاں شخص نے اونٹنی ذبح کی ہے، کون ہے جو اس اونٹنی کا گوبر، خون اور اونٹنی کی جھلی (آنول) کو اٹھا لائے، پھر انتظار کرے اور جونہی محمد (ﷺ) سجدے میں جائے تو یہ بچہ دانی اس کے کندھوں پر لاد دے؟ عقبہ بن ابی معیط کہنے لگا: یہ کام میں کروں گا، چنانچہ وہ بدبخت یہ سب غلاظت بھری چیزیں اٹھا لایا اور آپ ﷺ کے مبارک کندھوں پر رکھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ اس بوجھ کی وجہ سے سجدے ہی کی حالت میں ٹھہرے رہے۔ کفار قریش آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر ہنسنے اور آپ ﷺ کا مذاق اڑانے لگے۔ وہ اس قدر بے تحاشا ہنس رہے تھے کہ ہنستے ہنستے بے اختیار ایک دوسرے پر گر رہے اور لوٹ پوٹ ہوئے جا رہے تھے۔ کسی نے اس اذیت ناک صورتحال کی اطلاع سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دی۔ وہ ابھی چھوٹی سی بچی ہی تھیں۔ بھاگی بھاگی آئیں، انھوں نے آپ ﷺ کے کندھوں سے گندگی اتاری اور غم و غصے کی حالت میں کفار کو برا بھلا کہنے لگیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اس موقع پر قریش کے مقابلے میں اپنی کمزوری کی وجہ سے کچھ نہ کر سکا۔ کاش! میں آپ ﷺ کی کچھ مدد کر سکتا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز مکمل کر لی تو آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور تین مرتبہ فرمایا:

[illegible]

"اے اللہ! ان قریشیوں سے تو خود نمٹ لے۔"

مشرکین نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ جملہ سنا تو ٹھٹھا کرتے کرتے اچانک ٹھٹک گئے اور خوفزدہ ہو گئے کیونکہ انھیں پورا یقین تھا کہ آپ ﷺ کی بددعا ضرور قبول ہوگی۔ پھر آپ ﷺ نے رؤسائے قریش کے سات افراد کے نام لے کر بددعا کی۔ ان کے نام یہ ہیں: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، ابوجہل بن ہشام، عقبہ بن ابی معیط، امیہ بن خلف۔ راوی کہتے ہیں کہ میں ساتواں نام بھول گیا ہوں۔ تاہم صحیح بخاری کے دیگر مقامات پر ساتویں قریشی کا نام عمارہ بن ولید بتایا گیا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں نے ان سب کو بدر کی

لڑائی میں مقتول پایا، پھر انھیں گھسیٹ کر بدر کے کنویں میں پھینک دیا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''کنویں والے اللہ کی رحمت سے دور کر دیے گئے۔''[1]

ثقیف کے حق میں دعائے خیر

رسول اللہ ﷺ طائف میں قیام کے دوران وہاں کے ہر بڑے آدمی کے پاس تشریف لے گئے اور ان لوگوں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دی لیکن کسی نے بھی آپ کی بات نہیں مانی۔ انھیں (آپ ﷺ کی طرف سے) اپنے نوجوانوں کے بارے میں یہ خدشہ لاحق ہو گیا، مبادا وہ آپ کی دعوت قبول کر کے آپ کا ساتھ دینا شروع کر دیں۔ اس لیے انھوں نے کہا: اے محمد! آپ ہمارے شہر سے نکل جائیں اور اس جگہ چلے جائیں جہاں آپ کو پذیرائی ملتی ہے۔[2] انھوں نے یہ بھی کہا کہ آپ کو آپ کے شہر والوں نے اور آپ کی قوم نے پسند نہیں کیا اور آپ کی دعوت قبول نہیں کی تو آپ ہمارے پاس چلے آئے۔ اللہ کی قسم! ہم آپ کی نبوت و رسالت کا انکار کرنے، آپ کی بات رد کرنے اور آپ سے برا سلوک کرنے میں (آپ کی قوم سے بھی) زیادہ سخت ہیں۔[3]

اس کے ساتھ ہی انھوں نے اپنے بیوقوفوں، شریروں اور غلاموں کو نبی ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ آپ کو برا بھلا کہنے اور آپ پر آوازیں کسنے لگے۔[4] وہ آپ ﷺ کے راستے میں دو صفیں بنا کر بیٹھ گئے۔ انھوں نے ہاتھوں میں پتھر پکڑ لیے۔ جب آپ ان کی صفوں کے درمیان سے گزرے تو انھوں نے سنگ باری شروع کر دی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ آپ کا مذاق بھی اڑاتے رہے۔[5]

سلیمان تیمی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو پتھر لگنے سے شدید اذیت ہوتی تو آپ زمین پر بیٹھ جاتے، وہ لوگ آپ کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر پھر کھڑا کر دیتے، جونہی آپ ﷺ چلتے تو وہ دوبارہ آپ پر پتھروں کی بارش کر دیتے۔ اور آپ کی تکلیف دیکھ کر خوب ہنستے تھے۔[6] پتھروں کی لگاتار ضرب سے رسول اللہ ﷺ کی دونوں ٹانگیں لہولہان ہو گئیں، آپ کے پائے مبارک خون سے رنگین اور جوتے خون سے بھر گئے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو آگے کر کے رسول اللہ ﷺ کو پتھروں سے بچاتے تھے۔ اس طرح ان کے سر پر بھی کئی زخم آئے۔[7]

طائف کے لوگ مسلسل رسول اللہ ﷺ کے پیچھے لگے رہے یہاں تک کہ انھوں نے آپ کو ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ یہ باغ ربیعہ کے دو بیٹوں عتبہ اور شیبہ کا تھا۔ طائف سے اس باغ کا فاصلہ تین میل (تقریباً پانچ

1 صحیح البخاري 520، 2934، 3185، صحیح مسلم 1794، السیرۃ لابن إسحاق 246/1. 2 الطبقات لابن سعد 212/1. 3 أنساب الأشراف 273/1. 4 السیرۃ لابن هشام 420/2. 5 دلائل النبوۃ للبیهقي 415/2، ودلائل النبوۃ لأبي نعیم 296/1. 6 سبل الهدی والرشاد 438/2. 7 الطبقات لابن سعد 212/1، [illegible] 267/1.

کلومیٹر) تھا۔[1] عتبہ اور شیبہ دونوں اس وقت باغ میں موجود تھے۔ وہاں سے بنو ثقیف کے وہ جاہل اور ظالم لوگ جو آپ کا پیچھا کر رہے تھے، واپس چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ انگور کی ایک بیل کے سائے تلے بیٹھ گئے۔ ربیعہ کے دونوں بیٹے آپ کو دیکھ رہے تھے۔ اہل طائف کے شریروں سے آپ کو جو تکلیف پہنچی، وہ اس کا بھی مشاہدہ کر رہے تھے۔[2] آپ ﷺ بے حد غمگین، پریشان اور شدید درد میں مبتلا تھے۔ آپ کی دونوں ٹانگوں سے خون بہہ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے باغ میں عتبہ اور شیبہ کو دیکھا تو ان کے پاس تشریف لے جانا گوارا نہ فرمایا کیونکہ انھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جو عداوت تھی، اسے آپ جانتے تھے۔[3]

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنو جمح (قریش کی ایک شاخ) کی عورت سے ملے۔ وہ بنو ثقیف کے تین سردار بھائیوں میں سے ایک کی زوجیت میں تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

[illegible]

”(دیکھو) ہمیں تمھارے دیوروں سے کس قدر تکلیف پہنچی ہے۔“

طائف کے کسی ایک مرد یا عورت نے بھی آپ کی دعوت پر لبیک نہ کہا۔[4] اہل طائف نے آپ کو جتنا ستایا اور جس قدر ایذائیں پہنچائیں، وہ مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں سے کہیں زیادہ تھیں۔ اسی مقام پر ایک دفعہ وعظ کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ کو اتنی شدید چوٹیں لگیں کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے، زید رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنی پیٹھ پر اٹھایا اور آبادی سے باہر لے گئے، پانی کے چھینٹے دیے تب آپ ﷺ کو ہوش آیا۔[5]

رسول اللہ ﷺ عتبہ و شیبہ کے باغ سے نکل کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔[6] چلتے چلتے آپ ﷺ قرن ثعالب پہنچے۔ یہ اہل نجد کا میقات ہے۔ اسے قرن المنازل بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مکہ سے 80 کلومیٹر اور طائف سے 53 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔[7] یہاں جو واقعہ پیش آیا، وہ حدیث میں اس طرح بیان ہوا ہے:

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: کیا آپ پر کوئی ایسا دن بھی آیا جو احد کے دن سے بھی زیادہ سخت تھا؟

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: ”تمھاری قوم کی طرف سے مجھے بہت تکلیفیں پہنچی ہیں، ان سب سے زیادہ سخت تکلیف مجھے عقبہ کے دن پہنچی تھی جب میں عبد یالیل بن عبد کلال کے بیٹے کے پاس گیا اور اسے

1 الرحیق المختوم، ص: [illegible]۔ 2 السیرۃ لابن ہشام: 420/2۔ 3 دلائل النبوۃ لابی نعیم: 296/1، دلائل النبوۃ للبیہقی: 415/2۔ 4 الطبقات لابن سعد: 212/1۔ 5 رحمۃ للعالمین: 93/1۔ 6 دلائل النبوۃ للبیہقی: 416/2۔ 7 [illegible]، ص: 254۔

دعوتِ اسلام دی مگر اس نے اسے قبول نہیں کیا۔ میں رنج وغم کی حالت میں اپنے رخ پر چل پڑا۔ مجھے قرن ثعالب (السیل الکبیر) پہنچ کر افاقہ ہوا۔ میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہے۔ میں نے غور سے دیکھا تو اس میں جبریل علیہ السلام تھے۔ انھوں نے مجھے آواز دی اور کہا:

إن الله عز وجل قد سمع قول قومك لك وما ردوا عليك، وقد بعث إليك ملك الجبال لتأمره بما شئت فيهم

''آپ کی قوم نے آپ سے جو کہا ہے اور آپ کو جو جواب دیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے۔ اب اس نے آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپ اسے ان کے بارے میں جو چاہیں حکم دیں۔''
پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی، سلام کیا اور کہا:

يا محمد! إن الله قد سمع قول قومك لك، وأنا ملك الجبال، وقد بعثني ربك إليك لتأمرني بأمرك، فما شئت، إن شئت أن أطبق عليهم الأخشبين

''اے محمد! آپ کی قوم نے آپ سے جو کچھ کہا ہے، وہ یقیناً اللہ نے سن لیا ہے۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، مجھے آپ کے پروردگار نے آپ کی طرف بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے اپنا حکم دیں۔ اب آپ جو چاہیں گے (میں وہی کروں گا)۔ اگر آپ چاہیں گے تو میں ان (گستاخ) لوگوں کو دو سنگین پہاڑوں کے درمیان کچل ڈالوں گا۔''
یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرشتے سے فرمایا:

بل أرجو أن يخرج الله تعالى من أصلابهم من يعبد الله وحده لا يشرك به شيئا

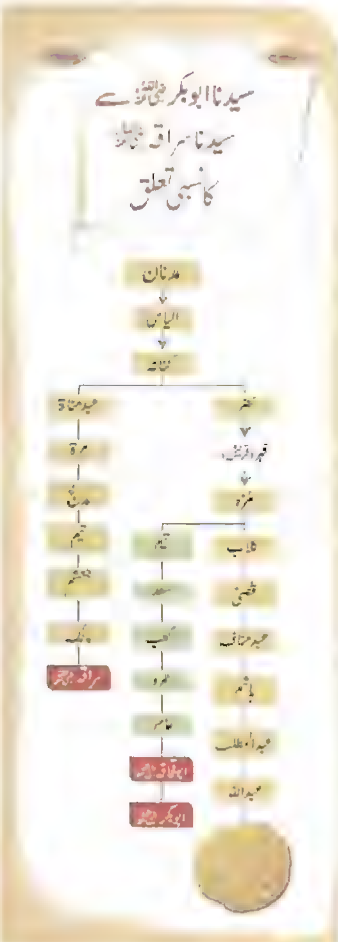
السیل الکبیر یا قرن منازل (قرن ثعالب نزد مکہ مکرمہ)



"بلکہ مجھے تو یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو ایک اللہ ہی کی عبادت کریں گے۔ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گے۔"[1]

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی اس قوم کے حق میں دعائے خیر تھا، چنانچہ جس طرح آپ نے فرمایا تھا، بعد میں بالکل اسی طرح ہوا۔

صید خود شکار ہو گیا



رسول اللہ ﷺ مکہ سے مدینہ ہجرت فرما گئے تو قریش مکہ غصے سے مارے باؤلے ہو گئے۔ انھوں نے اعلان کر دیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ یا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لائے گا، اُسے ایک سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔ یہ اطلاع بدوی قبائل تک پہنچ گئی۔ سراقہ بن مالک بن جعشم سو اونٹوں کے عشق میں رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرنے لگا۔ وہ کوہِ ثور تک خاک چھانتا رہا لیکن اسے رسول اللہ ﷺ کا کہیں سراغ نہ ملا۔ وہ اپنے قبیلے کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ اس کی قوم بنو مدلج کا ایک آدمی آیا۔ اُس نے کہا: اے سراقہ! میں نے ابھی ابھی ساحلِ سمندر کے قریب کچھ لوگوں کو جاتے دیکھا ہے۔

سراقہ کا بیان ہے کہ میں فوراً مجلس سے اٹھا اور ایک گھوڑے پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکل گیا۔ جلد ہی میں نے رسول اللہ کو جاتے ہوئے دیکھا اور انھیں پہچان لیا۔ میں اُن کے قریب پہنچ گیا۔ اللہ جانے اچانک کیا ہوا کہ میرا گھوڑا پھسل کر زمین پر گر پڑا۔ میں نے فوراً فال کا تیر نکالا۔ تیر میری منشا کے خلاف نکلا۔ اس کے باوجود میں نے رسول اللہ ﷺ کا تعاقب جاری رکھا۔ پھر اچانک پہلے سے بھی زیادہ عجیب معاملہ پیش آیا۔ یکا یک میرے گھوڑے کی اگلی دونوں ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھے مڑ مڑ کر بار بار دیکھ رہے تھے۔ میں نے پھر فال کا تیر نکالا، یہ بھی میری منشا کے خلاف نکلا۔ میں نے تیر کی پروا

1 صحیح البخاري: 3231، 7389، صحیح مسلم: 1795، واللفظ لہ.

نہیں کی اور رسول اللہ ﷺ کے تعاقب میں دوڑنے لگا۔

ابوبکر صدیق ؓ نے بے قرار ہو کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ سراقہ بن مالک ہے، یہ ہمارے سر پر آ پہنچا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً اپنا دستِ مبارک بلند کیا اور دعا کی: ''اے اللہ! جس طرح تو چاہے، اس شخص سے ہمارے لیے کافی ہو جا۔'' سراقہ کہتے ہیں کہ اب میرے گھوڑے کے پاؤں دوبارہ زمین میں دھنس گئے اور میں گر پڑا۔ میں پھر سنبھل کر اٹھا کیونکہ 100 اونٹوں کا لالچ مجھے بھگائے لیے جا رہا تھا لیکن میں اپنے مقصد میں بری طرح ناکام ہو گیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ میں نامراد رہوں گا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے قافلے کو آواز دی۔ رسالت مآب ﷺ ٹھہر گئے تو میں نے آپ ﷺ سے معذرت کی اور ساری صورت حال عرض کر دی۔ پھر میں نے اپنا زادِ راہ اور دیگر ساز و سامان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے میری پیش کش قبول نہیں فرمائی۔ بس اتنا فرمایا کہ ہمارا معاملہ لوگوں سے پوشیدہ رکھنا۔ میں نے آپ ﷺ سے امان نامے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ کے حکم پر عامر بن فہیرہ ؓ نے مجھے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر امان نامہ لکھ دیا۔ پھر آپ ﷺ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ یوں وہ سراقہ بن مالک جو آپ ﷺ کو پکڑنے آیا تھا، خود آپ ﷺ کے تیرِ صداقت سے گھائل ہو کر واپس چلا گیا۔[1] بالآخر کچھ عرصہ بعد وہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

امتیازی روشنی

سیدنا طفیل ؓ دوس قبیلے کے سردار تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں کسی کام سے مکہ آئے۔ مشرکوں نے ان کے کان بھرے کہ یہاں ایک صاحب ہیں، ان کا نام ''محمد (ﷺ)'' ہے۔ وہ لوگوں پر جادو کر دیتے ہیں۔ ان کی بات نہ سننا۔ لیکن طفیل رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا پہنچے اور مسلمان ہو گئے۔ دستور یہ تھا کہ ادنیٰ، اعلیٰ، امیر، غریب، چھوٹا بڑا، کالا یا گورا، آزاد یا غلام جو بھی مسلمان ہوتا تھا، وہ معاً دینِ حنیف کی تبلیغ و دعوت کے عظیم الشان فرض کی ادائیگی میں تن من دھن سے مصروف ہو جاتا تھا۔ طفیل قبولِ اسلام سے مشرف ہو کر واپس جانے لگے تو انھوں نے رسالت مآب ﷺ سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا فرمایئے کہ وہ مجھے کوئی امتیازی نشانی عطا کر دے تاکہ میں اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دوں تو وہ نشانی میرے لیے معین و مددگار ثابت ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کر دی تو ان کی آنکھوں کے مابین چراغ جیسی روشنی پیدا ہو گئی۔ انھوں نے اللہ سے دعا کی اور اس روشنی کو اپنے کوڑے کے اوپری حصے پر منتقل کرا لیا۔ ان کے قبیلے کے لوگ یہ روشنی دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے۔[2]

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا 4/284-289۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا 3/436۔

قبیلۂ دوس کے لیے دعا

سیدنا طفیل بن عمرو ﷛ نے قبیلہ دوس کو اسلام کی طرف دعوت دی تو انھوں نے اسے قبول کرنے میں تاخیر کی اور فسق و فجور میں لگے رہے، صرف چند لوگ مسلمان ہوئے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے گزارش کی: اللہ کے رسول! قبیلۂ دوس نے نافرمانی کی ہے اور قبول حق سے انکار کیا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے بددعا فرمائیں۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ قبلہ رخ ہوگئے، آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا لیے۔ یہ منظر دیکھ کر لوگ کہنے لگے: بس اب دوس کے لوگ ہلاک ہوگئے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ آپ ﷺ قبیلۂ دوس کے لیے بددعا فرمائیں گے لیکن رحمتِ عالم ﷺ نے بددعا کرنے کے بجائے ان کے لیے ہدایت کی دعا کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

[illegible]

''اے اللہ! قبیلۂ دوس کو ہدایت عطا فرما اور انھیں یہاں لے آ۔ اے اللہ! قبیلۂ دوس کو ہدایت نصیب فرما اور انھیں یہاں لے آ۔ اے اللہ! قبیلۂ دوس کو ہدایت عطا فرما اور انھیں یہاں لے آ۔''[1]

پھر رسول اللہ ﷺ نے طفیل بن عمرو ﷛ کو حکم دیا: [illegible] ''اپنی قوم کی طرف واپس جاؤ، انھیں دعوت دو اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔''

سیدنا طفیل ﷛ واپس آگئے اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ ہجرت کر گئے اور غزوۂ بدر، احد اور خندق کے معرکے گزر گئے تو طفیل ﷛ قبیلۂ دوس کے ستر یا اسی گھرانوں کو، جو مسلمان ہوگئے تھے، لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خیبر پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ انھیں بھی مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا۔[2]

قریش مکہ کے حق میں دعائے خیر

غزوۂ احد میں مسلمانوں کو اور خود نبی اکرم ﷺ کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ ﷺ ایک خندق میں گر پڑے اور آپ ﷺ کے رخساروں میں ''خود'' پیوست ہوگئی، چہرۂ مبارک لہولہان ہوگیا۔ آپ ﷺ کی یہ تکلیف دیکھ کر صحابہ ﷡ نے درخواست کی کہ آپ کفار کے حق میں بددعا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible]

1 صحیح البخاری: 4392، 2937، 6397، صحیح مسلم: 2524، مسند احمد: 243/2، السیرۃ لابن ہشام: 384/1۔

2 السیرۃ لابن ہشام: 384/1، 385، تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 441/3۔

فإنهم لا يعلمون ’’اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ نادان ہیں۔‘‘[1]

صحیحین کی روایت میں بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ بار بار یہی دعا کر رہے تھے: اللهم اغفر لقومي فإنهم لا يعلمون ’’اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ نادان ہیں۔‘‘[2]

چنانچہ یہ دعا بھی قبول ہوئی اور غزوۂ احد میں مدینہ منورہ پر حملہ کے لیے آنے والے بیشتر قریشی سردار فتح مکہ کے وقت یا اس سے پہلے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

غزوۂ بدر میں دشمن کی ہزیمت کی دعا

غزوۂ بدر کے موقع پر قریشی لشکر بڑے تکبر سے میدان جنگ میں آیا تھا۔ ان مشرکوں کو پورا یقین تھا کہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے۔ انھوں نے اس قادر مطلق ہستی کو یکسر بھلا دیا تھا جو مچھر سے بازو اور چیونٹی سے ہاتھی کو ہلاک کرا دیتی ہے۔ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے میدان میں اتری تھی۔ انھیں اللہ کی نصرت کا پورا یقین تھا۔ ان کے چہروں پر ذرا بھی پریشانی نہ تھی۔ وہ اللہ کی ذات پر کامل بھروسا رکھتے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ اللہ اپنے نبی کی مدد ضرور کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اپنے پروردگار کی بارگاہ میں انتہائی سوز و گداز کے ساتھ نصرت و فتح کی التجا کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ

’’(یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمھاری فریاد قبول کر لی (اور کہا:) بے شک میں ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے سے تمھاری مدد کروں گا۔‘‘[3]

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر نصرت الٰہی کا وعدہ یاد دلاتے ہوئے یہ دعا کرنے لگے:

اللهم! هذه قريش قد أقبلت بخيلائها وفخرها تحادك وتكذب رسولك، اللهم! فنصرك الذي وعدتني، اللهم أحنهم الغداة

’’اے اللہ! یہ قریش کا لشکر ہے جو بڑے فخر اور تکبر سے چلا آ رہا ہے۔ یہ تیرے ساتھ جنگ کر رہے اور تیرے رسول کو جھٹلا رہے ہیں۔ اے اللہ! اپنی وہ مدد بھیج جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ اے اللہ! کل انھیں ہلاک کر دے۔‘‘[4]

[1] المعجم الكبير للطبراني 162/6، 163، حديث 5862. [2] صحيح البخاري 3477، صحيح مسلم 1792. [3] الأنفال 8:9. [4] السيرة لابن هشام 621/2، زاد المعاد 176/3.

آپ ﷺ نے یہ دعا بھی مانگی:

اللهم أنجز لي ما وعدتني، اللهم آت ما وعدتني، اللهم إن تهلك هذه العصابة من أهل الإسلام لا تعبد في الأرض

"اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا تھا، اسے پورا فرما۔ اے اللہ! تو نے مجھ سے جس چیز کا وعدہ فرمایا تھا، وہ عطا فرما۔ اے اللہ! اگر آج اہل اسلام کا یہ مٹھی بھر گروہ ہلاک ہوگیا تو روئے زمین پر کبھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔"

نبی کریم ﷺ قبلہ رخ ہو کر ہاتھ پھیلائے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا رہے تھے۔ اسی دوران میں آپ ﷺ کے کندھوں سے چادر مبارک گر گئی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی چادر ٹھیک کی اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! بس کیجیے، آپ نے اپنے رب سے بڑے اصرار اور نہایت ہی تضرع سے دعا مانگی ہے۔ اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ پھر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بدر کے دن یہ دعا فرمائی:

اللهم إني أنشدك عهدك ووعدك، اللهم إن شئت لم تعبد بعد اليوم

"اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد اور وعدے کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے اللہ! اگر تو چاہے تو آج کے بعد تیری عبادت نہ کی جائے گی۔"

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک تھام لیا اور عرض کی: بس آپ کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ پھر آپ ﷺ چھپر سے باہر تشریف لائے۔ اس وقت آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات جاری تھے:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ

"عنقریب یہ جتھا شکست کھائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گا۔"[2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن جب جنگ شروع ہوئی تو میں کچھ دیر تک تو جنگ میں مشرکوں کا منہ پھیرتا رہا، پھر میں تیزی سے مرکز قیادت میں گیا تاکہ رسول اکرم ﷺ کو دیکھوں کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی جبین نیاز بارگاہ الٰہی میں جھکائی ہوئی ہے اور آپ برابر یَا حَيُّ يَا قَيُّومُ کہہ رہے تھے: "اے ہمیشہ زندہ رہنے والے! اے ہمیشہ قائم رہنے والے، اے ہمیشہ زندہ رہنے والے، اے ہمیشہ

1 صحیح مسلم، 1763، ومسند أحمد: 30/1 2 صحیح البخاری: 3953، ومسند أحمد: 329/1

قائم رہنے والے!'' ہی پڑھے جا رہے ہیں۔ میں پھر میدانِ مقتل کی طرف لوٹ گیا۔ کچھ دیر دشمن سے مقابلہ کرتا رہا۔ دل بے چین ہوا تو پھر چھپر کی طرف جا پہنچا۔ دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ اسی حالت میں مسلسل ذکرِ الٰہی میں مشغول ہیں۔ میں پھر واپس میدانِ جنگ کی طرف پلٹا لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دل میں پھر اضطراب پیدا ہوا کہ ایک دفعہ اور ایک نظر اللہ کے رسول ﷺ کے رخِ زیبا پر ڈال آؤں۔ اب بھی یہی دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ پہلے جیسی حالت ہی میں ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں متواتر رو رہے ہیں۔ میں اسی طرح پے در پے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف پھیرے لگاتا رہا لیکن جب بھی گیا، آپ کو ربِ قدوس کی بارگاہ میں سر جھکائے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ دعا مانگتے ہی پایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب کر دی۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس قدر شدت اور قوت سے کسی کو اپنے حق کا واسطہ دیتے ہوئے نہیں سنا جس قدر شدت اور قوت سے اللہ کے رسول ﷺ کو بدر کے دن اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتے ہوئے سنا۔ نبی ﷺ بارگاہِ الٰہی میں رو رو کر یہی دعا کرتے رہے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ، اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مَا وَعَدْتَنِي، اَللّٰهُمَّ إِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ»

''اے اللہ! میں تجھے تیرے وعدے اور عہد کا واسطہ دیتا ہوں، اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے، میں اس کا تجھ سے سوال کرتا ہوں، اے اللہ! اگر تو نے اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دیا تو روئے زمین پر کبھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔''

دعا کے بعد جب آپ ﷺ نے اپنا رخِ انور پھیرا تو چہرہ مبارک چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''گویا میں کفار کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں جہاں وہ کل مرے پڑے ہوں گے۔''[1]

جب جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور دونوں گروہوں کی تلواریں ٹکرانے لگیں تو رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس اس معرکے میں شریک ہو گئے۔ اب اللہ کی نصرت اتر آئی۔ مجاہدینِ اسلام کے حوصلے بلند ہوئے۔ وہ مشرکین کی صفوں پر تابڑ توڑ حملے کرنے لگے۔ مشرکین نے جب مسلمانوں کے سالار ﷺ کو بنفسِ نفیس برسرِ پیکار دیکھا تو وہ سراسیمہ ہو گئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ کا محافظ دستہ بھی تھا۔ اس وقت رسولِ کریم ﷺ فرما رہے تھے:

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ﴾

[1] البداية والنهاية: 3/275

''عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ بلکہ قیامت ان کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت زیادہ بڑی مصیبت اور زیادہ تلخ ساعت ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ

''(اے نبی!) جب آپ نے (مٹھی بھر خاک ان کی طرف) پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ وہ تو اللہ نے پھینکی تھی۔''[2]

محمد بن عمر اسلمی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا تو آپ ﷺ نے مٹھی بھر سنگریاں اٹھائیں اور مشرکین کی طرف پھینک دیں، ساتھ ہی فرمایا:

شاهت الوجوه، اللهم أرعب قلوبهم وزلزل أقدامهم

''چہرے بگڑ جائیں۔ اے اللہ! ان کے دلوں پر رعب ڈال دے اور ان کے قدموں پر لرزہ طاری کر دے۔''

اللہ کے دشمن شکست کھانے لگے۔ ان میں پیچھے مڑ کر کسی چیز کی طرف دیکھنے کی بھی جرأت نہیں تھی۔ انھوں نے اپنی زرہیں پھینک دیں اور مسلمان انھیں قتل کرنے لگے۔ مشرکوں میں سے کوئی نہ تھا جس کی آنکھ میں مٹی نہ پڑ گئی ہو۔[3]

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں مسلمانوں کی مدد کی اور انھیں فتح یاب کیا۔

غزوۂ احزاب کے موقع پر لشکرِ کفار کی شکست

غزوۂ احزاب میں پورے جزیرہ نمائے عرب کے عرب قبائل باہم اتحاد کر کے مدینہ کے خلاف جارحانہ عزائم کے ساتھ حملہ آور ہوئے تھے۔ اس موقع پر بھی رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا مانگی:

اللهم منزل الكتاب، مجري السحاب، هازم الأحزاب، اهزمهم وانصرنا عليهم

''اے اللہ! اے کتاب نازل فرمانے والے! بادلوں کو چلانے والے! گروہوں کو شکست دینے والے! انھیں شکست دے اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔''[4]

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دعا کی:

اللهم منزل الكتاب، سريع الحساب، اهزم الأحزاب، اللهم اهزمهم وزلزلهم

1 القمر 54:45، 46. 2 الأنفال 8:17. 3 المغازي للواقدي: 1/88. 4 صحيح البخاري: 2966، صحيح مسلم: 1742 (20).

''اے اللہ! کتاب نازل فرمانے والے! جلد حساب لینے والے! لشکروں کو شکست دے۔ اے اللہ! انھیں شکست دے اور ان کے پاؤں لڑکھڑا دے۔''[1]

چنانچہ دنیا نے کھلی آنکھوں دیکھ لیا کہ عرب اور یہودی قبائل، تمام تر کوششوں کے باوجود سلطنت مدینہ کے خلاف کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔

دعا نے جنگ کا پانسا پلٹ دیا

جنگ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مشرکوں کے لشکر کی خبر لے کر آؤ۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ مجھے اس وقت بڑی سردی لگ رہی تھی۔ آپ ﷺ کے حکم پر میں اٹھا اور حریفوں کی طرف جانے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے دعا کی کہ ''اے اللہ! آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں، اوپر اور نیچے سے اس کی حفاظت فرما۔'' اللہ کی قسم! آپ ﷺ کے دعا فرماتے ہی مجھے سردی لگنی بند ہوگئی اور میں بے دھڑک کافروں کے لشکر میں جا گھسا۔ اچانک زبردست ہواؤں کے جھکڑ چلے۔ کفار سخت پریشان ہوئے۔ ان کی آگ ہی روشن نہیں ہوئی، ان کے خیمے اکھڑ گئے، چولھے بجھ گئے۔ ہانڈیاں چولھوں سے الٹ کر گر گئیں۔ اونٹوں کے کجاوے زمین پر گر پڑے۔ لشکر کفار پہلے ہی بددل تھا۔ اللہ نے آندھی چلائی تو ان کے حوصلوں کی طنابیں ٹوٹ گئیں۔ ابوسفیان حواس باختہ ہوگیا۔ اس نے کوچ کا اعلان کر دیا۔ اس طرح سارا لشکر تتر بتر ہوگیا۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ لشکر کفار کے حالات سے باخبر ہو کر واپس آگئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ''اے ایمان والو! تم اپنے آپ پر اللہ کے احسان کو یاد کرو جب تمھارے خلاف (کفار کے) لشکر امنڈ آئے تو ہم نے ان پر آندھی بھیج دی۔''[2]

باران رحمت کے لیے دعا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی میں قحط سالی کا واقعہ رونما ہوا۔ آپ ﷺ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک بدو کھڑا ہوگیا۔ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے بچے بھوک سے بلک رہے اور جانور مر رہے ہیں۔ ہمارے لیے بارش کی دعا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے اس وقت بارش کی دعا کی۔ اس وقت مطلع بالکل صاف تھا۔ لیکن جونہی آپ ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، اچانک چاروں طرف پہاڑوں کی طرح بادل چھا گئے اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی اور مسجد کی چھت ٹپکنے لگی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے

1 صحیح البخاری، 4115، صحیح مسلم، (21)-1742۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا 7/369۔

ہیں کہ ابھی آپ ﷺ منبر سے اترے بھی نہ تھے کہ میں نے بارش کی بوندیں آپ ﷺ کی ریش مبارک سے گرتی ہوئی دیکھیں۔ پھر مسلسل بارش ہوتی رہی یہاں تک کہ اگلا جمعہ آ گیا۔ وہی شخص یا کوئی اور آدمی کھڑا ہو گیا۔ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس قدر بارش ہو رہی ہے کہ ہمارے گھر منہدم ہو رہے ہیں اور مال مویشی غرق ہونے لگے ہیں۔ ہمارے حق میں دعا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے پھر دست دعا بلند کیا اور دعا کی: اللّٰھم حوالینا ولا علینا "اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش برسا، ہم پر نہ برسا۔" پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگشت مبارک سے اشارے کیے اور بادل چھٹتے چلے گئے۔ اس وقت مدینہ ایک تاج کی طرح معلوم ہونے لگا۔ اردگرد بارش ہوتی رہی مگر مدینہ کا مطلع بالکل صاف رہا۔ اتنی بارش ہوئی کہ وادی قناۃ کی ندی ایک مہینے تک بہتی رہی۔[1]

عمر رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی دعا

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا دراصل رسول اللہ ﷺ کی دعا کا نتیجہ تھا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا فرمائی تھی:

اللّٰھم أعز الإسلام بأحب ھذین الرجلین إلیك بأبي جھل أو بعمر بن الخطاب

"اے اللہ! ابوجہل اور عمر بن خطاب دونوں میں سے جو تجھے زیادہ محبوب ہے، اس کے ذریعے سے اسلام کو عزت عطا فرما۔"

راوی حدیث سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کو دونوں میں سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ زیادہ محبوب تھے۔[2] اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنے دین کے لیے چن لیا۔

نوجوان صحابی کے لیے دعائے پاکبازی

دعائے نبوی کی برکت کا ایک ایمان افروز واقعہ وہ بھی ہے جسے سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ایک نوجوان نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: اللہ کے رسول! مجھے زنا کی اجازت دیجیے۔ لوگ اس پر پل پڑے اور بولے: ذرا ٹھہر، باز رہ۔ آپ ﷺ نے اسے اپنے قریب بلوایا۔ وہ آپ کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا کی۔ اس دعا کا نتیجہ یہ تھا کہ انھیں دوبارہ کبھی اس قسم کا خیال نہیں آیا۔[3]

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 2/164، 165 و 8/201، 202۔ 2 جامع الترمذی: 3681۔ 3 مسند أحمد: 5/256، المعجم الکبیر للطبرانی: 8/162

سیدنا مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے لیے کثرت اولاد کی دعا

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے مالک بن ربیعہ سلولی رضی اللہ عنہ کو کثرت اولاد کی دعا دی اور فرمایا: ''اے اللہ! ان کی اولاد میں برکت دے۔'' سیدنا مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے 8 بیٹے دیے۔[1]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے صحت

رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اپنے صحابہ کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے ہوئے تھے، آپ ﷺ کو سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیماری کی اطلاع ملی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مکہ میں مقیم تھے۔ ان کی بیماری اس قدر شدت اختیار کر گئی تھی کہ وہ خود فرماتے ہیں: بیماری نے مجھے موت کے جبڑے میں ڈال دیا تھا۔[2] انھیں یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی بھی وقت فوت ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ سعد رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو وہ رونے لگے۔ آپ نے دریافت فرمایا: [illegible] ''کیوں رو رہے ہو؟''

وہ عرض کرنے لگے: مجھے یہ ڈر ہے کہ میں اس سرزمین میں فوت ہو جاؤں گا جہاں سے میں نے ہجرت کی تھی، جیسے سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ بات سنی تو بارگاہِ الٰہی میں تین مرتبہ یہ دعا فرمائی:

[illegible]

''اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما۔ اے اللہ! سعد کو صحت دے۔ اے اللہ! سعد کو تندرستی عطا فرما۔''[3]

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول فرمائی اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نہ صرف تندرست ہو گئے بلکہ بعد ازاں انھوں نے اسلام کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان کی وفات 55ھ میں ہوئی۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات بن گئے

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی: اللهم استجب لسعد إذا دعاك ''اے اللہ! سعد جب بھی تجھے پکارے، اس کی دعا قبول فرما۔''[4]

رسول اللہ ﷺ کی اسی دعا کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کی ہر دعا قبول ہو جاتی تھی۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اہل کوفہ کے چند لوگوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سعد رضی اللہ عنہ کی شکایت

1 الإصابة: 324/3، عدد: 7633. 2 صحيح البخاري: 3936. 3 صحيح مسلم: (8)-1628. 4 جامع الترمذي: 3751.

بھیجی (سعد کوفہ کے گورنر تھے)۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ تحقیقاتی کمیشن کوفہ بھیج دیا۔ کمیشن تحقیقات کے لیے کوفہ کی تمام مساجد میں گیا۔ ہر مسجد میں ان کی تعریف ہی کی گئی۔ جب کمیشن بنو عبس کی مسجد میں پہنچا تو ابو سعدہ نامی ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا، کہنے لگا: تم نے ہم سے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھا ہے تو سن لو! سعد تقسیم میں انصاف نہیں کرتا، لشکر کے ساتھ خود نہیں جاتا اور فیصلے میں انصاف نہیں کرتا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! اگر یہ شخص جھوٹا ہے اور محض ریاکاری اور دکھاوے کے لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر لمبی کر دے، اس کے فقر میں اضافہ کر اور اسے فتنوں کا نشانہ بنا دے۔ راوی ابن عمیر کہتے ہیں: میں نے اسے بعد میں دیکھا، وہ اس قدر بوڑھا ہو گیا تھا کہ اس کے ابرو کے بال اس کی آنکھوں پر آ پڑے تھے۔ وہ بہت فقیر ہو گیا۔ وہ رستوں میں نوجوان لڑکیوں کے سامنے جا کھڑا ہوتا اور انھیں چھیڑتا۔ اور وہ خود کہا کرتا تھا: میں بڑا بوڑھا ہوں، فتنے میں پڑ گیا ہوں، مجھے سعد رضی اللہ عنہ کی بددعا لگی ہے۔[1]

سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لیے گھوڑے پر جم کر بیٹھنے کی دعا

سیدنا جریر رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ذوالخلصہ کو مسمار کرنے کے لیے بھیجا۔ ذوالخلصہ ایک گھر تھا جس میں بت تھے، خثعم اور بجیلہ قبیلے کے لوگ اس کی عبادت کرتے تھے۔ وہ اس گھر کو کعبہ یمانیہ اور اصل بیت اللہ کو کعبہ شامیہ کہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: «أَلَا تُرِيحُنِي مِنْ ذِي الْخَلَصَةِ» ''تم مجھے ذوالخلصہ سے راحت نہیں پہنچاؤ گے؟'' یعنی اس بت خانے کا خاتمہ نہیں کرو گے؟ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں گھوڑے پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ میرے سینے پر مارا۔ مجھے اس کا اثر محسوس ہوا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: «اللَّهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا» ''اے اللہ! اسے ثابت رکھ اور اسے ہادی اور ہدایت یافتہ بنا دے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کے بعد میں کبھی گھوڑے سے نہیں گرا۔

چنانچہ جریر رضی اللہ عنہ اپنی قوم احمس کے ایک سو پچاس سواروں کے ساتھ ذوالخلصہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ انھوں نے اس گھر کو آگ لگا کر اس طرح مسمار کر دیا جیسے ایک بیمار خارش زدہ اونٹ ہوتا ہے۔ پھر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری دینے کے لیے ابو ارطاۃ نامی ایک شخص کو مدینہ روانہ کر دیا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مہم کی کامیابی کی نوید سنائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احمس کے جوانوں اور گھوڑوں کے لیے پانچ بار برکت کی دعا کی۔[2]

1 صحیح البخاري: 755. 2 صحیح البخاري: 3020، البدایة والنهایة: 5/91-93 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 9/90-92۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لیے دعا

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بہت مالدار تاجر تھے۔ انھوں نے غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: میرے پاس آٹھ ہزار درہم ہیں۔ میں نے چار ہزار درہم گھر والوں کے لیے رکھ لیے ہیں اور چار ہزار درہم صدقے کے لیے حاضر ہیں۔ آپ ﷺ نے انھیں برکت کی دعا دیتے ہوئے فرمایا: بارك الله لك فيما أمسكت وفيما أعطيت ''تم نے جو مال گھر والوں کے لیے رکھا ہے اور جو اللہ کی راہ میں دیا ہے، اللہ سارے مال میں برکت عطا فرمائے۔'' دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چار سو اوقیہ سونا پیش کیا تھا۔ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ انھوں نے نو سو اونٹ دیے تھے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے مال میں اتنی برکت ڈالی کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں کوئی پتھر بھی اٹھاتا تھا تو مجھے یہی امید ہوتی کہ اس کے نیچے سے بھی کوئی سونا یا چاندی برآمد ہوگی۔[2]

انھوں نے جو ترکہ چھوڑا تھا، اس کی مالیت تقریباً 32 لاکھ دینار تھی۔[3]

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے رسالت مآب ﷺ کی شادی

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا تو انھوں نے پیغام رساں سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کرو کہ میں تین وجوہ کے باعث آپ ﷺ کے شایانِ زوجیت نہیں: اولاً مجھ میں غیرت کا جذبہ بڑا شدید ہے، ثانیاً میں بال بچوں والی ہوں، ثالثاً میرا کوئی ولی نہیں جو بوقتِ نکاح میرا سرپرست ٹھہرے۔ یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ نے سیدہ سلمہ رضی اللہ عنہا کو کہلا بھیجا کہ ''میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا جس سے تمھاری شدید غیرت کا جذبہ ختم ہو جائے گا۔ تمھارے بچوں کی کفایت کر دی جائے گی اور تمھارے جتنے بھی حاضر یا غائب ولی ہیں، ان میں سے کوئی بھی میری اور تمھاری شادی کو ناپسند نہیں کرے گا۔'' ایک روایت کے مطابق سیدہ سلمہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ بات بھی گوش گزار کی کہ میں ادھیڑ عمر ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جہاں تک عمر کی بات ہے تو میں عمر میں تم سے بڑا ہوں۔'' یہ ارشاد سن کر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے صاحبزادے عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اٹھو! اور رسول اللہ ﷺ سے میرے عقد کا انتظام کرو۔ پھر انھوں نے اپنی والدہ محترمہ کی شادی رسول اللہ ﷺ سے کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی دعا کی بدولت ام سلمہ کی تمام ضروریات پوری فرما دیں۔[4]

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 457/9۔ 2 الطبقات لابن سعد: 126/3۔ 3 فتح الباری: 293/9۔ 4 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 107،106/7۔

عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کے لیے دعا

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں خیبر جا رہے تھے۔ اس دوران عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ نے بلند آہنگی سے حدی خوانی شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ حدی خوان کون ہے؟'' آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: یہ عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے...... آپ ﷺ جب کسی کو اس طرح کی دعا دیتے تھے تو اسے شہادت نصیب ہو جاتی تھی۔ سیدنا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ میدان کارزار گرم ہوا تو عامر بن اکوع نے بہادری کے جوہر دکھائے، وہ ایک یہودی کی طرف لپکے، اس پر تلوار کا وار کیا لیکن تلوار خود انھی کے گھٹنے پر آلگی، آخر کار وہ اسی زخم سے شہید ہو گئے۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے علم تفسیر کی دعا

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مشہور مفسر قرآن ہیں، وہ نبی کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے۔ انھیں علم کی دعا دیتے ہوئے آپ ﷺ نے بارگاہ ربانی میں عرض کیا:

اللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِي الدِّينِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ

''اے اللہ! ان کو دین کی سمجھ عطا فرما اور انھیں تاویل (تفسیر) کا علم سکھا۔''[2]

اس دعا کا نتیجہ یہ نکلا کہ بڑے بڑے مشکل مسائل بھی ان کے لیے بہت آسان ہو گئے اور انھوں نے حبر الامہ کا لقب پایا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے لیے دعا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ ابھی دس برس کے تھے کہ ان کی والدہ انھیں آپ ﷺ کی خدمت میں لائیں اور بطور خادم پیش کیا اور دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے مال اور اولاد میں ترقی کی دعا کی۔ اس دعا کا اثر و ثمر یہ تھا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس مال و دولت کی بھی کثرت ہے اور اولاد کی بھی۔ ان کی زندگی ہی میں ان کے بیٹوں، پوتوں وغیرہ کی تعداد 100 کے قریب پہنچ گئی تھی۔ ان کا باغ سال میں دو مرتبہ پھل دیا کرتا تھا اور اس میں ایک پھول ایسا تھا جس سے کستوری جیسی خوشبو آتی تھی۔[3]

1 [illegible]، 447/8۔ 2 صحیح البخاري: 143، صحیح مسلم: 2477، مسند أحمد: 266/1۔ 3 صحیح مسلم: 2480، 2481

''میں نے امت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں مانگی تھیں، دو قبول ہوگئیں اور ایک قبول نہیں ہوئی۔ قبول ہونے والی دو دعائیں یہ ہیں: اے اللہ! میری امت پر کبھی اس طرح کا قحط (عذاب) نہ بھیجنا جو امت کو مکمل طور پر ہلاک کر دے۔ دوسری یہ ہے، میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ کرنا۔'' قبول نہ ہونے والی دعا یہ تھی: ''اللہ تعالیٰ میری امت کو آپس کے اختلاف اور انتشار سے محفوظ فرمائے۔''[1]

سیدنا ابوطلحہ انصاری ؓ کے لیے دعائے خیر و برکت

ایک مرتبہ سیدنا ابوطلحہ ؓ کا ایک بیٹا رحلت کر گیا۔ وہ اسی رات سفر سے لوٹے تھے۔ ان کی بیوی نے اس خیال سے کہ ان کے خاوند کو پریشانی ہوگی بتانا مناسب نہ سمجھا، پھر رات کو خاوند کی بات بھی مانی، صبح انھیں بچے کے فوت ہونے کی اطلاع دی۔ رسول اللہ ﷺ کو پتا چلا تو آپ ﷺ نے اس جوڑے کے لیے رات کے عمل میں خیر و برکت کی دعا کی۔ ایک انصاری کہتے ہیں کہ میں نے ابوطلحہ ؓ کی نو اولادیں دیکھی ہیں، یہ سب کی سب قرآن کی حافظ تھیں۔[2]

دانتوں کی مضبوطی کے لیے دعا

سیدنا نابغہ بن جعدہ جو حطے سے تعلق رکھنے والے ایک صحابی تھے، انھوں نے اکیدر بن عبدالملک کندی حاکم دومۃ الجندل کی گرفتاری پر نبی اکرم ﷺ کی تعریف میں ایک خوبصورت قصیدہ لکھ کر پیش کیا۔ آپ ﷺ یہ قصیدہ سن کر خوش ہوئے اور سیدنا نابغہ ؓ کو دعا دیتے ہوئے فرمایا: ''لا یفضض [illegible]'' ''اللہ تعالیٰ تمھارے دانتوں کو سلامت رکھے۔''

چنانچہ انھوں نے نوے برس کی عمر پائی، اتنی پیرانہ سالی کے باوجود ان کے دانت نہایت مضبوط تھے، آخر دم تک ایک دانت بھی ہلتے نہیں پایا۔[3]

ابولہب کے بیٹے کی گستاخی اور اس کا عبرتناک انجام

ابولہب کے اکسانے پر اس کے بدبخت بیٹے عتبہ نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کو طلاق دے دی۔ طلاق دیتے ہوئے اس نے انتہائی گستاخانہ بلکہ وحشیانہ طرز عمل اختیار کیا۔ سیرت کے بعض نسخوں میں عتبہ کی جگہ ابولہب

1 صحیح مسلم، 2890،2889. 2 صحیح البخاری، 1301. 3 الاصابہ 142/1.

کے دوسرے بیٹے عتیبہ کا ذکر ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گستاخانہ طرزِ عمل اختیار کیا تھا۔ اس نے دینِ اسلام، اللہ تعالیٰ اور جبریل علیہ السلام کا انکار کیا اور رسالت مآب ﷺ کا کرتا پھاڑ دیا۔ پھر اس نے آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس پر تھوکنے کی جسارت کی لیکن تھوک زمین پر گر پڑا اور رسول اللہ ﷺ محفوظ رہے۔ اس وحشیانہ سلوک سے رسول اللہ ﷺ بے حد آزردہ خاطر ہوئے۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے بارگاہِ الٰہی میں یہ بددعا کی: اَللّٰھُمَّ سَلِّطْ عَلَیْهِ کَلْبًا مِّنْ کِلَابِكَ "اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دے۔" ...... ابولہب کپڑے کی تجارت کرتا تھا۔ اس نے شام جانے والے تجارتی قافلے کے ساتھ اپنا مال بھیجا۔ اپنے مال کی نگرانی کے لیے اس نے اپنے بیٹے عتبہ کے ساتھ بہت سے غلام اور نوکر چاکر بھی بھیجے۔ اس نے اپنے نوکروں اور غلاموں سے کہا: محمد (ﷺ) نے میرے بیٹے کو بددعا دی ہے۔ اب مجھے اپنے بیٹے کی سلامتی کا یقین نہیں ہے، اس لیے تم لوگ مجھ سے پکا عہد کرو کہ میرے بیٹے کی اچھی طرح حفاظت کرو گے۔ اس عہد و پیمان کے بعد قافلہ چل دیا۔ اثنائے راہ میں یہ قافلہ جہاں کہیں بھی پڑاؤ ڈالتا، قافلے والے عتبہ کی حفاظت کا خاص اہتمام کرتے۔ وہ اس کے ارد گرد حصار بنائے رکھتے اور اسے اپنے بیچوں بیچ رکھتے اور اس کے ارد گرد سارے قافلے والوں کا سامان رکھ کر حفاظتی دیوار بنا دیتے۔ ایک رات اس قافلے نے شام کے علاقے زرقا میں پڑاؤ ڈالا۔ وہاں اچانک ایک شیر آ گیا اور اہل قافلہ کے گرد چکر لگانے لگا۔ عتبہ اسے دیکھتے ہی چلانے لگا: ہائے میری ہلاکت! یہ شیر مجھے چبا ڈالے گا۔ محمد نے مجھے بددعا دی تھی۔ ساری کائنات میں محمد سے زیادہ سچا انسان کوئی نہیں۔ انھوں نے مجھے قتل کر دیا ہے۔ عتبہ ایسے ہی باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے شام کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ اہل قافلہ نے اس کی حفاظت کے لیے سارے قافلے کے سازو سامان کی ایک دیوار سی بنا دی اور اسے سامان کے بیچ میں حفاظت سے سلا کر سو گئے۔ جونہی رات ڈھلی، شیر عتبہ پر ٹوٹ پڑا اور اس کا سر چبانے لگا۔ وہ تڑپ کر بولا: کیا میں نہیں کہتا تھا کہ محمد سب سے زیادہ سچے انسان ہیں۔ یہی کہتے کہتے اس نے دم توڑ دیا۔[1]

نوفل بن خویلد کا انجام

بدر کے دن ایک شخص نوفل بن خویلد لشکرِ کفر کو جنگ کی آگ بھڑکانے پر اُکسا رہا تھا۔ جب اس نے مشرکوں کو گاجر مولی کی طرح کٹتے دیکھا تو وہ اسلامی لشکر کے انصاری حضرات کو پکار پکار کر کہنے لگا: اے انصاریو! تمھیں ہمارا خون کرنے کا کیا فائدہ؟ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: [illegible]

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا: 247/3-248.

کی: [illegible] ’’اے اللہ! نوفل بن خویلد سے تو ہی نمٹ لے۔‘‘ چنانچہ اس شریر کو جبار بن صخر رضی اللہ عنہ نے گرفتار کر لیا۔ وہ اسے کھینچے لیے جا رہے تھے کہ نوفل نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف لپکتے دیکھا۔ یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی خوفزدہ ہو گیا۔ انھوں نے اس شریر پر تلوار کا کاری وار کیا۔ اس طرح یہ شخص ہلاک ہو گیا۔ اچانک رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ’’کیا کسی کو نوفل بن خویلد کے بارے میں کچھ علم ہے؟‘‘ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اسے واصلِ جہنم کر دیا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے بلند آہنگی سے تکبیر کہی۔[1]

عامر بن طفیل طاعون کا شکار ہو گیا

سانحۂ بئر معونہ کا حقیقی مجرم عامر بن طفیل تھا۔ اس بدباطن شخص نے رسول اللہ ﷺ کے سفیر حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو نہ صرف شہید کر دیا بلکہ آپ ﷺ کے مکتوبِ گرامی کی بھی توہین کی۔ اسی شخص نے بنو سلیم کے لوگوں کو اکسا کر اپنے ساتھ ملایا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ٹھکانے پر حملہ کر کے انھیں شہید کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے خلاف بددعا کی: [illegible] ’’اے اللہ! بنو عامر کو ہدایت عطا فرما اور میری طرف سے عامر بن طفیل سے نمٹ لے۔‘‘ اس بددعا کے بعد عامر بن طفیل زندہ رہا لیکن اس کی زندگی موت سے زیادہ بدتر تھی۔ اسے طاعون کی پھنسی نکل آئی اور وہ اس کے درد میں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔[2]

ایک مغرور شخص کے خلاف بددعا

ایک بار ایک شخص آپ ﷺ کے قریب الٹے ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’سیدھے ہاتھ سے کھانا کھاؤ۔‘‘ اس نے کہا: میں نہیں کھا سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ کرے ایسا ہی ہو۔‘‘ چنانچہ اس کے بعد وہ اتنا معذور ہو گیا کہ اپنا دایاں ہاتھ اٹھا کر منہ تک لے جانے کے قابل بھی نہیں رہا۔[3]

سلطنتِ کسریٰ کی تباہی کے لیے دعا

کسرائے ایران نے نہ صرف مکتوبِ نبوی کی توہین کی تھی بلکہ اس نے یمن میں اپنے گورنر باذان کو حکم دیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کرے۔ اس کی اطلاع ملنے پر آپ ﷺ نے یہ بددعا کی:

’’اے اللہ! جس طرح کسریٰ نے میرے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں، تو اسی طرح کسریٰ کی سلطنت

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 470/6-471۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 510/6-513۔
3 صحیح مسلم، حدیث: 2021

کو پاش پاش کر دے۔''[1]

چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہ بد دعا پوری ہوئی اور سلطنت کسریٰ اسلامی قلمرو میں شامل کر لی گئی۔ آخری دنوں میں سلطنت کسریٰ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ تخت کا کوئی وارث ہی نہیں ملتا تھا۔ اور آخری حکمران کسریٰ یزدگرد خلافت عثمانی میں ایک کسان کے ہاتھوں مارا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کی بد دعا کا اثر

اسود بن مطلب نہایت شریر آدمی تھا۔ مسلمانوں کو بہت ستاتا تھا۔ جب اس کی ایذا رسانیاں حد سے زیادہ بڑھ گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے بد دعا کی کہ ''اے قادر مطلق! اس کور باطن آدمی کو اندھا کر دے اور اس کی اولاد چھین لے۔'' بدر کے دن یہ شخص ٹھیک اسی انجام سے دوچار ہوا۔ اندھا تو وہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔ بدر میں اس کے تین کڑیل جوان بیٹے زمعہ، عقیل اور حارث بھی قتل کر دیے گئے۔ اس سانحے کے بعد اس کی زندگی عبرت کا نشان بن گئی۔ ایک رات کوئی نوحہ گر عورت رو رہی تھی۔ اسود بن مطلب نے اس عورت کی آہ و بکا سنی تو اپنے جوان بیٹوں کی تڑپتی ہوئی لاشوں کا منظر اس کی آنکھوں میں پھرنے لگا۔ پھر وہ ایک نہایت دردناک مرثیہ پڑھ پڑھ کر بلکنے لگا۔[2]

ابن قمئہ کو جنگلی مینڈھے نے مار ڈالا

ابن قمئہ بنو ہذیل کا نہایت بدبخت انسان تھا۔ وہ احد کے دن چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا: مجھے بتاؤ محمد کہاں ہیں؟ اگر وہ آج میرے ہاتھ سے بچ گئے تو پھر میں نہیں بچوں گا۔ پھر اس بدبخت نے رسول اللہ ﷺ پر تلوار کا وار کیا۔ وار اتنا کاری تھا کہ آپ ایک مہینہ تک اس ضرب کی تکلیف محسوس کرتے رہے۔ اس نے دوسرا وار کیا جو آپ ﷺ کی چشم مبارک کے نیچے نہ صرف ہڈی کو زخمی کر گیا بلکہ آپ کے خود کی دو کڑیاں بھی آپ کے چہرہ مبارک میں دھنس گئیں۔ آپ ﷺ نے اُسے بد دعا دی: ''اللہ تعالیٰ تجھے توڑ ڈالے۔'' یہ بد دعا ابن قمئہ کا پیچھا کرتی رہی۔ یہ جنگ کے بعد کی بات ہے، ابن قمئہ اپنی بکریاں دیکھنے نکلا۔ وہ ایک پہاڑ پر چر رہی تھیں۔ ابن قمئہ وہاں پہنچا تو اس پر دفعتاً ایک جنگلی مینڈھا ٹوٹ پڑا۔ اُس نے اس بدبخت کو پے در پے ٹکریں مار مار کر ہلاک کر دیا۔[3]

1 صحیح البخاری، 2939. 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا: 490/5۔ 3 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا: 251،250/6۔

مدینہ میں خیر و برکت اور خوشگوار آب و ہوا کے لیے دعائیں

الفت مدینہ

رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دعا کی: ''اَللّٰھُمَّ! حَبِّبْ [illegible] مکۃ او اشد'' ''اے اللہ! ہمارے لیے مدینہ کو مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ محبوب کر دے۔'' سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر تو یہ عالم ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ جس مہم یا غزوے سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ منورہ کے بام و در دیکھتے تو مدینہ کی محبت میں اپنی سواری کی رفتار بہت تیز کر دیتے تھے۔[1]

مدینہ منورہ کی آب و ہوا کی خوشگواری کے لیے دعا

جب مہاجرین نے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تو ان پر مدینہ کا وبائی بخار مسلط ہوگیا۔ مدینہ کی یہ وبا جاہلیت کے زمانے میں سب کے ہاں معروف تھی۔ جو شخص مدینہ میں داخل ہوتا اور یہ چاہتا کہ وہ مدینہ کی وبائی بیماری سے محفوظ رہے تو اس سے کہا جاتا تھا کہ وہ گدھے کی طرح رینکے۔[2]

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ کے صحابہ کو

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا: 4/197-199۔ 2 فتح الباری: 7/327، 328.



مکہ مکرمہ کی جدید عمارات

ایک دوسری روایت میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إن إبراهيم حرم مكة ودعا لأهلها، وإني حرمت المدينة كما حرم إبراهيم مكة، وإني دعوت في صاعها ومدها بمثلي ما دعا به إبراهيم لأهل مكة»

''بے شک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا اور اس کے رہنے والوں کے لیے برکت کی دعا کی اور میں نے مدینہ کو حرم قرار دیا جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو قرار دیا تھا اور میں نے اس کے صاع اور مد میں اس سے دگنی برکت کی دعا کی جو دعا اہل مکہ کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی۔''

جونہی نئے موسم کا پھل آتا، اہل مدینہ وہ پھل خود نہیں کھاتے تھے بلکہ اُسے رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے۔ پھر وہ آپ ﷺ سے برکت کی دعا کراتے۔ آپ ﷺ نہایت خوشی سے وہ پھل تھامتے اور برکت کی دعا فرماتے:

«اللهم بارك لنا في ثمرنا، وبارك لنا في مدينتنا، وبارك لنا في صاعنا، وبارك لنا في مدنا، اللهم إن إبراهيم عليه الصلاة والسلام عبدك وخليلك ونبيك، وإني عبدك ونبيك، وإنه دعاك لمكة، وإني أدعوك للمدينة بمثل ما دعاك لمكة ومثله معه»

''اے اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت فرما، اور ہمارے مدینے میں برکت فرما اور ہمارے صاع میں برکت فرما، اور ہمارے مد میں برکت فرما۔ اے اللہ! بے شک ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے۔ میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں، انھوں نے تجھ سے مکہ کے لیے برکت کی دعا کی۔ میں تجھ سے مدینہ کے لیے ان کی دعا سے دگنی برکت کی دعا کرتا ہوں۔''

اس کے بعد آپ ﷺ کسی بھی چھوٹے بچے کو بلا کر اسے وہ پھل مرحمت فرما دیتے تھے۔[1]

رسالت مآب ﷺ ہی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ مدینہ منورہ میں ہر طرف خیر و برکت پھیلی ہوئی ہے اور ہر چیز بہتر اور وافر مقدار میں موجود ہے۔

اہل مدینہ کو خوفزدہ کرنے والوں کے لیے بددعا

رسول اللہ ﷺ نے جہاں مدینہ منورہ کے لیے خیر و برکت کی دعائیں فرمائیں، وہاں اہل مدینہ کو ستانے اور خوفزدہ

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 4/199،197، 333-335۔

کرنے والوں کے لیے بددعا بھی فرمائی۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اللّٰهم من ظلم أهل المدينة وأخافهم فأخفه وعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل منه صرف ولا عدل

''اے اللہ! جو شخص مدینہ والوں پر ظلم کرے اور انھیں خوفزدہ کرے، تو اسے خوفزدہ کر۔ اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہوگی۔ اس کا کوئی فرضی اور نفلی عمل قبول نہیں ہوگا۔''[1]

الحمد للہ، ثم الحمد للہ سیرتِ خاتم النبیین ﷺ کا نہایت خوبصورت اور بے مثال مرقع ''اللؤلؤ المکنون سیرت انسائیکلوپیڈیا'' پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ ہم ربِّ ذوالجلال کے حضور ہدیۂ تشکر اور سجدۂ عبودیت بجا لاتے ہیں۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ دارالسلام کے ذمہ داران اور کارکنان کے لیے ''سیرت انسائیکلوپیڈیا'' کی تکمیل پر دعائے خیر کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مقدس کام کے صلے میں قیامت کے روز رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے تلے جمع فرمائے اور آپ کے ہاتھوں حوضِ کوثر کا پانی نصیب فرمائے۔ اس انسائیکلوپیڈیا کی تکمیل میں جس نے بھی تعاون کیا ہے، انھیں اللہ کے رسول ﷺ کی شفاعت نصیب ہو۔

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، نسأل الله تعالى بمنه وكرمه أن يكون هذا العمل المبارك خالصا لوجهه وابتغاء مرضاته، صوابا على سنة نبيه، ونسأل الله أن ينفع المسلمين بهذه المجموعة، ويجزي المؤلفين والمعاونين والمشتغلين على طبعها خير الجزاء.

11 ربیع الاول 1437ھ

23/12/2015ء

1 المعجم الأوسط للطبراني: 53/4، السلسلة الصحيحة: 351.



سیرت انسائیکلوپیڈیا

رہبر انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے "اسوۂ حسنہ" ہیں۔ آپ نے 23 سال کے مختصر عرصے میں اقوام عالم کو ایسے روحانی اور سماجی و سیاسی انقلاب سے آشنا کیا کہ تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ کی ذات بابرکات اور عظیم کارناموں پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتب سیرت کی کہکشاں میں دارالسلام کا جدید انداز کا سیرت انسائیکلوپیڈیا "اللؤلؤ المکنون" اپنی نوعیت کا نہایت معتبر، منفرد اور ممتاز علمی و تحقیقی ارمغان حیثیت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے مطالعے سے رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں علم و بصیرت کی بھرپور روشنی ملے گی۔

یہ اس سیرت انسائیکلوپیڈیا کی گیارہویں اور اختتامی جلد ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک، فضائل و مناقب اور خصوصیات، اخلاق عظیم اور عادات مبارکہ اور معجزات کے علاوہ بارگاہ ربانی میں آپ ﷺ کی دعاؤں کا باب بھی شامل ہے۔ ۔۔۔۔ رب العالمین نے انسانوں کی رہنمائی کا جو فرض سونپا، رحمۃ للعالمین ﷺ نے وہ فرض بہ تمام و کمال پورا کر دکھایا۔ آپ ﷺ نے اوہام و خرافات کا خاتمہ کیا، اصنام باطل توڑ ڈالے، کفر اور شرک کے بتکدے ڈھا دیے، توحید کا پرچم بلند کر دیا، کالے گورے اور عربی و عجمی کا امتیاز مٹا دیا، حسب نسب کا غرور توڑ دیا، تقویٰ اور کردار کی بلندی کو معیار فضیلت ٹھہرایا۔ جان، مال اور عزت کی حفاظت کا اہتمام فرمایا۔ فرد کو راست باز بنایا اور معاشرے کو عدل و انصاف کی بنیاد پر استوار کیا اور انسان کو انسان کی غلامی سے چھڑا کر ایک اللہ کی بندگی کا سبق سکھایا ۔۔۔۔ یہی وہ جامع و مانع اسباق ہیں جو انفرادی و اجتماعی فلاح اور امن عامہ کے لیے ضامن و محافظ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان پر عمل کیے بغیر مصیبت زدہ انسانیت کبھی سکھ کا سانس نہیں لے سکتی۔ یہ سیرت انسائیکلوپیڈیا اس تڑپ اور طلب کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے کہ اس کا عمل کی نیت سے ہمیشہ مطالعہ کیا جائے اور سیرت طیبہ کا نور زمانے اور زندگی کے ان گوشوں میں پھیلا دیا جائے جہاں اجالے کی اشد ضرورت ہے۔

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ